

! اسلام علیکم

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا  
تک پہنچانا چاہتے ہیں تو زوبی ناولز زون

<https://www.zubinovelzone.com>

<https://www.znzlibrary.com/>

<https://www.znz.today/>

آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہا ہے اگر آپ ہماری ویب سائٹ پر اپنا ناول، افسانہ، کالم آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی ای میل کریں۔

[ZUBINOVELSZONE@GMAIL.COM](mailto:ZUBINOVELSZONE@GMAIL.COM)

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل اور وٹس ایپ کے ذریعہ رابطہ کر سکتے ہیں  
وہاں سب سے زیادہ رابطہ کرنے کے لئے نیچے لنک پر کلک کرے

[0344 4499420](https://www.facebook.com/Zubi.Novels.Zone.10)

<https://www.facebook.com/Zubi.Novels.Zone.10>

انتباہ! اس ناول کے تمام جملہ حقوق زوبی ناولز زون کے پاس محفوظ ہیں کسی بھی طرح کاپی کرنے سے گریز کیا جائے۔

<https://www.facebook.com/zubairkhanafri2020>

**WHATSAPP CHANNEL LINK**

[Channel Join Now](#)

بکس میں موجود کیٹیگری والے ناولز پڑھنے کے لئے ناول نام یا کیٹیگری نام پر کلک کریں

Novels Categories

[Web Special](#)

[Short Novels](#)

[Long Novels](#)

[Digest Novels](#)

[Romantic Novels](#)

[Facebook Novels](#)

[Ebook Novels PDF](#)

[Youtube Novels PDF](#)

Click On The Link Above To Read More Novels / [📞](#) / [✉](#) [0344 4499420](https://www.zubinovelzone.com/)

<https://www.zubinovelzone.com/>

مکمل ناول

**ZAKHM E MOHABBAT**

*(The Mafia Crown)*

**Zuni Kalam**

دبئی کی رات کچھ عجیب سی تھی۔ آسمان پر چھائے بادلوں کے پیچھے چاند اپنی پوری شدت سے چمکنے کی کوشش کر رہا تھا، جیسے کسی کے دل میں چھپی روشنی باہر نکلنے کو بے تاب ہو۔ اسی روشنی کے نیچے، ایک عظیم الشان محل نما حویلی کی دیواروں کے پیچھے ایک لڑکی پہلی بار نیند سے محروم، ایک اجنبی بستر پر بیٹھی تھی۔ انا یہ نور۔

ہنزہ کے پہاڑوں سے آئی ہوئی، معصوم چہرے والی اناہ، دبئی جیسے چمکتے شہر میں ایک اجنبی دنیا کا سامنا کر رہی تھی۔ آج اس کی شادی کو دو دن گزر چکے تھے، مگر اس کے دل کی حالت اب بھی ویسی ہی تھی۔ گم سم، بے چین، اور خوفزدہ۔ وہ جس شخص کی بیوی بنی تھی، وہ کوئی عام انسان نہ تھا۔

وہ تھا زیدان خانزادہ۔ دبئی کے سب سے خطرناک اور بااثر مافیا لیڈر کا تاج پہنے شخص

زیدان کا نام سنتے ہی لوگ راستہ بدل لیتے تھے۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں ایک ایسی دہشت تھی جو دشمن کے دل کی دھڑکن روک دیتی تھی۔ اس کے چہرے پر گہری خاموشی چھائی رہتی، اور اس کی موجودگی میں ہنسی بھی سہم جایا کرتی تھی۔ اناہ کو اس شخص سے شادی کرنی پڑی تھی۔ مرضی سے نہیں، بلکہ حالات کی مجبوری تھی۔ اور اب وہ یہاں تھی، ایک ایسی دنیا میں جہاں ہر مسکراہٹ کے پیچھے راز چھپے ہوتے ہیں، اور ہر دروازے کے پیچھے خاموش دھماکے۔

زیدان سے اب تک اس کی مکمل ملاقات نہ ہو سکی تھی۔ وہ نکاح کے وقت بھی خاموش رہا تھا، اور بعد ازاں بھی صرف ایک سرد نظر ڈال کر چلا گیا تھا۔ اناہ کے دل میں ہزاروں سوال تھے، مگر زبان پر تالا تھا۔

"کیا میں اس انسان کے دل تک پہنچ پاؤں گی؟"

یہ سوال اس کے ذہن میں مسلسل گونج رہا تھا۔

اچانک دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ دروازہ کھلا اور ایک لمبا، چوڑے شانے والا شخص اندر داخل ہوا۔ کالی شرٹ، سیاہ نظریں، اور ہلکی سی داڑھی — زیدان خانزادہ۔

کمرے کی فضا جیسے رک گئی۔

اناہ نے نظریں جھکا لیں، اور زیدان چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا، بغیر کچھ کہے۔



پھر اس نے صرف ایک جملہ کہا—

"تمہیں ڈرنا نہیں ہے، لیکن بھولنا بھی نہیں... کہ تم اب میری ہو۔"

دروازہ بند ہو گیا، اور انا یہ کی سانسیں ایک بار پھر لرز نے لگیں۔

اسے احساس ہو گیا تھا— یہ شادی صرف ایک بندھن نہیں، بلکہ ایک آزمائش تھی۔

جہاں دل، جان، اور روح— سب کچھ داؤ پر لگنا تھا۔

وہ لمحہ... جب زیدان کی نظریں انا پر ٹکیں، کمرے کی فضا جیسے کسی خواب میں بدل گئی۔

وہ لڑکی— انا یہ نور— بالکل اُس صبح کی مانند تھی جو ہنزہ کی وادیوں میں بادلوں کے سنگ اٹھتی ہے۔

گوری رنگت، جیسے برف کی سفید چادر۔ ہونٹ، جیسے کسی شاعر کی خاموش دعا۔

اور آنکھیں...

آنکھیں نہیں، وہ تو جھیلوں کا پانی تھیں— نیلا، گہرا، اور پرسکون۔

ایسی آنکھیں جن میں اترنے والا، اپنا راستہ بھول جاتا ہے۔

زیدان خاموش رہا، مگر اس کی نظریں چیخ رہی تھیں۔

"یہ کیسی مخلوق ہے؟ ایسی معصومیت... ایسی نزاکت... یہ روشنی میرے

اندھیرے میں کیسے اُتری؟"

انا یہ نے ہلکی سی نظر اٹھائی— اور پہلی بار، اُس کی آنکھیں زیدان سے ملیں۔

وہ لمحہ جیسے وقت نے روک لیا۔

زیدان خانزادہ— جس کے چہرے پر کبھی کوئی تاثر نہ آتا تھا، آج اُس کی آنکھوں

میں ایک لمحے کو ٹھہراؤ آیا۔

وہ مرد، جس کی شخصیت خوف اور خاموشی کی گواہ تھی—

جس کی کالی آنکھوں میں صرف تباہی کی کہانیاں بسی تھیں —

آج ایک معصوم چہرے کے سامنے ہارنے لگا تھا۔

زیدان...

گہرے سیاہ بال، جو اکثر بغیر سیٹ کیے بکھرے ہوتے مگر اس کے چہرے پر ایک جنگجو کا وقار دیتے۔

چہرے پر چھوٹی سی داڑھی، جیسے وقت نے خود تراشی ہو۔

اور وہ آنکھیں —

کالی، پُر اسرار، جیسے اندھیری رات میں جلتا ہوا کوئلہ۔

ایسی نظریں جن میں دیکھنے والا جھلس سکتا تھا، مگر انا یہ...

وہ نہ ڈری، نہ کانپی۔

بس خاموش رہی — جیسے وہ زخم سہنے کی عادی ہو۔

یہ حسن کا ٹکراؤ نہیں تھا—یہ ایک کہانی کا پہلا صفحہ تھا۔

جہاں ایک سنگدل مافیالیدر، پہلی بار کسی کے حسن میں سکون تلاش کرنے لگا۔  
اور ایک معصوم دل، پہلی بار کسی کے خاموش زخموں کو پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔

یہ محبت نہیں تھی...



یہ بس زخم محبت کا آغاز تھا۔

دروازہ بند ہونے کے بعد انا یہ نے آنکھیں موند لیں—مگر نیند کہاں؟

دل جیسے کسی ان جانے طوفان کا سامنا کر رہا تھا۔

”میں کیوں یہاں ہوں؟“

ایک خاموش چیخ اس کے وجود میں گونجی،

مگر آواز، صرف اس کے اندر قید رہی۔

دیوار پر لٹکی گھڑی کی ٹک ” چُپ، اس کی بے بسی کا مذاق اڑا رہی تھی۔

اچانک، دروازے کی نیچے سے ایک کاغذ پھسلتا ہوا اندر آیا۔

اناہی چونک گئی۔

جھک کر کاغذ اٹھایا۔

اک کاغذ، جس پر صرف ایک لفظ لکھا تھا:

”چُپ“۔

بس... یہی کافی تھا، اناہی کے دل کی دیواریں ہلانے کو۔

کسی نے اس کی خاموشی کو آواز دی تھی — مگر کس نے؟

زیدان؟

یا کوئی اور؟

اناہی نے کاغذ کو مضبوطی سے تھاما،

اور پہلی بار اس کی آنکھوں میں ایک الگ چمک ابھری —

ڈر نہیں... سوال تھا۔

اور یہی تھا آغاز اُس کہانی کا،

جس میں درد کاتاج بھی تھا،

اور زخموں کا کراؤن بھی۔



Zubi Novels Zone

یہ صرف محبت نہیں تھی —

یہ زخم محبت: دی مافیا کراؤن تھا۔

انایہ نے کاغذ کو اپنی مسٹھی میں دبایا۔

”چپ“۔

یہ لفظ، جیسے کسی نے اس کے دل پر مہر لگا دی ہو۔

وہ آہستہ ”چپ بستر سے اٹھی، اور کھڑکی کے قریب جا کھڑی ہوئی۔



باہر رات کا سناٹا اور اندر کا شور — دونوں ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔

نیچے لان میں سیکیورٹی گارڈز، سیاہ کپڑوں میں سائے بنے گھوم رہے تھے۔

یہ آزادی کا قلعہ نہیں تھا — یہ قید تھی، جسے محل کا نام دیا گیا تھا۔

”کیا میں کبھی اس دنیا سے نکل سکوں گی؟“

انا یہ نے دل میں سوچا، اور تبھی —

کمرے کے اندر موجود ایک کونے سے ہلکی سی آواز آئی۔

وہ پلٹی — اور دیکھا کہ ایک چھوٹا سا باکس میز پر رکھا ہے،

جو پہلے وہاں نہ تھا۔

ہاتھوں میں لرزش لیے اس نے باکس کھولا۔

اندر ایک پرانی تصویر تھی — ایک بچی، اپنی ماں کی گود میں مسکرا رہی تھی۔

اور ساتھ ہی رکھا تھا ایک کڑا—ہنرہ کی روایت کے مطابق شادی پر ماں کی طرف سے دیا جانے والا تحفہ۔

عنا یہ کی سانسیں رک گئیں۔

یہ تصویر... یہ کڑا... میری ماں کے پاس تھا!

مگر یہ یہاں کیسے آیا؟

کیا زیدان نے...؟

یا کوئی اور، جو اس کی ماضی سے بھی واقف ہے؟

تبھی، کمرے میں لگا موبائل انٹکام اچانک بجا—

ایک سرد، سخت آواز گونجی:

"تمہارے پاس وقت کم ہے، انا یہ نور۔ خاموش رہنا سیکھو—ورنہ یہاں

آوازیں نہیں، لوگ غائب ہوتے ہیں۔"

عنایہ کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

کمرہ اب کمرہ نہ رہا،

یہ رازوں کا ایک قلعہ بن چکا تھا۔

اور عنایہ...؟

وہ اب صرف ایک بیوی نہیں،

ایک راز تھی۔

ایک کڑی، جو زیدان کے ماضی اور حال کے بیچ جھول رہی تھی۔

دروازے کے پیچھے کھڑا زیدان، ہر لفظ سن رہا تھا۔

اس کی مٹھی بھینچ گئی۔

”عنایہ نور“...

اس نے زیرِ لب دہرایا،

”تم صرف میری نہیں... میری کمزوری بھی بن رہی ہو۔“

اور زیدان کے چہرے پر پہلی بار کوئی احساس آیا۔

محبت کا نہیں، خوف کا۔

دبئی کے آسمان تلے بلند و بالا عمارات کے درمیان، ایک شاندار دفتر جگمگا رہا تھا۔  
یہ زیدان خانزادہ کا دفتر تھا۔ ایک ایسا مقام جہاں فیصلے نہیں، سزائیں لکھی جاتی  
تھیں۔

دفتر کی دیوار پر پھیلی شیشے کی کھڑکیوں سے شہر کی روشنیاں کسی خواب کی مانند  
نظر آرہی تھیں۔ مگر اندر ایک خاموشی تھی جو صرف زیدان کی موجودگی سے

جنم لیتی تھی۔ اُس کے چہرے پر چھائی سنگینی، وحشت اور وقار کی ایسی تصویر تھی

جس کے سامنے بڑے 2: بہادر بھی نظریں جھکا لیتے۔

عمار، اس کا سب سے قریبی ساتھی، خاموش کھڑا تھا۔

”کیا خبر ہے؟“ عمار

زیدان ”شپمنٹ آج رات پہنچ رہی ہے، سب کچھ ویسا ہی ہو گا جیسا آپ نے کہا

تھا۔ انتظام مکمل ہے۔“

زیدان کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ای۔ وہ مسکراہٹ، جو عام آنکھ کو

خوشی کا تاثر دے، مگر جاننے والے سمجھتے تھے... یہ خاموش اعلانِ موت ہوتا تھا۔

”یاد رکھو عمار، غلطی صرف ایک بار معاف ہوتی ہے۔ اور کچھ لوگ تو وہ حد بھی

پار کر چکے ہیں“...

عمار نے تھوڑی دیر کو نظریں جھکائیں۔ اسے معلوم تھا، آج رات زیدان خاموش نہیں رہے گا۔

---

اب ان کا رخ دبئی کے ساحل کی طرف تھا۔

دبئی کے ساحل پر رات کی تاریکی اتر چکی تھی۔ سمندر کی خاموش لہروں کے بیچ، ایک سیاہ کار قافلہ رُکا۔ گاڑی کے دروازے کھلے، اور قدموں کی چاپ کے ساتھ زیدان کا سایہ زمین پر اتر ا۔

جہاں روشنیوں کے درمیان کچھ لڑکیاں چُپ چاپ کھڑی تھیں، جنہیں جسم فروشی کے گھناؤنے جال میں دھکیلا جا رہا تھا، وہاں زیدان کی آمد وحشت کی خبر تھی۔

لڑکیوں کی حالت دیکھتے ہوئے عمار سے رہا نہیں گیا تو بے ساخت بول اٹھا۔



”یہی وہ لمحہ ہے، جس کا سب کو خوف تھا۔“

زیدان نے اپنی نگاہیں گھما کر منظر کا جائزہ لیا۔ پھر دھیرے سے گاڑی کی بونٹ کے پاس آیا اور اپنے خاص ہتھیار کی نیف کھولی۔ ایک سادہ سا چاقو، مگر اُس پر ایک مخصوص نام کندہ تھا۔ یہ ہتھیار وہ صرف خاص دشمنوں کے لیے نکالتا تھا۔ وہ جنہیں موت خاموشی سے نہیں، ایک پہچان دے کر آتی تھی۔

ڈینی۔ وہ شخص جسے زیدان نے کئی بار موقع دیا۔ جو پاکستان سے کم سن لڑکیاں اغواء کر کے، دنیا بھر کے جسم فروش بازاروں میں بیچتا رہا۔ آج وہ زیدان کے جال میں خود چل کر آیا تھا۔

زیدان کے اشارے پر اُس کے ساتھی حرکت میں آئے۔ لڑکیوں کو فوراً محفوظ مقام پر منتقل کیا جانے لگا۔

زیدان آگے بڑھا، اور جیسے ہی اُس نے پہلا وار کیا، خون کے چھینٹے فضا میں اڑ گئے۔ ایک the کر کے، ڈینی کے ساتھیوں کو وہ جہنم واصل کرتا گیا۔



موت کا ایسا کھیل دیکھ ڈینی کو اپنی جان کے لالے پڑے۔ تو وہ بنا دیری کئے  
 زیدان خانزادہ کے قدموں میں گر کے جان بخشی مانگنے لگا۔ جب لگا موت سر پہ  
 کھڑی ہے تو لالچ کا پتہ پھک کر جان بخشی کی آخری کوشش کی گئی  
 ”میرا علاقہ تمہارے حوالے، بس مجھے بخش دو“...

یہ جانے بنا کے آج اس کی موت کا وقت تا ہو چکا ہے۔

پھر زیدان نے ہولے سے سراٹھایا، اور ایک ایسا قہقہہ لگایا جس نے ہواؤں میں  
 لرزش بھردی۔

”اگر میں چاہتا... تو تیرا علاقہ چٹکیوں میں لے لیتا۔ مگر تم نے میرے دائرے  
 میں یہ ناپاک قدم رکھ کر جو غلطی کی ہے، زیدان خانزادہ کی دُنیا میں اُس کی  
 صرف ایک ہی سزا ہے... ”اور وہ ہے موت۔۔۔“

اس کے ساتھ ہی زیدان خانزادہ کا ہاتھ ہوا میں اٹھا اور

ایک لمحے میں چاقو نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ ڈینی کے چہرے پر مخصوص نشان چھوڑ کر زیدان نے اپنی دنیا کو ایک اور گناہ سے پاک کر دیا۔

ڈینی کو جہنم واصل کرنے کے بعد تمام حصے کو اپنے قبضے میں کرتے زیدان نے عمار کو ہدایت کی اس سب کچرے کی صفائی اور لڑکیوں کو آن کے گھر باحفاظت پہنچانے کا زمہ دتے اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔

ایک لمحے کو ذہن کے پردے پے اُس حسینہ کا چہرہ آ لہرایا۔ زیدان کے چہرے کو ایک جاندار مسکراہٹ نے گھیرا۔

اب گاڑی کا رخ اُس پیلس کی طرف تھا... جہاں سکون کی ایک دھڑکن اُس کا انتظار کر رہی تھی۔

دبئی کی راتوں میں ایک خاموش طوفان چل رہا تھا... زیدان خانزادہ، دبئی کا بے تاج بادشاہ، آج پھر ایک گناہ کا باب بند کر چکا تھا۔ ساحل پر خون کے چھینٹے چھوڑ کر جب وہ اپنے محل میں داخل ہوا تو اُس کے چہرے پر ایک عجیب سی تھکن چھائی

ہوئی تھی۔ جیسے ہر وار کے بعد اُس کا دل مزید سن ہوتا جا رہا ہو۔ مگر پھر اُس  
حُسن پر ی پا کر کا خیال آتے ہی دل نے ذور سے ایک بیٹ مس کی۔

راہداری سے گزرتے اب وہ عنایہ کے کمرے کے دروازے کے سامنے تھا۔

چند لمحے رُکا، جیسے خود کو تیار کر رہا ہو۔ پھر آہستگی سے دروازہ کھولا۔

کمرے میں ہلکی زرد روشنی تھی۔ عنایہ، ہاتھ میں اپنے ماں کے دیے گئے پرانے  
کنگن لیے، بیڈ پر بیٹھی تھی۔ اُس کے پاؤں ننگے تھے، اور پلکیں بھیگی ہوئی۔

دروازہ کھلتے ہی اُس نے نظریں اٹھائیں۔

ہے ساخت جوب بول اٹھے ”آپ... پھر سے آگئے؟“

زیدان آہستہ قدموں سے اندر آیا۔ نہ وہ غصہ تھا، نہ حکم۔ بس ایک عجیب سی  
خاموشی۔

وہ سمجھتا تھا عنایہ کے لئے یہ سب اور یہ رشتہ ایک دم قبول کرنا اسان نہیں۔

اُس کا یہ معصوم روپ اس قدر خوفناک زندگی کو اتنی آسانی سے نہیں قبول کر سکتا ہے۔

دونوں کے بھیج گہری خاموشی آٹھری۔ اس خاموشی کی فضاء کو توڑنے کے لئے زید ان نے بات کرنا چاہی۔

”مجھے لگا، تم اکیلی ہو... ڈر رہی ہو گی۔“

عنایہ نے نظر اٹھا کر زید ان کی آنکھوں میں دیکھا جسے بولے گئے لفظوں کا وزن تلاش رہی ہو۔

پھر ہولے سے لب ہلے۔۔

”ڈر تو لگتا ہے... پر اب دل بھی مان گیا ہے کہ بھاگ بھی جاؤں، تو بچوں گی نہیں۔“

یہ جملہ سُن کر زیدان کی نگاہیں تھم گئیں۔ اُس نے پہلی بار غور سے عنایہ کی طرف دیکھا۔ وہ ننھی سی لڑکی، جس کی آنکھیں جھیل جیسی تھیں—صاف، گہری، اور ہر احساس کو چھپا لینے والی۔

اس لمحے بھی بات کرتے اس نے صاف گوئی سے سچ کہنا ہی سہی سمجھا۔  
زیدان نے اُس کی غلط فہمی دور کرنا چاہی۔

”عنایہ، تم میرے لیے بہت قیمتی ہو۔ میں تمہیں قید نہیں کرنا چاہتا... لیکن یہ دنیا تم جتنی معصوم نہیں۔ ڈرتا ہوں۔ میری اس سیاہ دنیا کا اثر تم پر نے آجائے۔“

عنایہ اس کی بات کو کاٹتی ذرا ضدی انداز میں ایک ہاتھ کمر پر رکھتے زیدان پرے جھکتے ہوئے بولی:

”تو مجھے کیوں لائے یہاں؟ اگر میں آپ کی دنیا کا حصہ نہیں، تو مجھے لے کر ہی کیوں آئے؟“

اس کا انداز دیکھ زید ان خانزادہ کو اپنا دل پسلیوں توڑ کے باہر اتا محسوس ہوا۔ کوئی اُس کی زندگی میں پہلی بار اپنا حق مانگنے آیا۔ دل کو ایک سکون اور تکلیف کی ملی جلی لہر محسوس ہوئی۔

زید ان خاموش ہو گیا۔ چند لمحے گزرے۔ وہ اُس کے قریب آیا، اتنا کہ عنایہ کو اُس کے سانسوں کی گرمی محسوس ہونے لگی۔

عنایہ ذرا گھبرا کے پیچھے کو ہونے لگی اس سے پہلے وہ ”تو گرتی زید ان خانزادہ اسے کمر سے پکڑ اپنی طرف کھینچا۔ وہ کسی کٹی ڈال کے جسے زید ان خانزادہ کے سینے سے آٹکرائی۔

پھر وہ آہستہ سے بیٹھا، اور اُس کی کلائی تھامی۔ وہی جس میں ماں کے کنگن تھے۔ نظروں کا ٹکراؤ ہوا لگا جسے دُنیا اور وقت تھم گیا ہو۔



ایک پل اسے دیکھ وہ روکا پھر کہنا شروع کیا۔

تم نے پوچھا میں تمہیں لے کر یہاں کیوں آیا۔ تو جان لو، ”کیونکہ تم میرے دل کی کمزوری بن گئی ہو، اور میں چاہ کر بھی تمہیں نظر انداز نہیں کر پایا۔“

اس لمحے عنایہ کے لئے وقت جسے تھم گیا تھا۔

عنایہ کی آنکھوں میں نمی بھر آئی۔ وہ پلکیں جھکا گئی، پردل ایک عجیب سی دھڑکن سے لرزا اٹھا۔

عنایہ کے دل کی دھڑکن زیدان خانزادہ کو اپنا سینے میں دھڑکتے محسوس ہوئی۔  
عنایہ کی آنکھوں میں نمی اترتے دیکھ زیدان خانزادہ نے اس کے ہاتھ کو اور بھی مضبوطی سے تھم لیا۔ خود کو سنبھال عنایہ وہ سوال لبوں پر لی جو دل میں دنگ مارے بیٹھا تھا۔

”اور جو کمزوریاں دل میں گھر کر لیں، اُن کا کیا کرتے ہو آپ؟“



زیدان نے اُس کی کلائی تھمی اور بے ساخت اُس پر محبت سے چور لب رکھ دیے  
— دھیرے، احترام سے، محبت کے اس لمس میں کوئی دعویٰ نہ تھا، صرف ایک  
تسلیم چھپی تھی۔

زیدان کا چھونا تھا کے عنایہ کی پلکیں خود بخود جھک گئیں۔

زیدان نے عنایہ کے چہرے کو ٹھوڑی سے پکڑاؤ پر کیا۔ وہ ہلچل جو اس سوال  
نے اُس کے دل کی دنیا ہلار کھی تھی۔ اُس کی جھیل جیسی آنکھوں کو گواہ بنتے  
ہوئے اعتراف کیا۔

”اُنہیں دل کی سلطنت کا تاج دے دیا جاتا ہے... جیسے تم ہو۔“

لفظ تھے یہ اظہار پر ”اُنہیں لگا جسے برسوں کا بوجھ اتر گیا ہو۔“

عنایہ کا دل جیسے ٹھہر سا گیا۔ یہ وہ زیدان نہ تھا جس سے وہ ڈری تھی، یہ وہ زیدان  
تھا جو خالی لمحوں میں تنہائی کی پناہ ڈھونڈتا تھا... جو شاید محبت کا مطلب خود بھی  
نہیں سمجھ پایا۔

کمرے میں سکوت چھا گیا، صرف سانسوں کی مدھم لے باقی تھی۔ زیدان اور

عنایہ کی دل کی دھڑکنیں ایک پر ”الگ ہی سر میں دھڑک رہیں تھیں۔

یہ وہ لمحہ تھا۔ کہ جب عنایہ کے تکلیف سے چور ماضی کے دیے زخموں کو کچھ

سہارا ملا۔ یہ احساس

خود بخود زیدان کی طرف جھکا رہا تھا۔

عنایہ نے ہولے سے اپنا سر زیدان کے کندھے پر رکھا... اور پہلی بار، اُس کے دل

نے یہ مانا:

”شاید قیدیں بھی مقدر ہوتی ہیں، اور کچھ قیدی قسمت کے ہوتے ہیں...”

رات انہی لمحوں میں ریت کے جسے پھسلتی چلی گئی۔ اور چاندان کا گواہ بنتا چلا گیا

شام کا سورج دبئی کی عمارتوں کے پیچھے ڈوبتا جا رہا تھا۔  
افق پر بکھرا نارنجی رنگ جیسے کسی ادھوری کہانی کا آخری صفحہ ہو۔  
عنا یہ نور خاموشی سے کمرے کے کونے میں سمٹی بیٹھی تھی،  
اپنی ڈائری پر ہلکی سی قلم کشی کرتے ہوئے وہ اپنے دل کی ان کہی باتوں کو لفظوں  
میں قید کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔  
ہر لکھا جملہ،  
ہر کھینچی گئی لکیر،  
اس کی خاموش چیخوں کا عکس تھی۔  
اچانک...

دروازے کی ہلکی سی چرچراہٹ نے اس کی ساری توجہ توڑ دی۔

وہ چونک کر پلٹی... اور سانس جیسے اس کے لبوں پر ہی اٹک گئی۔

سیاہ لباس میں ملبوس،

ٹھنڈی آنکھوں اور خاموش قدموں کے ساتھ

زیدان خانزادہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔

اس کی موجودگی کا دبدبہ اتنا شدید تھا کہ ہوا کی روانی بھی تھم سی گئی۔

زیدان نے ایک گہری، خاموش نظر عنایہ پر ڈالی —

ایسی نظر، جس میں کوئی سوال نہ تھا، مگر ہر جواب چھپا تھا۔

وہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے اس کے قریب آیا...

بغیر ایک لفظ کہے، اس نے ڈائری کی طرف دیکھا،

پھر نظر ہٹائے بغیر دھیرے سے کہا:

“> کچھ الفاظ صرف کاغذ پہ نہیں، روح پہ لکھے جاتے ہیں... اور روح کی

تحریریں مٹی نہیں عنایہ۔”

عنایہ کی پلکیں تھر تھرا گئیں۔

اس نے ڈائری فوراً بند کر لی، جیسے اپنے رازوں کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی

ہو۔



لیکن زیدان کی نگاہیں...

وہ اس کی ڈائری کے نہیں،

اس کے دل کے کاغذ پڑھ رہی تھیں۔

چند لمحے...

صرف خاموش سانسوں کا تبادلہ ہوتا رہا۔

پھر زیدان بنا کوئی اور لفظ کہے، پلٹ گیا۔

اس کی پشت جاتے وقت بھی ایک ایسی گرفت چھوڑ گئی جو عنایہ کے دل کو  
زنجیروں میں جکڑتی چلی گئی۔

---

رات کے کسی بے چین پہر... عنایہ کروٹیں بدل رہی تھی،  
دل میں ایک عجیب سی کسک تھی۔

نہ وہ زیدان کو سمجھ پائی تھی، نہ خود کو۔  
پلٹتی تو اس کی موجودگی کا لمس،

آنکھیں بند کرتیں تو اس کی نگاہوں کی شدت...

”یہ خاموشی... یہ کیسی قید ہے؟“

عنایہ نے دل ہی دل میں خود سے سوال کیا۔

---



اگلی صبح...

عنایہ ہال کے فرش پر ہلکی پھسلن کے باعث لڑکھڑا گئی۔

ایک چیخ لبوں سے پھوٹنے ہی والی تھی کہ کسی نے فولادی مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

وقت جیسے تھم گیا۔

اس نے ہچکچاتے ہوئے اوپر دیکھا۔

سیاہ آنکھیں...

وہی خاموش شدت...

وہی زیدان۔

اس کی انگلیوں کی گرفت میں ایک عجیب سا تحفظ چھپا تھا۔

زیدان نے بنا چھوڑے، دھیرے سے جھکتے ہوئے کہا:

“> گرنے کا ڈر ہو تو کسی مضبوط ہاتھ پر یقین کر لینا چاہیے، عنایہ...”

اس کے الفاظ میں کوئی نرمی نہ تھی...

مگر ان کہی چاہت، ہر لفظ میں چیخ رہی تھی۔

عنایہ نے آنکھیں جھکا لیں،

شرم کی ایک ہلکی سی لہر اس کے چہرے پر دوڑ گئی۔

زید ان نے اسے سنبھال کر کھڑا کیا۔

اور چند لمحوں تک، بغیر کچھ کہے اسے دیکھتا رہا۔

پھر خاموشی سے پلٹ گیا۔

---

اس رات... عنایہ اپنے کمرے میں لوٹی تو بیڈ پر ایک چھوٹا سا مخملی ڈبہ رکھا تھا۔

دل کی دھڑکن بے قابو ہو گئی۔

ہاتھ کانپتے ہوئے اس نے ڈبہ کھولا۔

ایک خوبصورت نازک سی بریسلٹ جس پر سنہری الفاظ میں کندہ تھا:

”Z.K's Star”

عنایہ کی آنکھوں میں نمی تیر گئی۔

زیدان کی پہلی خاموش پہچان...

ایک احساس...

جس میں کوئی دعویٰ نہ تھا مگر مکمل ملکیت تھی۔

زیدان اپنے آفس کی بالکونی میں کھڑا تھا۔

سگریٹ کے دھوئیں کے بادلوں کے پیچھے چھپی اس کی آنکھیں صرف عنایہ کو

تلاش کر رہی تھیں۔

دور کہیں عنایہ ہنستی ہوئی دکھائی دی...

زید ان کے لبوں پر ایک بے اختیار مسکراہٹ آئی—

مگر وہ مسکراہٹ پل بھر میں دب کر رہ گئی۔

صبح کی مدھم روشنی کمرے میں پھیل رہی تھی۔ عنایہ کی پلکیں ہلک 4:1 اٹھیں،  
لیکن نیند سے نہیں— ایک ان کہی کسک سے۔ یادوں کا بوجھ آج خوابوں سے  
زیادہ بھاری تھا۔

ہوا میں ایک مہک تھی— محبت کی، شکست کی، اور اس زخم کی جو وقت کے  
ساتھ بھی نہیں بھرا تھا۔

(ہنزہ ماضی)

سنہری دھوپ، برف پوش پہاڑ، اور ایک خاموش فضا۔ عنایہ کے والد کی کڑکتی  
آواز آسمان چیر گئی۔

“> یہ نکاح ہماری عزت کا سوال ہے، عنایہ! کوئی راستہ نہیں بچا”!  
عنایہ کے وجود پر جیسے پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ قدم ڈمگائے۔ سانسیں الجھ گئیں۔ اور پھر  
وہ منظر۔ جب زید ان کمرے میں داخل ہوا۔  
سیاہ آنکھیں، چٹانی چہرہ، اور ایک خاموش غضب۔  
“> قبول ہے”...

ان تین الفاظ نے عنایہ کے خوابوں کی وادیوں کو قید خانے میں بدل دیا۔ ایک  
بے بس دل، ایک ساکت روح... اور سارا Hunza گواہ تھا اُس قیامت کا۔  
(حال)

عنایہ نے آنکھیں کھولیں۔ کمرے میں ایک خاموش سی ٹھنڈک تھی۔ تبھی دروازہ ہلکا سا چر مرا یا۔ زیدان آیا۔

لیکن آج... نہ وہ وحشت تھی، نہ وہ سنگدلی۔ صرف ایک نظر، جو جیسے اندر تک اتر گئی۔

زیدان کی نگاہیں اُس کی کلائی پر پڑیں۔ جہاں ایک پرانا زخم اب بھی گواہی دے رہا تھا۔ آواز بھاری تھی، پر پہلی بار نرم:

”یہ نشان... کب لگا تھا؟“

عنایہ نے نظر چرائی۔ لب کپکپائے، لیکن بولی:

”اسی دن... جس دن آپ میری زندگی کا فیصلہ بنے تھے۔“

خاموشی گونجی۔ زیدان کا دل جیسے پہلی بار کانپا۔ ایک بے آواز قسم کھائی۔

”اب یہ لڑکی میری قید نہیں... میرے ضمیر کی جنگ ہے۔“



عنایہ چھت پر آکھڑی ہوئی۔ چاندنی اس کے سنہرے بالوں میں الجھ رہی تھی۔

پیچھے زیدان تھا—خاموش، محتاط۔

عنایہ نے بناپٹے کہا:

”> کبھی لگا کہ ہم دونوں دو جسم نہیں، دوزخم ہیں؟“

زیدان نے سرد آہ بھری۔ آہستہ قدموں سے قریب آیا اور بولا:

”> زخم بھرنے نہیں آتے مجھے... صرف بدلے لینے آتے ہیں۔“

عنایہ ہلکے سے مسکرائی۔ آنکھوں میں عجیب سی روشنی تھی:

”> شاید اس بار کسی نے بدلے کے بجائے... آپ کی دعا کی ہے۔“

زیدان کی پلکیں لرزیں۔ دل کی دیواروں میں دراڑیں پڑنے لگیں۔ مگر وہ پلٹا

—بغیر کچھ کہے، بغیر کچھ دکھائے۔

کمرے میں بیٹھا زیدان—ہاتھ میں فائل، دماغ میں طوفان۔

”کیا یہ لڑکی... میرے پتھر دل پر دستک دے رہی ہے؟ یا یہ محبت... میری تباہی کی شروعات ہے؟“

وہ کھوسا گیا۔ عنایہ کی ہنسی، آنکھوں کی چمک — سب دل پر وار کر رہی تھیں۔ ایک دن، عنایہ نے ہمت کی۔ بچوں کی معصومیت لیے، زیدان کے پاس آئی:

”چلو آج ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔“

زیدان نے پہلی بار دل سے مسکرا کر کہا:

”ٹھیک ہے، لیکن ایک شرط — اگر تمہیں ہنسنا سکا، تو میرا انعام تمہاری مسکراہٹ ہوگی۔“

اور یہ وہ لمحے تھے جو زیدان کو پھر سے زندہ کر گئے۔ وہ دونوں روزمرہ کی چھوٹی ”ٹھیک باتوں پر ہنستے۔ عنایہ کی ہنسی میں زندگی تھی، امید تھی۔“

زیدان نے پہلی بار کھل کر کہا:

”سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ میں جب بھی کھانا بنانے گیا... تو یا کچن جلایا یا خود۔“

عناہ کا قہقہہ کمرے میں گونجا۔ وہ ہنس چھوٹی ”کردوہری ہو گئی۔

”تو پھر آپ کو زندگی میں پاستا بنانے کا ورلڈ ریکارڈ ملنا چاہیے۔ سب سے زیادہ آگ لگانے والا شیف!“

زیدان نے دل سے قہقہہ لگایا۔ ایسا قہقہہ جس میں تلخی نہیں تھی، صرف خوشی تھی۔

ہر گزرنے والا لمحہ، زیدان کے وجود کو نرم کرتا جا رہا تھا۔ جہاں پہلے خنجر تھے، اب پھول کھلنے لگے تھے۔

ایک شام، درخت کے نیچے بیٹھے، عناہ نے سرگوشی میں پوچھا:

”کیا آپ نے کبھی سوچا کہ محبت آخر اتنی تکلیف دہ کیوں ہوتی ہے؟“

زیدان نے آسمان کی طرف دیکھا، اور دھیرے سے کہا:

”محبت سمجھنے کے لیے دل کی نرمی چاہیے... اور میں ہمیشہ اس نرمی سے ڈرتا رہا۔

لیکن شاید تم نے دکھایا کہ محبت بھی کبھی ”کیا... ہنسی کا دوسرا نام ہے۔“

چاندنی رات میں، آنکھوں کی خاموش گفتگو کے ساتھ — ایک نیا سفر شروع

ہوا۔



Zubi Novels Zone

زیدان نے ہنستے ہوئے کہا:

”شاید یہ نیا راستہ ہے... جہاں درد کم اور خوشیاں زیادہ ہوں گی۔“

”اور یوں، دوزخ میں دل ایک نئی محبت کا خواب بُننے لگے... مگر قسمت دور کھڑی،

خاموشی سے نئی آزمائشوں کے ساز چھیڑ رہی تھی۔“

ایک نئی صبح کا آغاز ہو چکا تھا۔ سورج اپنے آبتاب سے چمک رہا تھا۔ ناشتے کی ٹیبل پے زیدان خانزادہ بیٹھے فائل دیکھ رہا تھا۔ انج پہلی بار مافیا کالیڈرا ایک چھوٹی سی لڑکی جو شاید کہیں نہ کہیں اُس کے دل کی برف گرا چکی تھی۔ اُس کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ زیدان نے کلائی گھوما کے گھڑی پے ٹائم دیکھا۔ اتنا ٹائم کیوں لگ رہا ہے۔ ابھی یہ کہتے زیدان آٹھ کے سیر ھیوں تک آیا ہی تھا نظر پڑتے ہی دُنیا تھم گئی تھی۔ عنایہ ایک خوبصورت ساسر خ رنگ کا پٹھانی فراک پہانے کھڑی تھی سر پے لگی متھاپٹی کے موتی زیدان کے دل کی سلطنت ہلا گئے۔ زیدان کی نظریں عنایہ کی جان لیوا خوبصورتی میں کھو گئی۔ سیر ھیوں سے اتر عنایہ زیدان کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ زیدان کو ہوش تو تب آیا جب عنایہ نے اپنے بال ہاتھ سے پیچھے کئے تو ہاتھوں میں پھنی چوڑیوں کی کھنک نے زیدان کے سکتے کو توڑا۔ عنایہ زیدان کی حالت دیکھ مسکرا اٹھی۔ زیدان کی نظر عنایہ کے ہونٹوں پے لگی سرخ لپسٹک پے ٹھر گئی۔ زیدان کو ایسے سٹل دیکھ عنایہ نے اسے ہلاتے دُنیا میں

واپس کھینچا آپ کو کیا ہو گیا کوئی بھوت دیکھ لیا ہے کیا۔ زیدان ایک دم سیدھا ہوا

وہ آکھڑی وہ۔۔۔ کیا وہ آکھڑی کر رہے ہیں کیا میں اچھی نہیں لگ رہی۔ عنایہ نے بچوں کی طرح چہرہ بگاڑا۔ زیدان کا دل چاہا سارا پیارا اس پے نچھاور کر دے زیدان کے چہرے پے جان لیوا مسکراہٹ آٹھ رہی۔ عنایہ کا ہاتھ پکڑا کے اُس کو ٹیبل پے لہ کے بٹھایا اور اُس کے لیے ناشتا ڈالنے لگا عنایہ کے دل کو کچھ آکھڑی گد گودانے لگا۔ شاید پیارا کا پھول کھل اٹھا تھا۔ آج دونوں میں خوب باتیں ہوئی زیدان کو اپنی دنیا پہلی دفعہ اچھی لگنے لگی۔ عنایہ نے باتوں ہی باتوں میں زیدان کو آج باہر گھومنے کے لئے منالیا۔ زیدان کا دل تو نہیں مان رہا تھا۔ پر عنایہ کا دل نہیں دکھا سکتا ہے۔ زیدان نے اپنی سیکیورٹی کو فون کیا اور عنایہ کو شاپنگ مال اپنی فوج کے ساتھ بھیج دیا۔

دوسری طرف زیدان اپنے آفس میں بیٹھا اپنے کام میں مصروف تھا۔



کمرے میں چپ کاراج تھا۔

زیدان خانزادہ کی نظر اپنے ہاتھوں میں پکڑی فائل پر تھی، مگر ذہن کہیں اور تھا۔

اچانک، عمار کی تیز وجود قدموں کی آواز آئی۔

وہ ڈور کھول کر اندر آیا، سانسیں پھولی ہوئی تھیں، اور اس کے چہرے پر ایسی

وحشت تھی جیسے کسی نے اس کا پورا جہاں الٹ دیا ہو۔

زیدان نے سر دلچے میں پوچھا:

”کیا ہوا عمار؟“

عمار ایک لمحے کے لیے کچھ نہیں بول سکا۔ پھر اُس کی آواز میں ہلکی سی لرزت

تھی، جیسے وہ اپنے اندر کی خوفناک حقیقت کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہو:

”سر... سر... خبر ہے... عنایہ... وہ...“

زیدان نے بے حد تیز نظریں اٹھائیں، ایک پل کے لیے دل کی دھڑکن رکی۔

”کیا... تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“

عمار نے ایک گہری سانس لی، پھر اُسے وہ خبر سنائی جس سے پورا کمرہ جیسے ساکت ہو گیا۔

”عنا یہ بھابی کی گاڑی پر جان لیوا حملہ ہوا ہے“

یہ تین لفظ جیسے بجلی کی طرح زیدان کے جسم میں دوڑ گئے۔

اس کی آنکھوں میں خون کی لالیاں اُتر آئیں، سانس رک گئی۔

اس کا ہاتھ مڑ کر میز پر پھیلی ہوئی فائل پر پڑا اور میز پر پڑی ہر قیمتی اشیاء زمین پر بکھری پری تھی۔

ایک ہی جست میں زیدان عمار کے پاس پونچھ اُس کا گریباں پکڑ چکا تھا۔  
آنکھیں جسے لہو چلکھ رہی تھیں۔

کہا ہے عنا یہ؟

آواز اس قدر روب دار تھی کے عمار کو اپنی روح فنا ہوتی نظر آئی۔

عمار نے تھوک نکلتے بولنا شروع کیا۔ تمہاری پیٹھ پر وار کرنے والا تمہارا وہی دوست ہے۔

دھڑکن تیز ہو گئی تھی، دل کا دھڑکنا جیسے اس کے جسم سے باہر کی دنیا تک سنا جا رہا ہو۔

زید ان نے گہری اور غصے سے بھری نظر عمار پر ڈالی۔ اس کا گریباں چھوڑا ب زید ان کا رخ باہر کی طرف تھا وہ بھاگنے کے انداز میں آفس سے نکلتے گاڑی تک پونچھا اسے اس قدر غصے میں دیکھ عمار کے اشارے پر ان کی فورس بھی ساتھ نکل پڑی۔

زید ان کا ضبط سے چہرہ لعل ہو چکا تھا ہاتھوں اور گردن کی نसे پھولتی جا رہی تھیں۔ اچانک سے عنایہ کا معصوم چہرہ نظروں کے سامنے آیا۔ زید ان کا دل ڈوبنے لگا۔ گاڑی کی سپیڈ اور بہرادی گاڑی دوہی کی سڑکوں پر مخالف سمت کی

ہوا کو چیرتی ہوئی بھاگ رہی تھی۔ زیدان کا ضبط سے سٹرنگ پر ہاتھ کا دباؤ اور بھر گیا۔ اچانک وہ چیخ اٹھا۔

”اسے ایک خروج بھی اتنی تو میں اس دنیا کو جالادالوں گا۔

اس چیخ میں واضح اعلان تھا۔ کے انج کسی کی موت تا ہے۔

زیدان کو عنایہ کی گاڑی کی لوکیشن مل چکی تھی۔ گاڑی کو صحرا کے راستے ڈال دیا گیا تھا یہ دیکھ زیدان کا ضبط ختم ہوا تھا۔

اور کچھ ہی لمحوں میں وہ اُس راستے پہ تھا۔

سامنے منظر بالکل صاف تھا۔ عنایہ کی گاڑی سامنے تھی۔ گاڑی کے گارڈز صحرا

کی ریت میں مردہ حالت میں پڑے تھے۔

زیدان کی گاڑیوں نے اس جگہ کو اپنے کنٹرول میں لے لیا تھا

چاروں طرف زیدان کی گاڑیوں موجود تھی۔

دوسری طرف وہ دوست کی کھال میں چھپا دشمن گاڑی کے سامنے عنایہ پر  
بندوق تانے کھڑا تھا۔

عنایہ کا چہرہ خوف سے لٹھے کی مند سفید پڑ چکا تھا۔

یہ دیکھ زیدان نے اپنے ہاتھوں کی موٹی بنائی انگلیوں کی ترڑھات صاف سنائی  
دے رہی تھی۔

ایک طرف اصول اور دوسری اور جان سے بھی زیادہ متاجان کی زندگی داؤپے  
لگی تھی۔

یہ تین لفظ جیسے بجلی کی مانند زیدان کے وجود میں دوڑ گئے۔

اُس کی آنکھوں میں خون اُبلنے لگا تھا، سانس حلق میں اٹک گئی تھی۔  
 غصے میں اُس کا ہاتھ میز پر جا پڑا، ہر قیمتی شے، ہر فائل، زمین پر بکھر کر رہ گئی۔  
 ایک ہی جست میں زیدان عمار کے پاس پہنچا، اُس کا گریبان اپنے آہنی ہاتھوں  
 میں جکڑ چکا تھا۔

آنکھیں خون اُگل رہی تھیں، لبوں سے زہر ٹپک رہا تھا۔  
 ”کہاں ہے عنایہ؟“

زیدان کی آواز میں ایسی دھاڑ تھی کہ عمار کو اپنی روح فنا ہوتی محسوس ہوئی۔  
 عمار نے گھبرا کر تھوک نگلا، لب کپکپا گئے،  
 ”وہی دوست... جس پر تمہیں سب سے زیادہ بھروسہ تھا... اُس نے ہی پیٹھ میں  
 وار کیا ہے!“



یہ سنتے ہی زیدان کے دل کی دھڑکن اور تیز ہو گئی، جیسے ہر دھڑک دل کی چیخ چیخ کر ماتم کر رہی ہو۔

زیدان نے عمار کو دھکیلتے ہوئے چھوڑا اور دیوانہ وار آفس سے نکلا۔  
گاڑی کی طرف دوڑتے ہوئے اُس کی رگیں پھول رہی تھیں، چہرہ غصے سے دھک رہا تھا۔

عمار کے اشارے پر پوری فورس بھی زیدان کے پیچھے نکل پڑی۔

عناہ کا معصوم چہرہ زیدان کی نظروں میں لہرانے لگا۔

دل کی دھڑکن مدھم پڑتی جا رہی تھی،

ہاتھوں کی گرفت اسٹیئرنگ پر شدت اختیار کر گئی۔

گاڑی دبئی کی سڑکوں پر مخالف ہواؤں کو چیرتی دوڑ رہی تھی۔

اچانک، زیدان کی دھاڑ سے گاڑی بری طرح سے لرازا ٹھی:

”اگر اُسے ایک خراش بھی آئی نا... تو میں پوری دنیا کو جلاڈالوں گا!!!

یہ دھاڑ اعلان جنگ تھا۔

آج موت ناچنے والی تھی۔

زیدان کو عنایہ کی لوکیشن مل چکی تھی۔

گاڑی صحرائی راستے پر مڑ چکی تھی۔

کچھ ہی لمحوں میں منظر سامنے تھا۔

عنایہ کی گاڑی کے قریب بلاسٹ ہونے کی وجہ سے گاڑی ریت میں دھنسے پڑی تھی،

گارڈز خون میں لت پت زمین پر بے جان پڑے تھے۔

زیدان کی فورس نے پورے علاقے کو گھیرے میں لے لیا تھا۔

سامنے... اُس دوست کی کھال میں چھپا دشمن، ظفر بندوق تانے عنایہ پر کھڑا تھا۔

عنایہ کا چہرہ خوف سے سفید ہو چکا تھا، ہونٹ کانپ رہے تھے، آنکھوں میں  
سراسیمگی تھی۔

بلا سٹ ہونے کی وجہ سے عنایہ کافی زخمی ہو چکی تھی۔ چہرے اور گردن پر  
شیشوں کی خراشوں کے زخم واضح تھے۔ سر سے خون بہہ رہا تھا۔

یہ منظر دیکھ کر زیدان کی مٹھیاں تر ترانے لگیں۔

اصول اور محبت کا دنگل دل میں چھڑچکا تھا۔

عنایہ کو لگے ہر زخم کی تکلیف زیدان کو خود کے سینے پر مخصوص ہو رہی تھی۔

ظفر عنایہ کے سر پر بندوق رکھے کھڑا تھا...

زیدان آگے بڑھنے لگا، اُس کی آنکھوں میں خون کی ندیاں بہ رہی تھیں۔

ظفر زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ دھاڑا۔ وہیں روک جاؤ زیدان۔ ایک قدم بھی آگے بڑھاتو یہ چڑیا پھور کر کے اوپر پہنچ جائے گی۔

ظفر مکار بھرا ایک قہقہہ لگتے ہوئے اپنے آدمیوں کو کہتا ہے۔

”دیکھو؟“

جسے شیر کہتے تھے... وہ ایک چھوٹی سی چڑیا کے لیے دوڑتا ہوا آگیا...

زیدان خانزادہ جس کی مرضی کے خلاف اس جگہ کوئی پر نہیں مار سکتا۔ انج پتا چلا اُس کی دنیا بھی بکھرتی ہے...

اب صرف ایک گولی... اور تیرا سارا تاج، تیرا سارا راج مٹی میں مل جائے گا۔“

زیدان اتنی زور سے دھاڑتا ہے کہ اُدھر موجود ہر شخص لرز جاتا ہے۔

”ظفر!!!“

تجھ سے میرا پرانا حساب ہے... لیکن عنایہ...

وہ میری ذاتی دنیا سے تعلق رکھتی ہے، اس جنگ کا حصہ نہیں !!!

ہمت ہے... تو صرف مجھے نشانہ بنا!

تیری دشمنی مجھ سے ہے۔ عورت کو ڈھال بنا کے مردانگی کہاں کی۔ دم ہے تو مجھ سے مقابلہ کر۔۔۔!!

ظفر کے ہونٹوں پر ایک اور مکار مسکراہٹ پھیل گئی۔

”تمہاری ذاتی دنیا؟...

اس کے مکار قہقروں سے عنایہ کا بدن اور بری طرح کانپنے لگتا ہے۔ عنایہ کے لئے مزید اپنے پاؤں پے کھڑا رہ پناہ مشکل ہو رہا تھا۔

اب وہی تمہاری تباہی بنے گی...

مجھے مارنے سے پہلے، تمہاری کمزوری کو توڑ دوں گا”!

ظفر اپنی بندوق اور زیادہ عنایہ کے سر پر تنگ کرتا ہے۔

اس لمحے... ہوا میں ایک تیز شور کی آواز گونج اٹھتی ہے۔

”زیدان بھائی ہم آگئے“!!!

اسامہ اور عاصم... زیدان کے وفادار دوست...

اپنی پوری فورس کے ساتھ اپنی جیبوں سے نکلتے ہیں۔

ہاتھ میں چمکتی ہوئی ہتھیار، آنکھوں میں قسم لی ہوئی وفاداری!

اسامہ ظفر کا نشانہ لیتے آگئے بھرتے دھاڑتا ہے

”ہٹ جا ظفر!“

کسی نے بھی عنایہ بھابی کو چھونے کی کوشش کی... تو وہ زندہ نہیں بچے گا“!!!

عاصم ظفر پر فاتحانہ مسکراہٹ لیے بولتا ہے

”کھیل ختم ہونے کا وقت آگیا ہے... ظفر!“



اسامہ اور عاصم کا اس طرح حملے سے ظفر تھوڑا گھبراتا ہے، گھبراہٹ میں ظفر کے ہاتھ سے بندوق ہلتی ہے...

اسی چیز کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، زید ان اپنی بیلٹ سے پستول نکالتا ہے—

اور ایک بجلی کی رفتار سے گولی چلاتا ہے!

بنگ!

گولی سیدھا ظفر کے ہاتھ پر لگتی ہے—

اپنے اتنے قریب گولی کی آواز اور اس سب منظر سے عنایہ ساکت ہو جاتی ہے  
دماغ سن ہو جاتا ہے۔ اپنے چہرے پر خون کی بوندیں اُس کے حواس معطل کر

دیتی ہیں

بندوق ظفر کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر جاتی ہے۔

وہ عنایہ کو چھوڑ درد سے کراتے زمین پر گر جاتا ہے۔

عنایہ کی آنکھوں میں سے آنسوؤں کا طوفان چھلک پڑتا ہے۔

سنائی دیتی ہے تو اُس دشمن جان کی پکار۔

وہ دوڑتی ہوئی، سب کچھ بھول کر، زیدان کی طرف بھاگتی ہے۔

عنایہ روتے بھاگتے ہوئے ٹوٹے لفظوں میں زیدان کو پکارتی ہے۔ وہ اپنا پورا زور

لگا کے اسے پکارنا چاہتی ہے پر نہیں پکار پاتی۔

”زیدان“!!!...

زیدان دوڑتے ہوئے عنایہ کی طرف بھرتا ہے۔

گولیاں اب بھی فضا میں گونج رہی تھیں، مگر زیدان کے لیے اب صرف عنایہ

اہم تھی۔

عنایہ، لرزتی، کانپتی، سہمی ہوئی، زیدان کے بازوؤں میں گر گئی۔

اُس کے نازک وجود نے جیسے زیدان کے فولادی سینے پر سر رکھ دیا ہو۔

زیدان نے فوراً اُسے اپنے ہاتھوں کے حصار میں لے لیا، جیسے اُس کے وجود کی ایک ایک سانس کی حفاظت کرنی ہو۔

گولیوں کی ترترہٹ، دھماکوں کی گونج، اور موت کی بو کے درمیان...  
عنایہ نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

جو آخری منظر اُس کی آنکھوں نے دیکھا وہ خود کو زیدان کی مضبوط ہاتھوں  
--- پھر سب طرف اندھیرا چھ گیا۔

لمحوں میں عنایہ کی سانس مدھم، دل کی دھڑکن بے ربط، اور چہرہ زرد پڑ گیا۔ یہ  
دیکھ زیدان نے اُسے زور سے سینے سے لگایا۔  
”عنایہ... عنایہ... آنکھیں کھولو“...

اُس کی آواز میں وہ کپکپاہٹ تھی، جو صرف کسی اپنے کے لیے نکلتی ہے۔  
انج پہلی بار کسی کے لیے زیدان خانزادہ کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

لیکن...

عنایہ، ہوش و حواس سے بیگانہ ہو چکی تھی۔

اُس کا وجود زیدان کی بانہوں میں جھول گیا۔

یہ دیکھ کر زیدان کی سانس وہیں تھم گئی۔

جیسے جسم سے جان نکل گئی ہو۔

”نہیں... نہیں عنایہ“!...

ادھر دیکھو میری طرف میری آنکھوں میں دیکھو۔

آنکھیں کھولو۔۔۔ دمٹ۔۔۔

عمار فیئر گ کر تازیدان تک آیا زیدان نکلویہاں سے۔

زیدان نے اُسے اپنی بانہوں میں بھرتے ہوئے، قریب کی گاڑی کی طرف دوڑ لگادی۔

عمار، اسامہ اور عاصم اپنے ساتھیوں کے ساتھ زیدان اور عنایہ کو پروٹیکٹ کرتے گاڑی تک جگہ بنا رہے تھے۔

ان کے حملے سے خود کو بچاتے، زخمی ہاتھ کے ساتھ ظفر اپنے گارڈز کی مدد سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

فضا میں اب بھی بارود کی مہک تھی، لیکن زیدان کے لیے پوری دنیا اُس ایک لمحے میں ساکت ہو گئی تھی۔

جہاں صرف اُس کی محبت، اُس کی دنیا، اُس کی سانسیں۔  
عنایہ تھی۔

گاڑی کے اندر جسے موت چاہی تھی۔ عنایہ کا سر زیدان کی گود میں تھا زیدان کی آنکھوں میں بار بار عنایہ کی مسکراہٹ، اُس کا چہرہ اڑھاتا تھا۔

اس کی حالت دیکھ عاصم اُسامہ اور عمار کو خود پے بے حد غصہ ارہا تھا۔ کاش وہ وقت پے پونچھ جاتے تو عنایہ کو بچا لیتے۔ زیدان کے ساتھ جب سے وہ تھے کبھی اسے ایسے تکلیف میں نہیں دیکھا تھا۔

خود زیدان بھی اپنی فیلنگ کو نہیں سمجھ پارہا تھا۔

ہسپتال پہنچتے ہی گولی کی رفتار کی طرح ہسپتال کے اندر عنایہ کو بانہوں میں اٹھے اندر لے گیا۔ ڈاکٹرز کی ٹیم پہلے ہی تیار تھی۔

عنایہ کو ڈاکٹرز اندر لے گئے اور زیدان اسی دروازے کے باہر دھا جانے والے انداز میں گر گیا۔

اس کے کپڑے اور ہاتھوں میں عنایہ کا خون دیکھ زیدان کو اپنی دنیا لوٹتی دکھائی دی۔



ایسے ہی بیٹھے عنایہ کا صبح والا روپ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ اُس کی متھا پٹی کے موتی۔

اُس کا محبت پاش نظروں سے دیکھنا اور پھر اُس کا خون سے چھلکتا وہی متھا وہ چہرے کا زرد رنگ اُس کے زخم زیدان خانزادہ کی درندگی کو جھنجوڑ رہے تھے۔  
اب اسے دنیا کے کسی بھی کونے سے نکال کے نہ لانا پڑا وہ لے گا اور موت کی ایسی داستان رقم ہوگی کے موت بھی خوف کھے گی۔



ہسپتال پہنچتے ہی گولی کی رفتار کی طرح ہسپتال کے اندر عنایہ کو بانہوں میں اٹھے اندر لے گیا۔ ڈاکٹر زکی ٹیم پہلے ہی تیار تھی۔

عنایہ کو ڈاکٹر زاندر لے گئے اور زیدان اسی دروازے کے باہر دھا جانے والے انداز میں گر گیا۔ اس کے کپڑے اور ہاتھوں میں عنایہ کا خون دیکھ زیدان کو اپنی دنیا لوٹتی دکھائی دی۔

ایسے ہی بیٹھے عنایہ کا صبح والا روپ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ اُس کی متھا پیٹی کے موتی۔ اُس کا محبت پاش نظروں سے دیکھنا اور پھر اُس کا خون سے چھلکتا وہی متھا وہ چہرے کا زرد رنگ اُس کے زخم زیدان خانزادہ کی درندگی کو جھنجوڑ رہے تھے۔ اب اسے دنیا کے کسی بھی کونے سے نکال کے نہ لانا پڑا وہ لے گا اور موت کی ایسی داستان رقم ہوگی کے موت بھی خوف کھے گی۔

وقت اپنی رفتار سے گزر رہا تھا۔ ہر گزرتا لمحہ زید ان پے بھاری ہوتا جا رہا تھا۔  
 ڈاکٹر زاب تک عنایہ کا علاج کر رہے تھے۔ عمار زید ان کو کتنی ہی دیر سے  
 کوریڈور میں بے چینی سے چکر لگتے دیکھ رہا تھا۔ عمار نے آگے ہوتے زید ان کے  
 کدے پے ہاتھ رکھا اور اسے حوصلہ دینے کی کوشش کی۔ کچھ نہیں ہو گیا عنایہ کو  
 وہ بہت مضبوط ہے۔ عمار وہ مضبوط ہے پر ان مجھے توڑ رہی ہے۔ میں اسے ایسے  
 نہیں دیکھ سکتا۔ اسے اس حالت میں دیکھنا خود کو بہت بے بس محسوس کر رہا  
 ہوں۔ میری اتنی طاقت اتنی دہشت ہونے کے بعد بھی انج عنایہ اس حالت میں  
 ہے۔ عنایہ کو اس سب میں لا کے ظفر نے اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ میں اس  
 پر وہ قیامت نازل کروں گا۔ کہ وہ اپنے پیدا ہونے پے ماتم منائے گا۔ یہ وعدہ  
 ہے خود سے زید ان خانزادہ کا۔۔۔

عمار نے زید ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔ تم فکر نہیں کرو۔ عاصم اور اُسامہ کو میں  
 نے کام پے لگا دیا ہے۔ وہ عنایہ تک کیسے پہنچا جلد پتا چل جائے گا۔ عمار سوچنے کے

انداز میں زیدان سے کہنا شروع کرتا ہے۔ جتنی میری سکسینہ سمجھ پارہی ہے  
۔ پلیس میں کوئی لڑکی رہتی ہے۔ اس بارے میں صرف پلیس کے لوگ جانتے  
تھے۔ یہ بہت سوچ سمجھ کے پلاننگ کے ساتھ سب کیا گیا ہے۔  
جو بھی ہو عمار پر اب ظفر کا بچنا ممکن نہیں۔ میں اسے تل تل موت دوں گا جسے  
میری عنایہ نے برداشت کیا ہر اُس زخم کا اسے حساب لوں گا۔  
ابھی وہ دونوں بات کر رہے تھے کہ ڈاکٹر رز کی ٹیم روم سے باہر آتی نظر آئی۔  
زیدان تیزی سے ڈاکٹر کی طرف ہوا۔ اس کے لفظوں میں بے چینی تھی۔ وہ  
تڑپ تھی جو وہ عنایہ کے لئے مخصوص کر رہا تھا۔  
ڈاکٹر عنایہ کسی ہے اسے کچھ ہوا تو نہیں نہ کچھ ہونا بھی نہیں چاہیے۔ اسے کچھ  
بھی ہوا تو تم سب کی موت پکی ہے۔  
ڈاکٹر نے بولنا شروع کیا۔

دکھائیں سراپ کی وائف کو سیریس ہیڈ انجری ہوئی ہے بہت خون بھی بھ چکا ہے کافی زخم اے ہیں۔

ڈاکٹر ہے سب مجھے پتا ہے میری عنایہ ٹھیک ہے یا نہیں۔۔۔۔۔ بولو۔۔

سر میں وہی آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ اُن کی زندگی ابھی خطرے میں ہے۔  
اگلے چوبیس گھنٹے بہت اہم ہیں۔ چوبیس گھنٹوں میں اُن کا ہوش میں انا ضروری ہے۔ اگر انہیں ہوش۔۔۔۔۔

زیدان نے ڈاکٹر کو کولر سے پکڑ کر جھنجھوڑا کیا بولا تو نے۔۔۔۔۔

سر میں یہ ہی کہہ رہا ہوں کہ اُن کا ہوش میں انا ضروری ہے۔

عمار زیدان کے غصے کو دیکھ آگے ہوتے ڈاکٹر سے زیدان کو پیچھے کرتا ہے۔

ڈاکٹر آپ اتنا تو بتا ہی سکتے ہیں۔ کے ریکوری کے کتنے چانس ہیں۔ عمار کے لئے زیدان کو اب قابو کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

سر ہم اپنا ٹریٹمنٹ پورا کر چکے ہیں اب سب اوپر والے کے ہاتھ میں ہے۔  
ڈاکٹر یہ کہتے آگے بڑھ گیا۔

عمار نے زیدان کو عنایہ کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ زیدان کے چہرہ صاف بتا رہا تھا کہ مافیا کی دنیا کا اتنا بڑا شخص آج اتنی ہمت نہیں پارہا تھا کہ وہ عنایہ کو ایسی حالت میں دیکھ سکے۔

زیدان نے ہمت کرتے عنایہ کے روم کی طرف قدم بڑھائے۔ ہر قدم منوں کے وزن جیتنا اسے مخصوص ہوا۔

عنایہ کو یوں مشینوں میں جکڑا دیکھ زیدان کو خود میں خنجر کبٹے مخصوص ہوئے۔  
زیدان عنایہ کے قریب ہوتے اس کے ذرہ پڑے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھرا۔ اس کے انسو عنایہ کا چہرہ بھگونے لگے۔



جن احساسات کو زیدان اب تک جھٹلارہا تھا۔ وہ انسوؤں کی صورت اس کے سامنے واضح تھے۔ ثابت ہو چکا تھا کہ زیدان کے دل پر عنایہ کی محبت کی مہر لگا چکی ہے۔

زیدان نے بے اختیار عنایہ کے ماتھے پر اپنا شدت بھرا لمس رکھا۔ یکدم زیدان کی نظروں میں عانیا کا خوفزدہ چہرہ آیا اور زیدان کی آنکھیں غصے کے ضبط سے خون چھلکنے لگی۔

عنایہ کا ہاتھ پکڑ زیدان نے عنایہ سے وعدہ کیا۔ کہ اُس کی ہر تکلیف کا وہ بدلہ لے گا۔

زیدان کے دل نے چھ کی کان عنایہ کی مسکراہٹ کی چانکار سننے کو برقرار تھے۔ پروہ دشمن جان دنیا سے بے خبر ہوش و حواس سے بیگانی تھی۔

وقت ہاتھ کی موٹھی سے ریت کی طرح پھسل رہا تھا۔ باہر موجود زیدان عمار عاصم اور اُسامہ عنایہ کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔

اتنے میں ایک نرس بھاگتی ہوئی عنایہ کے روم میں گی اس کے پیچھے ڈاکٹر ز کی ٹیم بھی چلی گئی۔ زید ان یہ دیکھ روم کی طرف بھاگا عاصم اور عمار نے بمشکل اسے اندر جانے سے روکا۔ وقت تھا کہ تھم سہ گیا تھا۔

کچھ وقت بعد ڈاکٹر ز باہر آئے۔ زید ان ڈاکٹر کی طرف بھاگا۔ ڈاکٹر میری عنایہ  
!---

--- now she is out off danger

اُن کی حالت اب بہتر ہے پر---

پر کیا ڈاکٹر---

سر یہ حادثہ اُن کے لیے بہت بڑا ہے اُن کا بہت خون بھ چکا ہے اس لیے کمزوری بھی زیادہ ہے۔ ان کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھا جائے کسی بھی قسم کی ٹینشن انہی نہیں ہونی چاہیے۔ کل صبح تک ہم انہیں نگرانی میں رکھیں گئے۔

ڈاکٹر اُس کے بعد ہم عنایہ کو گھر لے جاسکتے ہیں کیا۔۔

بلکل آپ انہی گھر لے جاسکتے ہیں۔

ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ زید ان کو لگا اُس کو پھر سے زندگی مل گی۔ بے ساخت وہ  
سجدے میں گر گیا۔

عنایہ کو ہوش اچکا تھا۔ پر دماغ ابھی بھی اُسی سب میں الجھا ہوا تھا۔

دروازہ کھول زید ان اندر آیا۔ اسے دیکھ عنایہ نے ہلنے کی کوشش کی اس کی  
کوشش دیکھ زید ان بھاگتا اس تک آیا اور دوپٹے والے انداز میں اسے ہلنے سے منا  
کیا۔

عنایہ نے کچھ بولنا چاہا پر آواز ابھی ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ اسے بولنے کی  
کوشش کرتا دیکھ زید ان نے عنایہ کے خشک پڑتے ہونٹوں پر انگلی رکھ کے  
بولنے سے روکا۔ ابھی کچھ مت بولو ایک بار ٹھیک ہو جاؤ پھر تم سے سارے  
حساب پورے کروں گا۔ عنایہ کی آنکھیں خوف سے پھلتے دیکھ۔ زید ان نے

مسکراتے کہاڑو نہیں اس بار سزا کا طریقہ واردات الگ ہو گا۔ زیدان کی بات کا مطلب سمجھ عنایہ کا چہرہ لال ٹماٹر کی طرح سُرخ ہو گیا۔ عنایہ کا یہ شرماتاروپ زیدان کے دل پہ ٹھندی بارش کی طرح ٹھنڈک ڈال گیا۔

رات کے اندھیرے چار سو بکھر چکے تھے۔ عنایہ دوائیوں کے زیرے اثر گہری نیند سو رہی تھی۔ زیدان عنایہ کے پاس روم میں موجود بیچ پر بیٹھا ہوا تھا آنکھوں میں وہی وحشت ٹپک رہی تھی۔ اتنے میں زیدان خانزادہ کے فون پر ایک میسج آیا جسے دیکھ زیدان کا غصہ سوانیزے پر جا پہنچا۔ فقط ایک جواب بھیجا گیا، ”وہی کرو جو کرنا چاہئے“

نظریں پھر سے عنایہ کا طواف کرنے لگی۔ پوری رات اُس کے سرہانے بیٹھے گزر گئی۔ صبح کا سویرا پھیل چکا تھا۔ عنایہ نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔ اس کی آنکھیں اُس دشمن جان کو تلاش رہی تھیں جو ایک لمحے کے لیے بھی اس سے

نظر نہیں ہٹا سکا تھا۔ اسے خود کو ڈھونڈتے دیکھ زید ان آٹھ اس کے پاس آ بیٹھا۔  
آٹھ گئی۔۔۔

اب کیسا لگ رہا ہے۔ کہیں درد تو نہیں ہو رہا۔ عنایہ نے ہلکے سے نہیں میں سر  
ہلایا۔ اگر اسے درد ہو بھی رہا تھا پر زید ان کا یہ پیار بھرا احساس اسے درد بھولہ گیا۔  
میں ڈاکٹر کو بولا کہ لاتا ہوں۔ ابھی زید ان جانے ہی لگا تھا کہ عنایہ نے اُس کا ہاتھ  
تھام اسے روک لیا۔ زید ان نے سوالیہ نظروں سے عنایہ کی جانب دیکھا۔ مجھے  
گھر جانا ہے۔ زید ان کچھ نا کہا سکا اور ڈاکٹر کو لینے چلا گیا۔

زید ان جانتا تھا کہ خوف عنایہ کے اندر بس گیا تھا اور وہ ہر حال میں عنایہ کو اس  
خوف سے باہر نکلے گا۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے عنایہ کو آ کے چیک کیا اور کچھ ہدایات  
دیتے عنایہ کو ڈسچارج کر دیا گیا۔

سارے راستے گاڑی میں مکمل خاموشی چاہی رہی۔ جب جب گاڑی کو جھٹکا لگتا  
عنایہ کے چہرے کے رنگ بدلتے زید ان نوٹ کرتا رہا۔ عنایہ کا اس طرح سے



خوفزدہ ہونا ظفر کی موت اور بھیانک بنا رہا تھا۔ گاڑی پبلز کے دروازے پہ آ کر روکی۔ عنایہ کو خیالوں میں گم دیکھ زیدان گاڑی سے اتر کر عنایہ کی سائیڈا کر دروازہ کھولا۔ عنایہ نے زیدان کی جانب دیکھا۔ پھر اس کے ایک اشارے پہ سارے گارڈز رُخ پلٹ کے کھڑے ہو گئے۔

زیدان کو بالکل گوارہ نہیں تھا کہ عنایہ کے بال پر بھی کسی کی نظر پڑے۔ عنایہ کو سہارا دیتے گاڑی سے نکلے کھڑا کیا پر عنایہ کا جسم کمزوری اور نقاط زادہ ہونے کی وجہ سے سنبھال ناسکا۔ اس سے پہلے وہ گرتی زیدان نے اسے اپنی گود میں بھر کے اٹھالیا۔

عنایہ کا چہرہ لعل ٹماٹر ہو گیا اپنا چہرہ زیدان کی گردن میں چھپالیا۔ اسے ایسے شرماتا دیکھ زیدان کے جذبات پورے بدن میں سپارک کی طرح بھاگنے لگے۔ عنایہ کو بستر کے وسط میں لٹا دیتا ہے۔

اُسامہ نے شلی کو پہلے ہی ناشتے کا بول دیا تھا۔ شلی پبلز کی نگران تھی۔



زیدان کے اشارے پر شلی نے ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی اور اٹے پاؤں واپس چلی گئی۔ زیدان عنایہ کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گیا اور اپنے ہاتھ سے کھانا کھلانے لگا۔

اسی اثناء میں عمار نے دوڑ کو نوک کیا۔ زیدان نے اسے اندر آنے کی اجازت دی۔ عمار نے اندر آتے زیدان کو اشارے سے کام ہو جانے کی خبر دی۔ ایک پیاری سی مسکراہٹ عنایہ کو پورا ناشتا ختم کروا کے وہ عمار کے ساتھ چلا گیا۔

اب زیدان کا رخ بیسمنٹ کی طرف تھا۔ جہاں زیدان کی کمزوری کو ظاہر کرنے والا اپنے آخری ایام کے لئے موجود تھا۔

زیدان عنایہ کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گیا اور اپنے ہاتھ سے کھانا کھلانے لگا۔  
اسی اثناء میں عمار نے دوڑ کو نوک کیا۔ زیدان نے اسے اندر آنے کی اجازت دی۔  
عمار نے اندر آتے زیدان کو اشارے سے کام ہو جانے کی خبر دی۔ ایک پیاری  
سی مسکراہٹ عنایہ کو پورا ناشتا ختم کروا کے وہ عمار کے ساتھ چلا گیا۔  
اب زیدان کا رخ بیسمینٹ کی طرف تھا۔ جہاں زیدان کی کمزوری کو ظاہر کرنے  
والا اپنے آخری ایام کے لئے موجود تھا۔

بیسمینٹ کے ایک کمرے میں بند دروازے کے پیچھے ایک وجود کرسی پر  
رسیوں سے باندھا ہوا تھا۔ اپنے قریب آتے قدموں کی آواز پر اُس وجود نے  
اندھیرے میں ڈوبے کمرے میں آنے والے وجود کو تلاش کرنا شروع کیا۔ اتنے

میں دروازہ کھول کے ایک آدمی سربراہی کر سی رکھ کے چلا گیا۔ اب اندر آنے والی ہستی کوئی اور نہیں کر سی پر بندھے آدمی کی موت تھی۔“ زیدان خانزادہ ” زیدان اس آدمی کے سامنے آ کر اپنی سربراہی کر سی پر براجمان ہوتا ہے۔ چہرے پر چاہی سختی، سیاہ آنکھوں سے نظر آتی وہ وحشت جس میں نہ جانے کتنے راز دفن تھے۔

زیدان خانزادہ کو اپنے سامنے بیٹھا دیکھے پورا جسم پسینے میں نہا گیا۔ اپنی کی جاسوسی کاراز کھل جانے پر موت کی سزا یقینی ہے یہ سوچ ہی اس شخص کو آدھا مردہ کر چکا تھا۔

زیدان کی موت سی ہو بھری آواز ابھری  
میرے وفادار ہو کر مجھ سے ہی غداری۔۔۔  
میرا نمک کھا کر مجھ سے ہی نمک حرامی۔۔۔

زیدان کے اشارے پر عاصم نے اُس گارڈ کے ہونٹوں سے ٹیپ ہٹائی۔

عمار کی روب دار آواز گونجی۔۔۔ بریفکس۔۔

عمار نے تھوک نگلہ کیونکہ اب جو ہونا تھا وہ وہاں موجود ہر شخص کے لیے برداشت کرنا ناممکن تھا۔ ایک حکم اور آیا کسی کی بھی آنکھوں میں ذرا برابر خوف دیکھا تو اس کی موت سے پہلے اس کی روح پرواز کر جائے گی۔

عمار نے بریفکس زیدان خانزادہ کے سامنے ٹیبل پر رکھ کھول۔ وہ شخص بلبالنے لگا

زیدان نے عمار کو مخاطب کرتے اس شخص کی طرف دیکھتے کہنا شروع کیا۔

عنایہ کی ڈیٹیل (تصویر) انہی ہاتھوں سے دی تھی نہ۔

عمار نے اس شخص کا موبائل زیدان کے سامنے رکھا۔ جس میں عنایہ کی پیلس سے لی گئی تصاویر موجود تھیں۔ جنہیں دیکھ زیدان کی رگوں کا خون کھولنے لگا۔ ہاتھوں اور گردن کی رگیں غصے کی شدت سے اُبھری۔

زیدان نے بریفکس سے آٹو ڈریل نکالی دو گارڈز نے آگے بڑھتے اس گارڈ کے ہاتھ کھول ٹیبل پر رکھ دیئے۔

زیدان ذرا آگے کو جھکتے اُس کی آنکھوں میں اپنی وحشت ناک نظریں ڈالی۔ تم نے میری بیوی میری عنایہ کی جان خطرے میں ڈالی اُس پر نظر رکھی جسے ہوا کو بھی پوچھے بنا چھونے نہ دوں اور تو نے اُس پر نظر رکھی یہ کہتے ہی زیدان نے اُس شخص کے ہاتھ پر ڈریل چلا دی۔ اُس شخص کی چیخوں سے سارا بیسمینٹ لرز اٹھا۔ زیدان کو اس کی چیخوں کانوں کو سکون بخش رہی تھیں۔

ڈریل نے ہاتھ کے آر پار گہرا سوراخ کر دیا۔ زیدان نے ڈریل نکالی۔ وہ شخص اپنی جان کی بھیک مانگنے لگا۔ زیدان نے اسے بالوں سے پکڑ سر زور دار میز پر

دے مارا۔ دوسرے ہاتھ میں بھی اسی طرح ڈریل چلا دی۔ چیخوں کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو چکا تھا اور یہ چکھیں زید ان خانزادہ کی روح کو سکون بخش رہی تھیں جو تکلیف عنایہ نے سہی اُس کا حساب تو اب وہ تل تل موت دے کے پورا کرنے والا تھا۔

زید ان کی آنکھوں میں عنایہ کا وہ زخموں سے چور چہرہ لہرایا اور بنا سوچے ڈریل اُس شخص کی آنکھ میں چلا دی۔ زخموں کی تکلیف سے وہ شخص بیہوش ہو گیا۔ عمار کو اسے ہوش میں لانے کا اشارہ کیا۔ عاصم اور عمار نے اس کے سر پر گرم پانی اُلٹا دیا۔ جس سے وہ شخص بیہوشی میں بھی قراہ اُٹھا۔ کچھ دیر کی محنت کے بعد وہ ہوش میں آچکا تھا۔ ہوش میں آتے ہی وہ اپنی زندگی کی بھیک مانگنے لگا۔ مجھے ایک صرف ایک موقع دے دو میں خود اُس شخص کو آپ تک پکڑ کر لوں گا۔ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی مجھے معاف کر دیں۔



زیدان کی دنیا میں گناہ کی معافی موت ہے اور تو نے تو زیدان خانزادہ کے دل پر وار کیا ہے۔ تجھے تو موت سے بھی بدتر سزا دوں گا۔ یہ کہتے ہی اُس کی دوسری آنکھ میں بھی ڈریل گھسادی۔ وہ شخص چیخ چیخ کر زندگی کی بھیک مانگنے لگا گلے لمحے زیدان خانزادہ کی گولی سامنے موجود شخص کے دماغ کو چیرتی ار پار ہو چکی تھی۔ چیخوں کا تسلسل روک چکا تھا۔ ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔

زیدان خانزادہ اپنے انتقام کی پہلی کڑی کھول چکا تھا۔ اب اس کا رخ اپنے دل کے سکون کی جانب تھا۔ عنایہ کے روم کا دروازہ آہستہ سے کھول کر بنا آواز کیئے اُس کے پاس جا بیٹھا۔ جو زیدان خانزادہ کے دل کی دنیا ہلا کر خود خوابوں کی دنیا سورہی تھی۔

”اُس کے ہاتھوں سے خون کے نشان تو دھل چکے تھے... مگر دل کا زخم صرف عنایہ کے چہرے کی مسکراہٹ ہی بھر سکتی تھی۔“

زیدان نے جھک کر عنایہ کے بالوں پر لب رکھے۔ اس کے چہرے پر آئے  
 آوارہ بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کیا۔ ایک عجیب سا احساس اُسے عنایہ کے لیے بے  
 تاب کر رہا تھا۔ ہے ساخت وہ اُس پر جھکا اور اس کے ماتھے پر محبت بھرا بوسہ دیا۔  
 اس کے لمس سے عنایہ کی نیند ٹوٹ گئی۔ اسے خود پر جھکا دیکھ عنایہ کی آنکھیں  
 حیرت سے پھیلی۔ زیدان نے ایسے ہی پیار اسے اسے دیکھتے پیچھے ہوا۔ عنایہ ایک  
 دم اُٹھنے کی کوشش کرنے لگی تو زیدان نے سہارا دیتے اسے بیڈ کراؤن کے ساتھ  
 بیٹھا دیا۔

عنایہ کا اثر مایا اثر مایا سہ روپ زیدان کے دل میں اتار رہا تھا۔ زیدان کے  
 جذبات پورے بدن میں انگڑائی لینے لگے۔ عنایہ اُس کی آنکھوں میں پناپتے  
 محبت کے جذبات دیکھ سکتی تھی۔

اسے خود کو ایسے دیکھتا پا کر عنایہ نے اس کا دھیان ہٹانا چاہا۔ آپ شیلی کو میری  
 ہیلپ کے لیے بولا دیں۔

جناب خادم حاضر ہے حکم کریں کیا ہیلپ چاہئے۔ عنایہ شرماتی ہوئی۔ نہیں پلرز  
آپ اسے بولا دیں۔

ایسی کیا ہیلپ چاہئے جو میں نہیں کر سکتا۔

بولیں عنایہ!

وہ وہ۔۔۔ ہم میں سن رہا ہوں۔

عنایہ ضدی سی آپ بولا رہے ہیں یا نہیں؟

نہ۔۔۔

جب تک مجھے نہیں بتائیں گی نہیں بولوں گا۔

عنایہ مسکے لگتے ہوئے۔ زیدی مجھے چیخ کرنا ہے آپ پلزا اسے بولا دیں نہ۔۔۔

اس کے زیدی کہنے پر اُس نے سر اٹھا اسے دیکھا اس کا اس طرح اسے پیار

بھرے نام سے پکارنا زید ان کے دل کو چھو گیا۔

زیدان کو شرارت سو جھی۔۔۔

اوہ اچھا۔۔ تو پھر اُس کی کیا ضرورت۔۔۔

کیا مطلب؟...

مطلب یہ کہ میں چیخ کر روانے میں مدد کر دیتا ہوں۔

نہیں۔ نہیں میں خود کر لیتی ہوں آپ باہر جائیں۔

زیدان کو اس کوتانگ کرنے میں مزہ آنے لگا۔

بلکل نہیں۔۔۔

نہیں میں تو نہیں جا رہا۔ میں تو یہاں ہی بیٹھا ہوں۔ بلکہ میں خود آپ کی ہیلپ

کرتا ہوں۔ یہ کہتے ہی زیدان بیڈ پر پوری طرح پھیل کے بیٹھ گیا۔

اسے بیڈ پر پھلتے دیکھ فرار کا راستہ ڈھونڈنے لگی۔

اسے فرار کا راستہ ڈھونڈتے دیکھ ابھی زیدان اُٹھا ہی تھا۔ کہ زیدان کو اپنی طرف آتا دیکھ عنایہ بھاگنے کے سے انداز سے بیڈ سے اتر کر واشروم میں گھس گئی۔

اس کی بھاگنے کی سپیڈ دیکھ زیدان کا خوشگوار قہقہہ گونجا۔

واشروم میں چھپی عنایہ اس کے قہقے سن کر اور بھی زیادہ شرمانے لگی۔

اس کی آواز نہ آتے دیکھ زیدان آٹھ کے واشروم کے دروازے کے باہر آکھڑا

ہوا۔

عنایہ ڈور کھولیں میں آپ کی ہیلپ کروں۔

عنایہ تو پھس گئی تھی۔

عنایہ تم ٹھیک تو ہونہ۔۔ اسے نہ بولتا دیکھ زیدان کو فکر ہونے لگی۔

اس کی پکار میں خود کے لئے فکر اور محبت کے رنگ دیکھ۔ عنایہ کا دل بھی اس کی  
جانب جھکنے لگا۔

عنایہ کچھ تو بولو۔۔

آآ۔۔ میں کر لوں گی آپ جائیں۔

--are you sure --

جی جی میں ٹھیک ہوں۔۔

اس کی پر سکون آواز سن کر زید ان سکون سے بیڈ پر جا بیٹھا اس کے باہر آنے کے  
انتظار میں۔



عنایہ کب سے باتھروم میں زیدان کے چلے جانے کا انتظار کر رہی تھی پراج  
 زیدان خانزادہ کسی اور ہی موڈ میں تھا۔ اسے اتنی دیر سے باتھروم میں بند دیکھ  
 زیدان کو شرارت سو جھی وہ جانتا تھا کہ جب تک وہ یہاں سے جائے گا نہیں  
 عنایہ باہر نہیں آئے گی۔ زیدان نے جان بوجھ کر عنایہ کو شو کرنے کے لیے اونچی  
 آواز میں ایکٹنگ سٹارٹ کی کہ جسے وہ فون پر بات کر رہا ہے اور ساتھ ہی ذور ذور  
 سے قدم اٹھاتا کمرے کی بالکنی کی طرف آکر چپ گیا۔

عنایہ جو باہر ہی کان لگائے بیٹھی تھی۔ زیدان کے کمرے سے چلے جانے کی  
 آواز سنتے خود کو مطمئن کرتے دروازہ کھولا۔ ذرا سی اپنی گردن نکال کے زیدان  
 کے کمرے سے چلے جانے کی تسلی کرنے لگی۔ زیدان بالکنی میں کھڑا شیشے کے  
 دروازے کے پیچھے سے اس پر نظر رکھے کھڑا تھا۔ اسے کمرے میں نہ پاتے شکر  
 کرتی باتھروم سے باہر نکل آئی۔ دل پر ہاتھ رکھے ابھی وہ پوری طرح خوشی بھی

نہیں مانا پائی تھی کہ اس کے موڑتے ہی زیدان اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ عنایہ کا اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔

اس کے چہرے کے اوڑھے رنگ دیکھ۔ زیدان نے بمشکل خود کے اوڑھتے قہقہے کو روکا۔

”زیدی یہ کیا طریقہ ہے ڈرا دیا آپ نے مجھے۔“

زیدان نے اسے اپنی طرف کھینچا۔ عنایہ کی تور ہی سہی ہمت بھی جھاگ کے جسے بیٹھ گئی۔ مجھ سے چپ رہی تھی۔ عنایہ بی بی۔۔۔

عنایہ نے شرارت سے سر نہ اور ہاں میں ہلایا۔ اس کی معصومیت بھری حرکت دیکھ آپنے جوان جذبوں کو لگام ڈالنا مشکل ہونے لگا۔ ایک جھٹکے سے عنایہ کو خود میں بیچ لیا اور محسوس کرنے لگا۔ عنایہ بھی خود کو محفوظ محسوس کرنے لگی۔ کل کا لگا ہر زخم جسے بھرنے لگا تھا۔

عنایہ نے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ”زیدی آپ مجھے کبھی خود سے دور تو نہیں نہ کریں گے۔“

”زیدی کی جان اُس کا سکون اُس کی روشنی صرف اور صرف اُس کی عنایہ نور ہے۔ جس کے بنا نور کا زیدی آگلی سانس بھی نہیں لے سکے گا۔“

آپنے ہاتھوں کے پیالے میں اُس کا نور بھرا چہرہ بھر کر محبت سے سرشار لہجے میں اُس کے ماتھے پر اپنا لمس رکھا۔

عنایہ کے اندر ایک سکون کی لہر دوڑ گئی۔

محبت سے لبریز آنکھیں عنایہ کی آنکھوں میں ڈالتے بولا۔

”عنایہ نور آپ زید ان خانزادہ کی رگوں میں بہتے خون کی ماند ہیں۔ سینے میں دھڑکتا دل ہیں آپ۔ اگر دل نکل دو تو کیا سانس باقی رہتی ہے۔“

عنایہ نے معصومیت سے نہیں میں سر ہلایا۔

اپنے دل سے ہر ڈر کو نکال دیں عنایہ نور آپ زیدان خانزادہ کی نور ہیں اور یہ نور کوئی مجھ سے نہیں چھین سکتا۔ اور نہ ہی آپ کا زیدی کسی کو آپ تک آنے کی اجازت دیتا ہے۔ آپ کو چھونے والی ہوا بھی میری اجازت سے آپ تک آئے گی۔“

عائیا میری دنیا کی پر چھائی اب کبھی آپ تک نہیں آئے گی۔ اب سے پہلے آپ صرف میرے لیے ایک فیصلہ تھیں۔ پر اب آپ اس زیدان خانزادہ کے دل کی سلطنت کے سب سے اونچے مقام پر آچکی ہیں۔ جہاں موت ہی آپ کو مجھ سے دور کر سکتی ہے۔

عنایہ کی آنکھیں بہانے لگی تو زیدان نے جھک کر اپنے لبوں سے عنایہ کے انسوؤں چن لیے۔

عنایہ نے اپنے بازوؤں زیدان کے گرد حائل کر لیے۔ اور اپنا چہرہ اُس کے سینے میں چھپا لیا۔ زیدان نے اور بھی ذور سے عنایہ کو اپنے سینے میں بیچ لیا۔

برسوں کی چاہی دہشت کے اندھیرے انج زیدان خانزادہ کے سینے میں جمی  
برف بھی پگھلا گئے۔

دھیرے دھیرے سکون دونوں کی رگوں میں اتر رہا تھا۔ عنایہ کا جسم زیدان کی  
قربت کے احساس سے لرزنے لگا۔ اس کے جسم کی لرزہات کو محسوس کر زیدان  
نے جھک کر عنایہ کو اپنی باہوں میں اٹھالیا اور لے جا کر بیڈ کے وسط میں لٹا دیا اور  
اس پر جھکتا چلا گیا۔

رات کی چاندنی اور ستاروں کی روشنی بھی ہر گزرتے لمحے میں پگھلتے جذبات اور  
ان کی محبت کی گواہی دے رہی تھی۔

ہر سو صبح کی سفیدی پہل رہی تھی۔ وہ دو جسم ایک جان خوبصورت خوابوں کی  
دنیا میں سوئے ہوئے تھے۔ زیدان کی نظروں کا حصار اُس کی باہوں میں سوئی  
اُس کی کل کائنات پر تھا۔

زیدان کے ہاتھ عنایہ کے نرم بالوں میں الجھے تھے۔ زیدان نے جھک کر عنایہ کے رخسار پر لب رکھے۔ عنایہ نے کروٹ لی اور چہرہ زیدان کے سینے میں چھپا لیا۔

جان نور کیا ج اٹھنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ عنایہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ زیدان نے اسے کوئی رسپانس نہ دیتے دیکھ اس کی صور اہی دار گردن پر اپنی ڈاہری رب کی۔

عنایہ بچوں کی طرح موچ بناتی آٹھ بیٹھی۔

زیدی آپ نے ساری رات مجھے سونے نہیں دیا۔ اب بھی آپ مجھے سونے نہیں دے رہے۔ یہ کہتی وہ خود پر سر تک چادر اوڑھ لٹ گئی۔

زیدان اسے ایسے پر سکون دوبارہ نیند میں جاتے دیکھ اُسے گو گودانے لگا پورے کمرے میں عنایہ کی خلعت گونج رہی تھی۔



سورج سر کے اوپر آچکا تھا۔ زید ان اپنی نگرانی میں عنایہ کو ناشتہ کروا کر اور سختی سے دوائیوں اور آرام کی تاکید کرتے اپنی ضروری میٹنگ پر جا چکا تھا۔

عنایہ کب سے کمرے میں ٹھہل رہی تھی۔ شوہر کے دل میں گھر کرنے کے لیے سوچ سوچ کر دماغ کے گھوڑے بھاگتے جا رہے تھے۔

اچانک عنایہ کے دماغ کی بتی جلی اور اُسے کہاوت یاد آئی کہ شوہر کے دل کا راستہ تو اُن کے پیٹ سے ہو کر گزارتا ہے۔

عنایہ بھاگتے ہوئے نیچے آئی اب اس کا رخ کچن کی طرف تھا۔ عنایہ کو یوں کچن میں دیکھ شیلی بھاگتی اس کے پاس آئی۔

میم آپ کو کچھ چاہئے تھا تو آپ مجھے سے کہتی!!

عنایہ نے کچن میں جو بنانا تھا وہ چیزیں ڈھونڈنے لگی۔ شیلی کو سمجھ نہ آیا اسے کیا چاہئے۔

شلی نے ایک بار پھر پوچھا۔ میم آپ کو کیا چاہیے مجھے بتادیں میں دیتی ہوں  
 مجھے بس بتادو سامان کہاں ہے مجھے اپنے شوہر نام دد کے لیے آج کھانا بنانا ہے۔  
 عنایہ کا یہ کہنا ہی تھا کہ شلی کے چہرے کا ایک رنگ اٹے اور ایک جائے جیسی  
 کیفیت تھی۔ نہیں نہیں میم آپ کیسے کام کر سکتی ہیں۔ آپ کو جو بھی سر کے  
 لیے بنانا ہے مجھے بتا دیجئے میں بنوادیتی ہوں۔

لیکن آج عنایہ کی ضد نہیں ٹوٹنے والی تھی۔

شلی کے بار بار منع کرنے پر عنایہ نے اسے دھمکی دی کہ اگر اس نے ہیلپ  
 نہیں کی تو اس کے باس کو اس کی شکایت لگا دے گی۔

شلی بچھری کیا کرتی کیا نہ کرتی۔ آخری عنایہ کی ہیلپ کرنے لگی۔ عنایہ کو کچھ  
 خاص زیدان کی پسند کا اندازہ نہیں تھا شلی سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ زیدان  
 چائیںز کھانے کھانا زیادہ پسند کرتا ہے۔

شیلی کی ہیلپ سے عنایہ نے زید ان کی پسند کا کھانا تیار کیا۔ اسی دوران عنایہ کو خیال آیا کہ صرف کھانا بنانا کافی نہیں ہے اور کیا کرنا چاہئے۔

اسے کسی سوچ میں گم دیکھ شیلی نے اس کی اُلجھن کی وجہ جانا چاہی۔ جس پر شیلی نے اسے ایک کنڈل لائٹ ڈنر ٹیبل سجانے کا مشورہ دیا۔

عنایہ اس بات پر کھل اٹھی۔ اور شیلی کے ساتھ مل کر تازہ گلاب کے پھولوں سے سچی ڈائمنگ ٹیبل تیار کرنے لگی۔ شیلی کے مزید مشورے پر عنایہ اب تیار ہونے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

اپنا وارڈروب کھولنے پر اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا پہنے۔ اچانک نظر کالے رنگ کی سلک کی ساڑی پر پڑی۔ عنایہ کو وہ ساڑی بے حد پسند آئی۔

میںٹنگ اب ختم ہو چکی تھی زید ان اپنی اسی روب دار شخصیات کے ساتھ اپنے آفس کی کرسی پر بیٹھا۔ عمار سے ظفر کی تمام جگہوں کی تفصیلات پر ڈسکس کر رہا تھا۔

انج صبح سے ہی زیدان کافی بار مسکرا رہا تھا۔ وہ تینوں صبح سے زیدان کا بدلا یہ رویہ نوٹ کر رہے تھے۔

عاصم سے جب راہ نہ گیا تو زیدان سے پوچھ ہی بیٹھا۔ لگتا ہے عنایہ بھابی کا جادو سرچڑھ گیا ہے بھائی کے۔

اس کی بات پر زیدان ایک دم چونکا۔۔۔ عاصم کو گھوری سے نواز اچھ زیادہ ہی زبان نہیں چل رہی۔ بہتر ہو گا یہ ہی جوہر جو ادھر دیکھا رہے ہو اتنا ہی دھیان اپنا کام پر لگاؤ۔ مجھے کل تک ٹیبل پر سارا ڈیٹا چاہئے۔

یہ کہتے ہی زیدان آٹھ آفس سے نکالتا چلا گیا۔ جبکہ پیچھے وہ تینوں بامشکل اپنی حسی روکے بیٹھے تھے۔

یہ پہلی بار تھا کہ زیدان کو پیس واپس جاتے کسی وحشت یا ویرانی کی کیفیت محسوس نہ ہوئی۔

ابھی زیدان نے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ خوشبو سے تر ہوا کا جھونکے نے اس کا استقبال کیا۔ سامنے ہی عنا یہ سیاہ ساڑی میں کھڑی زیدان کے دل پر بجلی گرا چکی تھی۔



یہ پہلی بار تھا کہ زیدان کو پیلس واپس جاتے کسی وحشت یا ویرانی کی کیفیت محسوس نہ ہوئی۔

ابھی زیدان نے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ خوشبو سے تر ہوا کا جھونکے نے اس کا استقبال کیا۔

سامنے ہی عنایہ سیاہ ساڑی میں کھڑی زیدان کے دل پر بجلی گرا چکی تھی۔ عنایہ کا یہ خوبصورت رُوپ انج زیدان خانزادہ کے مکمل ہوش گوانے کے لئے کافی تھا۔

I سے وہیں مجسمہ بنے دیکھ عنایہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی زیدان کے پاس آئی۔ کیا آپ کو بُرا لگا۔ اسے کوئی جواب نہ دیتے دیکھ عنایہ کو لگا کہ زیدان بے حد غصے میں ہے۔ اگر آپ کو اچھا نہیں لگا تو میں ابھی سب ٹھیک کر دیتی ہوں۔

عنایہ پلٹی تو زیدان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

عنایہ نے ہلکی بھگی آنکھوں سے پلٹ کر دیکھا۔ کس نے کہا کہ مجھے بُرا لگا۔ ہم

---

عنایہ ہلکی بھگی آواز لیے بولی۔ ”آپ کچھ بولے ہی نہیں“..



اچھا یعنی کوئی بولے نہیں تو وہ غصے میں ہے۔ اس کے رخسار پر پیار سے اپنے ہاتھ کی انگلیاں نرمی سے رب کرتے، ”عناہ اتنی پیاری اور اتنی معصوم کیوں ہو۔ بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔“

اس محبت پاش تعریف پر عناہ کا چہرہ شرم کی لالی چھلکنے لگا۔ اسے یوں شرماتا دیکھ۔ زیدان نے اس کا ہاتھ تھاما تھوڑا جھک کر اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

”آپ کی یہ جان لیوا خوبصورتی آج آپ کی جان مشکل میں ڈالنے والی ہے۔“

عناہ نور۔۔۔۔۔

اس کے ارادے بگڑتے اس سے پہلے عناہ نے اسے یاد دلانے۔ ”کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے زیدی۔“ ”چل کر کھانا کھالیں۔ اس کی اس معصومیت بھری حالت پر زیدان کو جی بھر کر پیارا آیا اور اس کا ہاتھ تھام ڈائننگ ٹیبل کی طرف چل پڑا۔

جب سے عنایہ ہاسپٹل سے واپس آئی تھی تو زیدان نے پبلس کے اندر فی میل سیکورٹی کو ہیئر کر دیا تھا۔ اور پبلس کی تمام میل سیکورٹی کو پبلس کے گروسیٹ کیا تھا۔

عنایہ کی سیکورٹی کو لے کر اب زیدان کو کسر نہیں رہنے دینا چاہتا تھا۔ اس لیے پبلس کی تمام سیکورٹی کو مزید سٹرنگ کر دیا تھا۔

گرم ہواؤں کے نرم جھونکے پردوں کو ہلارہے تھے۔ سمندر کی لہروں کی آواز پس منظر میں گونج رہی تھی۔ میز پر ہلکی سنہری روشنیوں والی کینڈلز، اور انایہ کے ہاتھوں سے بنا چائینز کھانا رکھا ہوا تھا۔

زیدان خانزادہ، حسب معمول سیاہ قمیص میں ملبوس، آستینیں فولڈ کیے میز پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وہی گہری خاموشی تھی، لیکن آج ایک عجیب سی نرمی بھی جھلک رہی تھی۔

عنایہ، گہرے سیاہ رنگ کی ساری میں، ہلکا سا میک اپ کیے، کچھ نروس سی، مگر پُر جوش بیٹھی زیدان کو دیکھ رہی تھی۔

”زیدان... آپ چکھ کر دیکھیں، آپ کی پسند کا چائیز بنایا ہے... سچی سچی رائے دینی ہے،” انایہ نے مسکرا کر کہا۔

ہلکی سی چہرے پر مسکراہٹ کے ساتھ ایک لفظی جواب آیا۔  
 ”اوکے۔۔۔“

زیدان نے چیخ اٹھایا، نوالہ لیا... اور اگلے ہی لمحے اس کے تاثرات تھوڑے بدل گئے۔ وہ کچھ لمحے رکا، پھر انایہ کی طرف غور سے دیکھا۔

زیدان کا ایسے دیکھنا عنایہ کو لگا کھانا اچھا نہیں بنا۔ ”عنایہ، یہ کھانا آپ نے خود بنایا ہے؟ عنایہ نے ہاں میں سر ہلایا۔ زیدان ہنس دیا۔

ہمم اوکے! تو پھر بتاؤ آپ نے اس میں کیا کیا ڈالا؟” اس کی آواز شرارتی تھی۔

انا یہ حیرت سے بولی، ”بس سوی سوس، آؤسٹر سوس... اور وہ براؤن بوتل تھی، اس پہ کچھ چائینز لکھا تھا“...

زیدان چہرہ نیچے کیے اپنی ہنسی کو قابو کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ آپ ہنس رہے ہیں آپ میرے کھانے کا مزاق بنا رہے ہیں۔

اس کی اُتری شکل دیکھ زیدان کی حسی کو بریک لگی۔ نہیں بلکل بھی نہیں جان نور۔۔۔

آپ جھوٹ بول رہے ہیں خود کھا کر دیکھوں گی۔

I سے چیخ اٹھاتے دیکھ زیدان نے روکنا چاہا ”مت کھاؤ، تمہارے لیے یہ محفوظ نہیں۔“

عنایہ کے چہرے پر اُدا سی چاہ گئی۔ اس کا مطلب کھانا بہت بُرا بنا ہے۔ تبھی آپ کھانے سے منع کر رہے ہیں نہ۔۔۔

زیدان کو لگا اگر سچ بولا تو وہ رونے لگے گی۔ نہیں کھالو۔۔۔

تو پھر رو کا کیوں۔۔۔

کیوں کہ اس میں مرچی تیز ہے اور آپ ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئی ہیں  
بس اتنی سی بات ہے۔ آپ کو شاید پتا نہیں ہے زیدی میں تو تیز مرچ کھانا پسند  
کرتی ہوں۔

یہ کہتے ہی عنایہ نے کھانا شروع کر دیا۔ زیدان جانتا تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے  
۔ کیونکہ زیدان جان گیا تھا کہ عنایہ نے جو براؤن بوتل سوس سمجھ کر ڈالی ہے وہ  
کچھ اور نہیں ”فوڈ گریڈ الکو حل“ ہے۔

زیدان خانزادہ ایک مضبوط اعصاب کا مالک انسان تھا۔ اُس پر یہ چھوٹا موٹا نشاء  
کہاں اثر کرتا۔ پر وہ جانتا تھا کہ عنایہ پر بہت زبردست اثر ہوگا۔

اور کچھ ہی دیر بعد عنایہ کی حرکات میں ہنسی، شوخی، اور تھوڑا سا نشہ ظاہر ہونے لگا۔ عنایہ سر بھاری ہونے لگا۔ زیدان کی مکمل نظر عنایہ پر تھی۔

بیٹھے بیٹھے عنایہ کو گرمی لگانے لگی۔ زیدان کو خود کو دیکھتے عنایہ کھڑی ہوئی اس کی چال اب کہاں سنبھالنی تھی۔ وہ گرتی اُس سے پہلے زیدان نے اسے پکڑا۔  
عنایہ مسکراتے ہوئے روک روک کر بولی، ”یہاں۔۔۔ بہت۔۔۔ گرمی۔۔۔ ہو۔۔۔ گی۔۔۔ ہے۔۔۔ نہ۔۔۔“

زیدان کو اپنی حسی کنٹرول کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ چلو آپ کو تازہ ہوا دلو اوں۔  
زیدان عنایہ کو بالکنی پر لے آیا۔ عنایہ رینگ کے قریب کھڑی، ہوا میں ہاتھ پھیلائے، آنکھوں میں چمک، گالوں پر سرخی۔۔۔ نشے کا ہلکا سا اثر۔

”زیدان۔۔۔ یہ دبئی کی ہوا بھی آپ کی طرح مغرور لگتی ہے، بالکل باس کی طرح!“ وہ زور سے ہنسی۔



زیدان کچھ فاصلے پر، ہاتھ میں خالی گلاس لیے، خاموش کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں صرف ایک عکس — عنایہ۔

اچانک عنایہ گھومی اور آہستہ آہستہ قدم زیدان کی جانب اٹھانے لگی۔ اب اس کی خوبصورتی پہلے ہی زیدان کے لئے جذبات قابو کرنا مشکل کر رہی تھی۔

عنایہ اس کے قریب آئی، اور اس کی ٹائی سے کھیلنے لگی۔

”آپ کو پتا ہے... جب آپ غصہ کرتے ہیں نا، تو مجھے اور پیار آتا ہے...“ اس کی آواز شوخ تھی۔

زیدان ساکت ہو گیا۔ آنکھوں میں الجھن کا ایک سایہ ابھرا۔

”تمہیں معلوم بھی ہے تم کیا کہہ رہی ہو؟“

تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں چلو آرام کرنے۔

نہیں بلکل نہیں! مجھے میرے سوالوں کے پہلے جواب دیں۔ زیدان نے اسے  
سنجھالتے ہوئے پکارا، ”عناہ۔۔۔“

لیکن تبھی عناہ نے اُس کے ہونٹوں پر اپنا ملائم ہاتھ رکھ دیا۔

شش شش۔۔۔ ایک دم چپ۔۔۔ آپ کبھی رومانٹک نہیں ہوتے بس غصّہ  
کرتے رہتے ہیں۔ زیدان سمجھ گیا تھا کہ عناہ کو اچھی خاصی چھڑچھکی ہے۔

عناہ کی انگلیاں اس کی ٹائی سے کھیل رہی تھیں۔ عناہ تمہیں اندازہ بھی ہے تم  
خود کی جان کس مشکل میں ڈال رہی ہو۔

عناہ نے بچوں کی جیسے ہاں میں سر ہلایا۔ زیدان ہنس پڑا۔ زیدان کے گال پر  
ایک ڈمپل پڑتا تھا جب وہ کھل کر مسکراتا تھا۔

انج عناہ کی شر اتوں سے جب زیدان کھل کر مسکرایا تو عناہ کی نظروں سے اس  
کا ڈمپل نہ چپ سکا۔ فوراً سے عناہ نے اُس کے ڈمپل کو اپنی انگلیوں کی قید میں  
لے لیا۔۔۔

عنایہ خوشی اور حیرانگی کی کیفیت میں بولی۔

زیدی کتنا پیارا دمپل ہے اپ کے پاس۔

”زیدان کے چہرے پر وہ مخصوص سی ہنسی تھی، جسے دیکھ کر عنایہ کا دل ایک لمحے کو رک سا گیا۔

اُس کے گالوں میں پڑنے والا ڈمپل، جیسے کسی بچے کی معصومیت ہو، اور کسی جنگجو کی شدت کو لمحہ بھر میں مٹا دے۔ عنایہ بے اختیار مسکرا اٹھی، اور اس لمحے نے گویا کمرے کی فضا کو کسی پرانی رومانوی نغمے کی طرح نرم و لطیف کر دیا۔“

“زیدان ہنس دیا۔ وہ ہنسی جو لبوں تک محدود رہی مگر آنکھوں میں شرارت بھر گئی۔ عنایہ نے آگے بڑھتے ہوئے نادانستگی میں زیدان کے قدموں پر اپنے ہیل والے پاؤں رکھ دیے۔“...

...”اور جیسے ہی اُس نے محسوس کیا کہ اُس کے نازک قدم اُس کے سخت جوتوں سے ٹکرائے ہیں، اُس نے چونک کر نظریں اٹھائیں۔ زیدان کی آنکھوں میں کچھ

ایسا تھا جو لفظوں میں بیان نہ ہو سکا۔ نہ خفگی، نہ حیرت... بس خاموشی میں لپٹا  
ایک انوکھا جذبہ۔”

عنایہ کے اسے قریب آنے سے زید ان کا بیلنس آؤٹ ہوتے ہوتے بچا۔ عنایہ  
گر نہ جائے زید ان نے اُس کی کمر میں اپنے بازوؤں حائل کر اسے سنبھالا۔  
دونوں اتنے قریب تھے کہ ایک دوسرے کی سانسوں کی تپش محسوس کر سکتے  
تھے۔ عنایہ تھوڑا اونچا ہوئی زیدی میں آپ کے یہ ڈمپل کھا جاؤں۔

زید ان کو وہ اس وقت بہت کیوٹ سی مصوم بچی لگی۔ ”زید ان کی آنکھیں سرخی  
مائل تھیں، حرارت سے بھری ہوئی... وہ قریب آیا تو سانسیں بو جھل ہو گئیں۔  
لمحہ بھر کو یوں لگا جیسے اُس کے اندر کا بے قابو جزبات جاگنے کو ہے، جیسے ایک  
دیوار گرنے والی ہو۔ لیکن پھر... ایک پل میں اُس نے خود کو روکا۔ اُس کی مٹھیاں  
بھینچ گئیں، نظروں کی شدت میں کمی نہ آئی، مگر عمل میں ایک عجیب سا سکون  
تھا۔”

بولے نہ کھا جاؤں۔۔۔ ہاں کھا جاؤ۔۔۔

عنایہ مسکراتی زیدان کے گال پر اپنے لب رکھ گی۔ اور اگلے ہی لمحے وہ مکمل ہوش کھو چکی تھی۔

کتنی ہی دیر زیدان اسے ایسے ہی لیے کھڑا رہا۔ اس کی دھیمی چلتی سانسوں کو دیکھ زیدان نے اس کا سر سینے سے ہٹا کر دیکھا وہ سوچکی تھی۔

تم اس حالت میں ہو... کل تمہیں کچھ یاد بھی نہیں ہوگا۔

ذرا سی آنکھ کھل عنایہ مسکرائی، تو یاد کرو ادینا...

زیدان کچھ لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا... اور ایک بار پھر اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

”پاگل“...

زیدان نے عنایہ کو آہستگی سے اٹھایا، اس کا سر اپنے کندھے پر رکھا، اور اسے اندر لے گیا۔ دل میں ایک انجان سا احساس جاگا:

”اس کی ہر شرارت مجھے توڑتی بھی ہے... اور جوڑتی بھی ہے۔“

عنایہ کے اسے قریب آنے سے زیدان کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ آنکھوں میں شرارت لیے، اُس کے چہرے کے قریب آئی، اور ہلکی سی سرگوشی کی:

”زیدی... مجھے نہ آپ سے کچھ کہنا ہے... بہت دنوں سے“...

زیدان نے اس کے چہرے کو تھامتے ہوئے سنجیدگی سے کہا:

”عنایہ، تم ابھی ٹھیک نہیں ہو... کل صبح بات کریں گے۔“

لیکن عنایہ نے نفی میں سر ہلایا،

”نہیں، ابھی سنیں گے، ورنہ میں رو دوں گی!“



زیدان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی، مگر آنکھوں میں ایک الگ سی چمک تھی۔ وہ اس لمحے کو روکنا نہیں چاہتا تھا۔

عنایہ نے آہستہ سے کہا:

”میں ڈرتی ہوں زیدی... آپ سے نہیں، اس دنیا سے... آپ کے بغیر ہونے سے۔“

زیدان کو لگا جیسے دل کی دیواروں پر کوئی دستک دے رہا ہو۔

وہ جھک کر عنایہ کی پیشانی کو چوما اور بولا:

”جب تک میں ہوں، تمہیں کسی چیز سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔“

زیدان نے فوراً اسے بانہوں میں سمیٹا۔

”چلو، اب بہت باتیں ہو گئیں، تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔“

عنا یہ اس کے سینے پر سر رکھے آہستہ آہستہ سو گئی، اور زید ان کے دل میں پہلی بار سکون اتر ا۔

زید ان نے دل میں بس ایک بات دہرائی:

”اگر اس کی ہنسی، اس کی شوخی، اور اس کی معصومیت ہی میری کمزوری ہے... تو یہ کمزوری مجھے قبول ہے“...

صبح کا پہلا اجالا پردوں کے پیچھے سے اندر اتر رہا تھا۔

عنا یہ خاموشی سے سوتی ہوئی، مگر اس کا چہرہ کسی انجانی جنگ کا پتہ دے رہا تھا۔

اچانک اُس کے جسم میں جھٹکا آیا، سانس تیز ہو گئی، گولیوں کی آواز، پھر دھماکا اور وہ ہڑبڑا کر چیخ اٹھی:

”نہیں! نہیں چھوڑو مجھے... زیدی“!!!

زید ان کی آنکھ کھل گئی، وہ فوراً سیدھا ہو بیٹھا۔

عناہ ہانپتی ہوئی، آنکھوں میں خوف لیے، اُس کے بازو سے لپٹ گئی۔  
 ”وہ لوگ... وہ پھر سے مجھے لے جا رہے تھے... مجھے مار رہے تھے... وہ مجھے توڑ  
 رہے تھے زیدی!“

وہ رو رہی تھی، لرز رہی تھی، اور اس کی سانسیں بے ترتیب تھیں۔  
 زید ان کے سینے میں کچھ ٹوٹا...

نہیں، ٹوٹا نہیں... جلنے لگا۔

اُس نے عناہ کو اپنے مضبوط بازوؤں میں چھپالیا، مگر اُس کی آنکھوں میں خاموشی  
 نہیں تھی...

وہ خاموش شعلے تھے... جن میں انتقام کی چنگاریاں دوڑ رہی تھیں۔

وہ عناہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا:

”تمہارا خواب نہیں تھا یہ... وہ سچ تھا، جواب میرے ہدف کی بنیاد بنے گا۔“

زیدان کی نظر دور خلا میں تھی،

”جس نے تمہیں چھوا بھی تھا، وہ اب صرف ایک سانس کا مہمان ہے۔“

عنایہ اُس کے سینے سے لگی، ہنوز سہمی ہوئی،

اور زیدان کے وجود میں وہی خاموش آندھی پھر سے جاگ چکی تھی...

”اب زیدان خانزادہ خاموش نہیں رہے گا... اب آگ بولے گی!“

اُمید کرتی ہوں آپ کو اج کی قسط پسند آئی ہوگی۔ میں پوری کوششیں کر رہی

ہوں کہ فل لونگ قسط داسکوں۔ لکھنے میں کہیں کوئی غلطی ہوئی ہو تو اس کے

لیے معذرت۔۔ یہ محنت آپ ہی لوگوں کے لیے ہے۔ جب آپ اپنی محبت

دیکھتے ہیں تو میری محنت وصول ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اپنا پیار دیکھتے رہیں چینل

کو لایک اور سبسکرائب کرنا نا بھولیں۔ اپنی قیمتی رائے کا اظہار کمنٹ سیکشن میں

ضرور کریں۔

صبح کا پہلا اجالا پردوں کے پیچھے سے اندر اتر رہا تھا۔

عناہ خاموشی سے سوئی ہوئی، مگر اس کا چہرہ کسی انجانی جنگ کا پتہ دے رہا تھا۔  
اچانک اُس کے جسم میں جھٹکا آیا، سانس تیز ہو گئی، گولیوں کی آواز، پھر دھماکا اور  
وہ ہڑبڑا کر چیخ اٹھی:

”نہیں! نہیں چھوڑ مجھے... زیدی“!!!

زیدان کی آنکھ کھل گئی، وہ فوراً سیدھا ہو بیٹھا۔

عناہ ہانپتی ہوئی، آنکھوں میں خوف لیے، اُس کے بازو سے لپٹ گئی۔

”وہ لوگ... وہ پھر سے مجھے لے جا رہے تھے... مجھے مار رہے تھے... وہ مجھے توڑ

رہے تھے زیدی!”!

وہ رو رہی تھی، لرز رہی تھی، اور اس کی سانسیں بے ترتیب تھیں۔

زیدان کے سینے میں کچھ ٹوٹا...

نہیں، ٹوٹا نہیں... جلنے لگا۔

اُس نے عنایہ کو اپنے مضبوط بازوؤں میں چھپالیا، مگر اُس کی آنکھوں میں خاموشی  
نہیں تھی...

وہ خاموش شعلے تھے... جن میں انتقام کی چنگاریاں دوڑ رہی تھیں۔

وہ عنایہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا:

”تمہارا خواب نہیں تھا یہ... وہ سچ تھا، جواب میرے ہدف کی بنیاد بنے گا۔“

زیدان کی نظر دور خلا میں تھی،



”جس نے تمہیں چھوا بھی تھا، وہ اب صرف ایک سانس کا مہمان ہے۔“

عنایہ اُس کے سینے سے لگی، ہنوز سہمی ہوئی،

اور زیدان کے وجود میں وہی خاموش آندھی پھر سے جاگ چکی تھی...

”اب زیدان خانزادہ خاموش نہیں رہے گا... اب آگ بولے گی!“

عنایہ کو سنبھالنے کے بعد زیدان ضروری کام سے پیلس سے دُور جانا پڑا۔ صحرا

کے سینوں میں چھپا ایک خاموش مگر پر شکوہ شہر — العین۔ دبئی کی چمکتی

روشنیوں سے دور، زیدان نے یہاں ایک خفیہ ملاقات طے کی تھی۔ شہر کے

کنارے ایک مہنگے پرائیویٹ کمپاؤنڈ میں، گارڈز سے گھرا ہوا، وہ اپنے چند خاص

آدمیوں کے ساتھ بیٹھا تھا، جہاں صرف طاقت، حکمت اور مستقبل کی چالیں زیرِ

بحث تھیں۔

دوسری طرف سمندر کی آغوش میں بے محل نما بنگلے میں، عنایہ اکیلی تھی۔

نیلے پانیوں کے کنارے پر پھیلا ہوا سفید سنگِ مرمر کا محل — جہاں ہر کونے

میں خاموشی کا راج تھا، لیکن یہ خاموشی صرف سکون کی نہیں بلکہ آنے والے طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ زیدان کی غیر موجودگی میں صرف کچھ خاص گارڈز اور شیلی، محل کی نگراں، موجود تھیں۔

محل کی خاموش فضاؤں میں ابھی بھی عنایہ کے خواب کی بازگشت باقی تھی۔ وہ صدمے سے نکلی نہ تھی، ہر آہٹ پر چونک جاتی، ہر سایہ اُسے زیدان کی گولیوں سے چھلنی لاش دکھائی دیتا۔

عنایہ خواب کے اثر سے خود کو نہیں نکال پارہی تھی عنایہ کا دل کسی انجانے خوف سے لرز رہا تھا۔ کسی لمحے میں بھی سکون نہیں مل رہا تھا اس پر زیدان کا یوں شہر سے دُور جانا عنایہ میں اور خوف پیدا کر گیا۔

العیین کے صحرا میں واقع ایک خفیہ مافیا کمپاؤنڈ میں موجود ہے میٹنگ جاری تھی۔ دوپہر کا وقت، تپتی دھوپ، چاروں طرف خاموشی طاری۔ اندر ایک خفیہ میٹنگ

جاری تھی۔ زیدان خانزادہ میز کے سر پر بیٹھا تھا۔ سامنے اسامہ، عاصم، عمار اور

تین خفیہ انویسٹیگیٹرز موجود تھے۔ ماحول تناؤ سے بھرا ہوا تھا۔

اسامہ زیدان کی میز پر فائل سامنے رکھتے ہوئے بولنا شروع ہوا۔

”خان، جبل علی پورٹ کے ذریعے ایک بہت بڑا کنسائمنٹ دبئی میں داخل

ہونے والا ہے... لیکن ایک بار پھر یہ اسلحہ یا منشیات نہیں... انسان ہیں، کم عمر

لڑکیاں۔“

اسامہ کے کہتے ہی زیدان کی آنکھیں لہو چھلکنے لگی۔

”نام بتاؤ مجھے، کس کے ذریعے آرہا ہے؟“

عاصم نے اپنے لیپ ٹاپ کی سکرین پر کچھ ڈیٹا اوپن کرتے تفصیلات بتانی شروع کیں۔

”یہ شپمنٹ روس کے ایک جعلی انٹر ٹینمنٹ گروپ کے نام پر رجسٹرڈ ہے۔  
کمپنی کا نام ہے، وائٹ ڈسک ایونٹس۔ اصل میں یہ ایک انسانی اسمگلنگ رینگ  
ہے جسے زافر کی پشت پناہی حاصل ہے۔“

ظفر کے نام پر زیدان نے اپنی مٹھیوں کو نیچ لیا۔ ہاتھ کی انگلیوں کی ٹرٹر ہت  
واضع سنائی دے رہی تھی۔ جو زیدان خانزادہ کے ضبط کا پتہ دے رہی تھی۔  
زیدان نے خود کو کمپوز کرتے ٹھنڈے لہجے میں سب پر باور کر دیا۔

”یہ میری حدود ہیں... اور میری حدود میں کوئی بھی معصوم لڑکی نیچی نہیں جا  
سکتی۔“

زیدان کے اشارے پر عمار نے لیپ ٹاپ پر مقام دکھاتے ہوئے ڈیٹیل بتانا  
شروع کیں۔

”ہمیں اطلاع ملی ہے کہ یہ شپمنٹ کل رات تین بجے پورٹ 17 پر ان لوڈ ہو گی۔ ہمارے پاس لوکیشن بھی ہے اور وہاں کے سیکورٹی کیمرہ زونز بھی معلوم کر لیے گئے ہیں۔“

آگئے کیا کرنا ہے۔

زید ان نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد گہری آواز میں اپنا فیصلہ سنایا

”ظفر ایک بار پھر لکیر عبور کر چکا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ اُسے یاد دلاؤں، خانزادہ کا قانون صرف نام کا نہیں، عمل کا ہوتا ہے۔“

اسامہ پر جوش انداز میں

”آرڈرز، خان؟“

اسامہ اور عمار تم دونوں، ”ایک سائلنٹ ٹیم تیار کرو۔ کوئی آواز نہ ہو۔ اگر کسی معصوم کے ساتھ نہ انصافی ہوئی، تو اُس کا جواب صرف گولی ہوگا۔“

عاصم نے تھوک نگلہ، ”خان، ایک مسئلہ ہے... وہاں ایک ٹیم ہے جو کیمروں کی نظر سے چھپی ہوئی ہے، لگتا ہے ظفر کے لوگ پہلے ہی وہاں موجود ہوں گے۔ شاید انہیں ہمارے پلان کی بھنک لگ گئی ہو۔“

زیدان نے عاصم کو دیکھتے ہوئے ایک زہریلی مسکراہٹ اچھالی:

”تو پھر انہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے... کہ جب خانزادہ آتا ہے، تو صرف

انصاف نہیں، انتقام بھی ساتھ لاتا ہے۔“

زیدان عنایہ کو یاد کرتے گھڑی کی طرف دیکھتا ہے۔

تم تینوں اپنے کام پر لگ جاؤ، کل کے سورج کے بعد کارروائی شروع ہوگی...

اُس سے پہلے میں پیس واپس نہیں جاسکتا۔“

اسامہ فکر مند ہوتے ہوئے بول بیٹھتا ہے



خان آپ کو نہیں لگتا عنایہ بھابی کو آپ کے انج واپس نہ آنے کی اطلاع دے دی جائے؟”

زید ان نرم لہجے میں، نظر جھکا کر عنایہ کو عکس آنکھوں میں لاتے ہوئے ”اُسے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں... اُس کی دنیا میں ابھی صرف میں ہوں۔ اُسے یہ سچائی نہیں دیکھنی چاہیے۔“

اسی لمحے، دبئی کے شاندار ساحلی علاقے، ”پلم جمیرہ Palm Jumeirah“ میں، عنایہ نور اپنے کمرے کی کھڑکی سے سمندر کو دیکھتے ہوئے اپنے خواب کے اس بھیانک منظر کو یاد کر رہی تھی، جو کئی راتوں سے اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ زید ان کی زخمی حالت، چیخیں، خون... وہ منظر آج بھی اس کی سانسوں کو بوجھ بنائے بیٹھا تھا۔

تبھی...

فون بجا۔

ایک انجانی آواز:

”زید ان بھائی پر حملا ہوا ہے۔۔ وہ بہت شدید زخمی ہیں۔۔۔ جبل علی کے ایک گودام میں لے آئے ہیں۔۔۔ پلز آپ وہاں پہنچ جائیں۔۔۔“

عنایہ کے دل میں جیسے کسی نے خنجر گھونپ دیا۔

بغیر کسی تصدیق کے، بغیر کسی کو بتائے، وہ کپکپاتے ہاتھوں سے عبایا اوڑھ کر باہر نکلی۔ عنایہ کے قدم اس کا ساتھ نہیں دے پارہے تھے۔ ہر گزار تالمحہ اُس پر

بھری ہوتا جارہا تھا۔ جلد سے جلد اسے اپنے زیدی کے پاس پہنچنا تھا۔

پیس کے گیٹ پر کھڑے گارڈز کی نظر سے عنایہ کا باہر جانا چوک گیا۔ اور یہ

پہلا قدم عنایہ کو ظفر کی بچھائی گئی سازش کے قریب لے گیا۔

وہ بے خبری میں اپنی سب سے بڑی غلطی کر بیٹھی۔

محل کی حدود پار کی، ڈرائیور تک سے مدد نہ لی، بس قدموں کی چاپ اور دل کی دھڑکن کے بیچ وہ اُس سنسان گودام تک جا پہنچی، جس کی مٹی بھی شاید خون سے لال تھی۔

”زیدان...؟“ اُس نے گھبرا کر پکارا۔

اور اگلے ہی پل، ”دھوئیں اور دھوکے کے درمیان سے ظفر ابھرا... جیسے موت کا سایہ۔“

خواب میں سنائی دینے جیسی جانی پہچانی آواز نے عنایہ کے حواس چھین لیے۔

سوچا نہیں تھا اس قدر ”خوبصورت بیوی ہے زیدان کی...“ منا پڑے گا۔

عنایہ اسے پھر سے سامنے دیکھ وہیں سٹل ہو گئی۔

ظفر نے طنزیہ ہنسی کے ساتھ قدم بڑھایا۔

”پر افسوس خوبصورت ہونے کے ساتھ بے وقوف بھی۔“

ت۔۔ تو۔۔ تم۔۔ میرے قریب مت انا۔

ظفر نے عنایہ کی حالت دیکھ زوردار قہقہہ لگایا۔ اور ساتھ ہی اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ جنہوں نے عنایہ کو آگے بڑھاتے اپنے قبضے میں لے لیا۔

دوسری طرف... حسب معمول شیلی عنایہ کے لئے کھانا اور دوائی کی ٹرے لیے اُس کے روم میں چلی گئی۔ شیلی نے دوڑ پر روک کر اندر آنے کی اجازت چاہی پر اندر سے کوئی جواب نہ پا کر وہ نوک کرتی اندر چلی گی۔ پر اندر موجود خالی کمرہ شیلی کو اپنی موت کی خبر سنارہا تھا۔

شیلی نے بھاگتے ہوئے پیلس کا وارلرٹ بٹن دبا دیا۔ پورا پیلس سائرن کی آواز سے گونج اٹھا۔ پیلس میں عنایہ کے نہ ہونے کی خبر نے پیلس میں کھرام مچا دیا تھا۔ پیلس کے سیکورٹی روم میں ایک الارم میسج زیدان کو بھاگیا۔

عنایہ کے فون کی لوکیشن بند ہو چکی تھی۔

ابھی زیدان یہ دیکھتا ہی کہ ساتھ ہی زیدان کو ایک خفیہ میسج ملا...

”محبت میں بے وقوفی موت کا دوسرا نام ہے“...

زیدان کا چہرہ ایک لمحے کو سفید پڑ گیا۔ ہے ساختِ دل نے جو نام لیا وہ تھا۔۔۔۔

”عنایہ۔۔۔!“

اُس کی آواز گرجدار تھی، لیکن لہجہ ٹوٹا ہوا۔

”عمار!“ زیدان کی دھاڑ سے ہل گیا۔

”گاڑی نکالو، ہم پیس جا رہے ہیں اسے یہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔“

اُسامہ، عاصم اور عمار کے کان عنایہ کے نام پر کھڑے ہوئے اور وہ تینوں فوراً

متحرک ہو گئے۔

ڈھائی گھنٹے کا سفر زیدان خانزادہ طوفان کی رفتار سے چیرتا ہوا اپنے پورے غزو

غضب کے ساتھ پیس میں قدم رکھ چکا تھا۔ اس کا رخ سیکورٹی روم کی جانب تھا

۔ کیونکہ زیدان خانزادہ کے پیلس سے اس کی بیوی کا اغواء ہونا اسے کچھ ہضم نہیں ہوا۔

انہیں سوچوں کے ساتھ اپنی پوری طاقت سے ایک زوردار ڈھار کی آواز سے زیدان خانزادہ سیکورٹی روں کا دروازہ کھول اندر داخل ہوا۔ اس کی آمد پر سیکورٹی فورسز کا سانس تک خشک ہو چکا تھا۔

تمام سی سی ٹی وی فوٹیج دیکھنے پر زیدان کی آنکھیں حیرت سے کھول گئی۔ اسے عنایہ سے اس قدر حماقت کی اُمید نہیں تھی۔

غصے اور ضبط کی شدت سے زیدان خانزادہ نے ہاتھ میں موجود گن کی مکمل میگزین سے سی سی ٹی وی سکرین بھون ڈالی۔

شام ڈھلنے سے پہلے زیدان اپنی پوری طاقت، غصے اور بے تابی کے ساتھ اُس گودام تک جا پہنچا، جہاں اُس کی بیوی دشمن کے ہاتھ میں قید تھی۔

اندر بیٹھا ظفر سی سی ٹی وی سکرین پر زیدان خانزادہ کو دیکھ سکتا تھا۔



ایک مکروہ مسکراہٹ کے ساتھ عنایہ کی گردن کے بالوں سے پکڑتے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے بولا۔

”واؤ براوو!... جس انسان کو اُس کے اپنے پیار کے لئے پاگل نہیں کر سکے تمہارے لیے تو اُس کا جنون سر چھڑ بول راہ ہے مانا پڑے گا تمہاری خوبصورتی میں کوئی توجادو ہے۔ جو“ دی گریٹ مافیا کراؤن ”کو دیوانہ بنا گیا ہے۔

گودام کے دروازے پر زیدان خانزادہ کے آدمیوں نے فائر کھول دیا۔ اپنے آنے کی دہشت کا مکمل اعلان کرتے زیدان خانزادہ دروازہ توڑ کر جب اندر داخل ہوا تو ظفر کے گارڈز نے اُسے روکنے کی کوشش کی، لیکن زیدان اُن پر قہر بن کر ٹوٹا۔

آمنے سامنے گولیاں چلیں۔

دھماکوں کی آوازیں گونجیں۔

ایمار، اسامہ، اور عاصم نے فائر کو رد کیا۔

اندر کرسی سے باندھی وہ نازک جان ان آوازوں سے لرز کر رہا گی۔ زیدان کی آواز سنتے عنایہ اپنا آپ رسیوں سے چھڑوانے کی کوشش کرنے لگی۔

زیدان کی لہو چھلکتی نظروں کو صرف ظفر کی تلاش تھی۔

اپنا کنٹرول زیدان کے آدمیوں کے ہاتھوں کھوتا دیکھ ظفر پاگل ہوتا عنایہ کی طرف ہوتے اُس کی رسیوں کو کھولنے لگا عنایہ اپنا آپ چھڑوانے میں ہلکان ہو رہی تھی۔ عنایہ نے ظفر کے چہرے پر اپنے نوکیلے نخونوں سے حملا کر خود کو بچانے کی کوشش کی۔

عنایہ کے اس عمل سے پاگل ہوتے ظفر کا ہاتھ عنایہ کے چہرے پر انگلیوں کے نشان چھوڑ گیا۔ عنایہ کو بازو بالوں سے دبوچے وہ باہر گھسیٹا لے آیا۔

زیدان عنایہ کی چیخ پر پلٹا۔ اس کے بال ظفر کے ہاتھ میں دیکھ زیدان کے ضبط کی تمام بند شیں ٹوٹ گئی۔

ظفر نے ایک ہوائی فائر کیا اور پورے گودام میں عنایہ کی چیخ کے ساتھ خاموشی چاہا گی۔

تو نے میری عنایہ کا پھر سے استعمال کر اپنی بھیانک موت کو خود دعوت دی ہے

ظفر نے قہقہہ لگایا۔۔۔

دیکھو تو سہی موت کی بات کر کون راہ ہے جس کے ہاتھ میں اس طوطے کی مینا کی جان ہے۔

زید ان دھاڑتا ہے

ظفر۔۔۔۔

ویسے مانا پڑے گا بے حد خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد بیوقوف بیوی پائی ہے تم نے۔

زیدان پھر سے دھاڑتا ہے۔

ظفر میں کہتا ہوں عنایہ کو چھوڑ دے۔ ہمت ہے تو مجھ سے سامنا کر۔ تجھ سا بزدل انسان میں نے نہیں دیکھا عورت کو ڈھال بنا کے مردانگی دکھائے گا۔ ارے چپ تجھ سے کس نے کہا کہ تجھ سے بدلہ لینے کے لیے میں نے اسے پھسیا ہے۔ سچ کہوں تو ظفر کا دل اگیا ہے تیری بیوی پر۔۔۔۔

ظفر نے زیدان کی طرف گن تانی۔ کھیل ختم۔۔۔

”تیری بیوی اب میری ہے، زیدان۔“

ظفر فائر کرتا اپنے شوہر کی جان خطرے میں دیکھ عنایہ نے ظفر کے ہاتھ پر دانتوں سے وار کر دیا۔ گن لوڈ ہو چکی تھی اور جھٹکا لگنے سے فائر کھل چکا تھا پر عنایہ کے وار کی وجہ سے گولی زیدان کے کندھے کو لگی۔ ظفر عنایہ کی گرفت سے اپنا ہاتھ جھٹکتا عنایہ کو ایک اور تھاپر لگا چکا تھا۔

پراسی اثنا میں زیدان ایک ہی جست میں اپنے کندھے کی تکلیف کو کو چھوڑ پاگل  
ہوتا ظفر پر ٹوٹ پڑا۔ بنا ظفر کو موقع دے زیدان اُسے مارتا چلا گیا۔

زیدان کی ضربوں سے ظفر اپنا دفاع نہیں کر پار ہا تھا۔

ظفر اب اپنے ہوش کھونے کے در پر تھا

لیکن زیدان رکا نہیں۔

”تیری اتنی ہمت تو نے میری عنایہ میری بیوی پر غلیظ نظر ڈالی۔ اُس پر ہاتھ اٹھایا  
۔ تو اسے مجھ سے چھینے گا۔ اُس سے پہلے میں تیری ٹکڑے کر کے شہر کے کتوں کو  
کھلا دوں گا۔“

”میری محبت میری عنایہ میری کمزوری نہیں۔۔۔ میرا جنون ہے!“

”موت کی تمنا ہے تجھے؟“ تجھے اتنی آسان موت نہیں دوں گا

ظفر بیہوش ہو چکا تھا زیدان کے اشارے پر اُسے اٹھا کر کایج کے بیسمینٹ میں  
شفٹ کرنے لگے۔

زیدان کا غضب ناک غصہ کسی طور پر کم نہیں ہو رہا تھا۔ عنایہ کی سسکی پر زیدان  
اس کی جانب موڑا۔ عنایہ بھاگتے ہوئے زیدان کے سینے آگئی۔

عنایہ خوف زدہ تھی، آنکھوں سے آنسو رواں۔ بدن پوری طرح پسینے سے  
شرابور ہو چکا تھا۔ پورا بدن خوف سے کانپ رہا تھا۔

زیدان کی آغوش میں چھپتے ہوئے اُس نے ہچکیاں لی۔

”میں نے سوچا آ۔۔۔ آپ۔۔۔“

زیدان نے اُس کا چہرہ تھاما۔

”تم نے سوچا۔۔۔ مگر پوچھا نہیں۔ تم میری بیوی ہو، اپنی جان ایسے نہیں دے

سکتی۔۔۔ سمجھی؟“



اس سب کی سزاتو تمہیں بھی ملے گی عنایہ۔۔

--- زیدان اس کا ہاتھ تھم گھسیٹتے عنایہ کو اپنے ساتھ لے گیا۔ عنایہ بھی مردہ  
قدموں کے ساتھ کھینچتی چلی گئی۔

”عنایہ کو احساس نہیں تھا... کہ جو دروازہ اُس نے کھولا ہے، وہ شاید واپسی کا نہ  
ہو۔“



دبئی کے آسمان پر شام کا رنگ کچھ الگ سا اتر رہا تھا۔

گاڑی میں بیٹھا زید ان اپنے غصے اور درد کی تکلیف سے لڑ رہا تھا۔ عنایہ ساتھ بیٹھی مسلسل آنسوؤں بھاری تھی۔ زید ان پر اس کا رونا مزید اشتعال دلانے کا کام کر رہا تھا۔

ظفر کی انگلیوں کے نشان عنایہ کے چہرے پر دیکھ زید ان اپنا کنٹرول کھو رہا تھا گاڑی کی سپیڈ مزید تیز کی۔ دو بئی کی سڑکوں پر گاڑی ہوا کو چیرتی جا رہی تھی۔ عنایہ کا خوف سے پورا بدن پسینے سے تر ہو گیا۔ زیدی پلز آہستہ چلائیں مجھے ڈر لگا رہا ہے۔

زید ان یک دم چیخ اٹھا، ”چپ... چپ... ایک دم چپ... آواز بھی نہ نکلے تمہاری۔ یہ ڈر تمہیں تب نہیں لگا جب بیوہ قفوں کے جسے پیلس سے نکل گئی تھی۔“ وہ۔۔ وہ۔۔ میں۔۔۔ زید ان نے اسے بازوؤں سے پکڑ اپنی طرف کھینچا۔ عنایہ کسی کٹی ڈال کی طرح زید ان کے سینے سے آگئی۔ عنایہ کی آنکھوں میں اپنی

وحشت زادہ آنکھیں ڈالی عنایہ کے بازو پر زیدان کے ہاتھ کا دباؤ بھرتا جا رہا تھا۔  
عنایہ کو زیدان کی انگلیاں اپنے بازو میں دستی محسوس ہوئی۔

عنایہ نے درد کی شدت سے سسکی لی۔ اس کی سسکی پر زیدان نے جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑا۔ عنایہ خوف کے مارے گاڑی کے شیشے سے جا لگی۔ زیدان نے خود کو گہرا سانس لے کر سکون کرنے کی کوشش کی۔ اب گاڑی پیلس کی جانب رواں تھی۔

پیلس کے درودیوار پر جیسے کوئی اندھیری سی پرچھائیں چھا گئی تھی۔ عنایہ کے دل میں کچھ ٹوٹ چکا تھا، اور زیدان خان کی آنکھوں میں ایک چپ سا طوفان مچل رہا تھا۔ اُس کی خاموشی گواہی دے رہی تھی کہ وہ اندر سے ٹوٹا ہے، لیکن اپنی ٹوٹ پھوٹ کسی پر ظاہر نہیں کرے گا۔

گاڑی پیلس کے دروازے پر آکر روکی۔ کارپورچ گاڑی کے ٹائر چیرنے کی آواز سے گونج اٹھا۔ عنایہ زیدان سے بہت زیادہ خوف زدہ ہو چکی تھی۔ زیدان طیش

کے عالم میں اپنی سائڈ سے اتر کر عنایہ کی طرف آکر اُس کی سائڈ کا دروازہ کھول  
بازوں سے پکڑ پیلس کے اندر لے گیا۔ عنایہ کسی بے جان چیز کی طرح زیدان  
کے ساتھ کھینچتی چلی گئی۔

پوری طاقت سے اپنی ٹانگ مار کر زیدان نے دروازہ کھولا اور عنایہ کو عنایہ کو  
جھٹکاتے بیڈ کی طرف پھکا۔ عنایہ نرم گدھے پر موہ کے بل بیڈ پر گری۔ زیدان  
کسی طور پر اپنا غصہ کم نہیں کر پا رہا تھا۔ ظفر کی گرفت میں عنایہ کے بال ظفر کا  
عنایہ پر ہاتھ اٹھانا۔ زیدان کے دماغ کی نس پھٹنے کی حد تک آچکی تھیں۔  
عنایہ نے سیدھے ہوتے ہمت کر زیدان کو پکارنا چاہا۔

”زیدی“ اس کے پکارنے پر زیدان ایک ہی جست میں عنایہ کی طرف بھرتے  
اُس کو گردن سے پکڑ کر اپنے چہرے کے بالکل قریب کیا۔

دونوں کی سانس ایک دوسرے کے چہرے کو جھلسا رہی تھیں۔ عنایہ کی  
آنکھوں میں واضح خوف لہرا رہا تھا۔

”مس عنایہ نور! جی تو چاہتا ہے تمہارے جس جس حصے کو اُس خبیث انسان نے ہاتھ لگایا ہے وہ حصہ ہی کاٹ ڈالوں۔ تمہاری ایک بیوہ قونی سے کیا کچھ ہو سکتا تھا اندازہ بھی ہے تمہیں۔“

عنایہ کی آنکھوں سے انسوؤں بھ کر اس کے زخمی رخساروں پر بہانے لگے۔  
زیدان نے اسی لمحے عنایہ کو اپنی گرفت سے آزاد کر دیا۔ اور آٹھ کے جانے لگا۔  
اس کے قدم عنایہ کے لفظوں نے روکے  
”میں ڈر گئی تھی آپ کو کھونے سے پر اب مجھے آپ سے ڈر لگ رہا ہے میں چلی جاؤں گی یہاں سے۔“

عنایہ کے لفظوں نے زیدان کے پیروں کی زمین ہلادی۔ زیدان موڑا اور خون آلود آنکھیں اُس پر گڑھی، ”ہمت ہے تو جا کے دیکھو۔ ٹانگیں توڑ کر زندگی بھر یہاں قید کر لوں گا سمجھ جاؤ اسی میں بھلائی ہے۔“

دروازہ کھینچ کر مارتے وہ کمرے سے چلا گیا۔ پیچھے عنایہ کی سسکیوں کی آواز اور  
بھی تیز ہو گئی

زیدان اس وقت صرف یہاں سے جانا چاہتا تھا۔ اب زیدان کی گاڑی دوپٹی کی  
خالی سڑکوں پر بھاگ رہی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد، دوپٹی کے ایک خفیہ علاقے میں  
زیدان کی گاڑی، ”لاکسا ڈیل خان“ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہی جگہ، جہاں  
زیدان کے سب قریبی لوگ موجود تھے۔ اُس کا اپنا مافیا بیس... جس کی دیواروں  
میں طاقت، رازداری اور وفاداری کی کہانیاں بسی تھیں۔

اندر قدم رکھتے ہی عاصم، عثمان اور عمار اُس کی طرف لپکے۔ زیدان نے کوٹ  
اپنے بازو پر رکھا ہوا تھا اس کی سفید شرٹ خون سے بھر چکی تھی۔ وہ تینوں فکر  
مندی سے اس کی طرف ائے خان تم نے ابھی تک بند تاج نہیں کاروائی۔ زیدان  
بنا جواب دیئے اپنی کُرسی پر جا بیٹھا۔



عاصم نے جلدی سے ڈاکٹر کو کال کر کے بولا لیا۔ ڈاکٹر آچکا تھا۔ زیدان کا ٹریٹمنٹ ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر نے گولی نکال لی تھی اب زخم کی باند تاج ہو رہی تھی۔ اس دوران وہ تینوں زیدان کے چہرے پر چھائے کالے بادلوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ڈاکٹر پیٹی کر کے جا چکا تھا۔ جب عمار سے نہ رہا گیا تو پوچھ ہی بیٹھا!..  
 ””لگتا ہے عشق کی گولی نے زیادہ گہرا زخم دیا ہے، اُس دشمن کی گولی سے بھی۔“

زیدان کچھ دیر غیر مری نوکتے کو گھورتا رہا۔  
 زیدان کو ایسے الجھا دیکھ اُسامہ نے آگئے بھرے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔  
 ”بھائی بھابی مصوم ہے اسے اس دنیا کی تو کیا سادہ دنیا کی بھی زیادہ سمجھ نہیں۔ اور ہم یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ ظفر نے بھابی کو پھسیا تھا۔“

زیدان گہری سانس لیتے بولا: ”جانتا ہوں وہ مصوم ہے میرے ہوتے اُس کی معصومیت کا فائدہ اٹھایا گیا۔ اس کے چہرے کے زخموں نے مجھے بہت تکلیف دی ہے۔“

عاصم نے گاڑی کی چابی زیدان کے ہاتھ میں رکھتے بولا۔ ”خان! اگر دشمنوں کی گولیاں آپ کو ہرا نہیں سکیں... تو اپنوں کی غلط فہمیاں بھی نہیں ہرا سکتیں۔“

زیدان خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اُس کے کندھے پر پٹی بندھی تھی، مگر دل کا زخم ابھی بھی کھلا تھا۔ زیدان نے آنکھیں بند کیں... اور خاموشی سے اٹھ کر پھر پیلس کی جانب روانہ ہو گیا۔

محل کی فضاء بوجھل تھی۔ شیلی دروازے پر انتظار کر رہی تھی۔ زیدان کو دیکھ کر اُس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ زیدان نے سرد لہجے میں شیلی سے پوچھا:

”کہاں ہے عنایہ؟“

شیلی گھبراتے ہوئے بولنے لگی۔

”سر... میم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا... دوا نہیں لی... خود کو کمرے میں بند کر لیا ہے...”

زیدان نے جھٹکے سے سراٹھا کر شیلی کو غصے سے دیکھا۔ ”اور تم مجھے اب بتا رہی ہو؟ تم جانتی ہو، اُس کی تکلیف میری جان لے سکتی ہے!“

شیلی سر جھکائے پیچھے ہٹ گئی۔

”معاف کر دیجیے سر... میں ڈر گئی تھی...”

زیدان نے اُسے کھانا لانے کا حکم دیا اور خود خاموشی سے عنایہ کے کمرے کی طرف چل دیا۔ دروازے کے باہر دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ روک کر گہرا سانس لیا۔

زیدان نے دروازہ دھکیل کر کمرے میں قدم رکھا۔ عنایہ اپنی آنکھیں چھپا کر بیٹھی تھی، مگر اس کی سسکیاں سب کچھ سنارہی تھیں۔

زیدان خاموشی سے عنایہ کے پاس جا بیٹھا۔ غور سے اُس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ رونے سے آنکھیں سُرخ ہو چکی تھیں۔ اپنے ہونٹوں کو دانتوں سے کاٹ زخمی کر لیا تھا۔ اس کی حالت دیکھ زیدان تھوڑا قریب ہو کر بولا۔

”تم نے مجھ پر یقین نہیں کیا،“ زیدان کا لہجہ نرم نہیں تھا، لیکن اُس میں ٹوٹے ہوئے انسان کی گونج تھی۔

”میں تمہیں زخم دینے والے کی سانس کھینچ لوں گا۔ عنایہ... اور تم... تم اتنی بیوقوف ہو کہ اُس ظفر جیسے کسی شخص کی کال پہ بنا کسی کو بتائے اپنی جان خطرے میں ڈالنے نکال گئی؟“

عنایہ کا دل تڑپ اٹھا۔ اُس نے دھیرے سے سر اٹھایا، آنکھیں لال ہو چکی تھیں، ہونٹ کانپ رہے تھے۔

”آپ کے ایکسڈن کا سن کر مجھ سے رہا نہیں گیا زیدان... میں تو بس خوفزدہ تھی... مجھے لگا میں آپ کو کھو چکی ہوں۔“

زیدان کی نگاہیں اُس پر جمی رہیں۔ وہ ایک پل کو کچھ بول نہ سکا، پھر پلٹ کر دروازہ کھولتے ہوئے بولا،

”میں جانتا ہوں تم نے دل سے برا نہیں چاہا، لیکن تم نے دماغ سے وہی غلطی کی... جو دل والوں کو توڑ دیتی ہے۔“

دروازہ بند ہوا... اور اناہ کی سسکیوں کی آواز اور بھی تیز ہو گئی۔ زیدان نیچے آیا تو شیلی کھانے کی ٹرے لیے عنایہ کے کمرے کی جانب جا رہی تھی۔ زیدان نے شیلی کو روک کر اُس سے ٹرے لی۔ اور عنایہ کے کمرے میں چلا گیا۔

اندر روشنی مدھم تھی۔ اناہ کھڑکی کے پاس بیٹھی، چپ چاپ آسمان کو تک رہی تھی۔ اُس کی پلکوں پر آنسو موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ زیدان سرد آہ بھرتے بولا! ”اب بھی نہیں کھایا؟ تمہیں اپنی جان کی پروا نہیں ہے، مگر مجھے ہے۔“

عنایہ نے آہستگی سے روندی آواز میں کہا،

”آپ کو میری پروا ہوتی... تو میرے احساسات کو یوں روندتے نہ... ”زیدان چند لمحے خاموش رہا، پھر اُس کے قریب جا بیٹھا۔ زیدان نے عنایہ کا ہاتھ تھاما اور اُس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ ”تم جانتی ہونا... میں زیدان ہوں... سب کچھ سہ سکتا ہوں... سوائے تمہارے آنسو کے۔“

عنایہ نے روتے ہوئے منہ دوسری طرف کر لیا۔ زیدان نے نرمی سے اُس کی ٹھوڈی سے پکڑ چہرہ اپنی طرف کیا۔ عنایہ نے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر بچوں کے جسے منہ پھولا کے بیٹھ گئی۔

اسے ایسے بچوں کے جسے ناراض ہوتے دیکھ زیدان شرارت سے بولا!

”چلو میری چھوٹی گڑیا... تمہارے لیے کھانا لایا ہوں۔ چکن بھی ہے، اور وہ تمہارا فیورٹ پاستا بھی... دیکھو تو سہی۔“

عنایہ کا دل کانپا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔



زیدان نے اس کے ہاتھ پر پیار سے بوسہ دیا۔ عنایہ نخرہ کرتی بولی۔ آپ تو میری  
ٹانگیں توڑو گے نہ۔

زیدان شرارت سے مسکرایا۔ زندگی ہو تم میری مجھے چھوڑ کر جانے کی بات کرو  
گی تو میں اتنی آسانی سے تمہیں جانے دوں گا۔ سوچنا بھی نہیں۔

عنایہ نے زیدان کو گھوری ڈالی۔ مجھے آپ سے نہیں کرنی بات جائیں آپ یہاں  
سے۔۔

زیدان ہلکے سے مسکرایا اور سر جھکے بولا۔ کیا دن آگئے اب زیدان خانزادہ پیروں  
میں بیٹھا منار ہا ہے اور بیوی ہے کہ گھانس ہی نہیں ڈال رہی۔

عنایہ نے غصے سے دیکھا۔ زیدان ڈرنے کی اچھی سی ایکٹنگ کرتا پیار سے اسے  
منانے لگا۔ اچھا سنو! عنایہ تھوڑی اور آگئے ہو کے بیٹھی زیدان نے بازو پکڑ پاس  
بٹھایا اچھا سنو تو! میں کیا کہار ہا تھا میری جان! میرا مکھن! سوئیٹ ہیرٹ!

میرے بچوں کی ہونے والی ماما!

اس کی اس بات پر عنایہ مسکرا اٹھی۔ زیدان نے اس کے مسکرا نے پر اس کی آنکھوں پر باری باری اپنے لب رکھے۔ عنایہ لڑ سے بولی آپ نے مجھے بہت ڈانٹا ہے زیدان اس کی بات پر اس کے گال کو کھینچتے کہتا ہے آپ نے بھی تو مجھے کتنا پریشان کیا ہے

ٹھیک ہے تو پھر حساب برابر۔ زیدان اس کی ادا پر مسکرائے بنانہ رہا سکا۔

چند لمحوں بعد عنایہ نے چپ چاپ نوالہ زیدان کے ہاتھ

سے لیا۔ اور زیدان کی آنکھوں میں ایک خاموش مسکراہٹ تھی... جیسے بادلوں میں روشنی کی کرن۔

کچھ دیر بعد جب عنایہ تھوڑا بہتر ہوئی، تو زیدان نے آہستہ سے کہا:

”کل مجھے العین جانا ہے... وہاں ایک ڈیل مکمل کرنی ہے۔ کل وہی دشمن دوبارہ

لڑکیوں کی اسمگلنگ شروع کر رہا ہے۔ تمہاری وجہ سے آج رک گیا... لیکن اب

مجھے وہ کام مکمل کرنا ہے۔“

انایہ نے چونک کر دیکھا،

”پھر سے جارہے ہیں؟“

زیدان خاموش رہا۔ عنایہ نے رخ پھیر لیا۔

”ٹھیک ہے... آپ کو میری ضرورت کب رہی...“ زیدان تیزی سے اس کے

قریب آیا،

”رکو... تم مجھے ایسے چھوڑ کر نہیں جاسکتی عنایہ!“

عنایہ کی آنکھیں پھر سے بھیگ گئیں۔

اور زیدان نے اُس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے بس ایک جملہ کہا: ”میں تم سے

دور نہیں جا رہا... میں تمہارے لیے جا رہا ہوں۔“

زیدان عنایہ کو دیکھنے لگا۔ وہ مکمل طور پر سہم چکی تھی، آنکھوں کے گرد حلقے،  
چہرے پر زخموں کے نشان اور سوجی ہوئی پلکیں اُس کے اندر کے ٹوٹنے کا اعلان  
کر رہی تھیں۔

”عنایہ“ ...

زیدان کی آواز میں وہی سختی نہیں تھی، جو کچھ دیر پہلے تھی۔ اب وہ تھکی ہوئی،  
بوجھل اور نرمی میں لپٹی آواز تھی۔

عنایہ نے دھیرے سے نظریں اٹھائیں، آنکھوں میں گہرے خوف کے سائے  
اب بھی موجود تھے۔

”کیا اب بھی ڈر لگتا ہے مجھ سے؟“

زیدان نے اس کا ہاتھ تھاما، نرمی سے، جیسے وہ خود اپنی کسی قیمتی چیز کو چھو رہا ہو۔

عنایہ نے سسکی لی، زیدان کے سینے میں منہ چھپا لیا اور دھیرے سے بولی:

”ڈرتی ہوں... لیکن اب خود سے بھی، کہ کہیں آپ کو پھر نہ کھودوں...”

زیدان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا ہو، اُس نے عنایہ کا ہاتھ اپنے دل پر رکھا۔

”یہ دل، تمہارا ہے... اور یہ خان کبھی دوبارہ تم پر نہیں غصہ کرے گا۔”

عنایہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، زیدان کی آنکھوں میں پہلی بار ندامت، بے بسی اور محبت ایک ساتھ نظر آئی۔ ”تم میری اس ویران دنیا کی واحد روشنی ہو، لیکن تمہارے آنسو اس دل پر بوجھ ہیں۔”

زیدان نے آہستہ سے اس کی پیشانی کو چوما۔

پھر وہ اٹھا، انٹر کوم اٹھا کر شیلی کو حکم دیا:

”عنایہ کے لیے کپڑے، دوا، اور کھانا فوراً لاؤ، اور کوئی ملازم آج سے اس کے پاس آنے کی ہمت نہ کرے جب تک وہ خود نہ چاہے۔”

عنایہ خاموشی سے زید ان کو دیکھتی رہی۔ اب وہ شخص جو کبھی اس کے لیے خطرہ تھا، اُس کے سامنے ایک محافظ بن کر کھڑا تھا۔ زید ان نے عنایہ کو دیکھا، جس کا چہرہ سو جا ہوا تھا، اور آنکھیں مسلسل بہتے آنسوؤں سے سرخ ہو چکی تھیں۔

”عنایہ“ ...

زید ان کی آواز مدھم اور تھکی تھکی سی تھی، جیسے اندر کہیں کچھ مرچکا ہو۔ عنایہ نے ایک لمحے کو پلکیں اٹھائیں، لیکن فوراً نظر چرائی۔

”مجھے کچھ نہیں سننا...“ وہ پھس پھسا کر بولی،

”میرا دل اب اور برداشت نہیں کر سکتا“ ...

زید ان نے اس کے ہاتھوں کو نرمی سے تھاما، جو تھوڑا سا پیچھے ہوئی، مگر وہ ضدی بچے کی طرح اس کے قریب ہوا۔

”مجھے معاف کر دو عنایہ، میں خود سے لڑ رہا ہوں... اور ہار رہا ہوں“ ...



عناہ کی آنکھوں سے دوبارہ آنسو نکلے، مگر اس بار اُن میں خوف کے ساتھ محبت بھی شامل تھی۔

”آپ کو میری تکلیف تب محسوس ہوئی، جب میں ٹوٹ چکی تھی“...

زیدان نے اس کی بات کاٹ دی۔

”میں تب بھی تڑپ رہا تھا، پر میں زیدان خان ہوں... اپنی تڑپ کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔ مگر تم میری بیوی ہو، میری عزت ہو، اور آج کے بعد تم پر ہاتھ اٹھانے کی سوچنے والا بھی سلامت نہیں بچے گا۔“

وہ چند لمحے خاموش رہی، پھر دھیرے سے بولی:

”تو کیا آپ میرے پاس واپس آئیں گے؟ بغیر غصے، بغیر زخم دیئے؟“

زیدان نے آہستہ سے اس کی پیشانی کو چوما:

”واپس نہیں، ہمیشہ کے لیے تمہارے پاس ہوں... اور اگر تم نے پھر سے جانے کی بات کی، تو واقعی تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔“

عناہ کا ہلکا سا قہقہہ زید ان کے دل پر مرہم بن گیا۔ وہ پہلی بار مسکرائی تھی۔ زید ان نے اسے بانہوں میں بھر لیا۔ کمرے میں خاموشی تھی... لیکن دلوں میں سکون اتر چکا تھا۔



صبح کی روشنی ہر سو بکھر رہی تھی۔ زید ان کے سینے لگی عناہ پور سکون سو رہی تھی۔ پرچہ کے زخموں کے آثار اب بھی نمایاں تھے۔ اُس کے گال پر نیل

واضح تھا، آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور ہونٹ لرز رہے تھے۔ زیدان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر کچل دیا ہو

”عنایہ...“ اُس کی آواز نرم تھی، پر اندر گہرائی میں ہلکی سی کپکپاہٹ چھپی تھی۔

عنایہ نے نظریں نہیں اٹھائیں، بس چادر میں اور چھپ گئی۔

زیدان نے آہستہ سے اُس کے قریب ہو کر اُس کی چادر کھینچ کر اُس کا چہرہ

دیکھا۔ ”مجھے آپ سے ڈر نہیں لگنا چاہیے تھا...“ عنایہ کی کپکپاتی آواز زیدان کی

روح تک اتر گئی۔ ”لیکن لگتا ہے... زیدان خان، جو سب کے لیے ہیرو ہے، اپنی

بیوی کے لیے خوف بن گیا۔“

زیدان کا ہاتھ ایک لمحے کو ہوا میں معلق رہا، پھر اُس نے بہت آہستگی سے عنایہ

کے چہرے پر ہاتھ رکھا۔

”میں تمہارا مجرم ہوں، عنایہ...“ اُس کی آواز جیسے مٹی میں گم ہو رہی تھی۔

”لیکن میں وعدہ کرتا ہوں... اس ہاتھ سے آج کے بعد تمہیں کبھی آنسو بھی نہ

پونچھنے دوں گا، دکھ دینا تو دور کی بات ہے۔“

عنایہ نے آنکھیں اٹھائیں، اُس میں درد تھا، لیکن کہیں نہ کہیں ایک سوال بھی...

”کیا میری سادگی، میری بے خبری... میرے لیے سزا بن گئی ہے؟“

زیدان نے سر جھکا لیا، پھر بہت ہلکے لہجے میں بولا:

”نہیں... تمہاری سادگی میری آخری اُمید ہے، جسے میں نے خود اپنے ہاتھوں

سے توڑ دیا... لیکن میں اُسے جوڑوں گا، عنایہ... تمہیں جوڑوں گا، اپنے ساتھ، اپنی

محبت کے ساتھ... اگر تم ایک موقع دو گی تو۔“

کمرے میں کچھ لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر عنایہ نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔

زیدان کی آنکھوں میں نمی اتر آئی، مگر لبوں پر پہلی بار ایک سکون سا اُترا۔

سفید سنگ مرمر سے تراشے پیلس کی چھت پر دھوپ کی نرم شعاعیں پھیل رہی تھیں، چھت پر بنے بے حد خوبصورت لکڑی کے بنے ہٹ میں عنایہ ہاتھ میں چائے کا کپ لیے خاموشی سے بیٹھ کر آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ اچانک پیچھے سے زیدان کی آہٹ سنائی دی۔

”اتنی خاموش کیوں ہو؟“

زیدان کی نرم سی آواز اس کے کانوں میں پڑی تو دل بے اختیار دھڑک اٹھا۔ عنایہ نے بنا پیچھے دیکھے کہا،

”بس ویسے ہی... خاموشیاں بھی کبھی کبھی دل کا شور ہوتی ہیں۔“

زیدان چند لمحے خاموش رہا، پھر آہستہ سے بولا،

”شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔“

پھر وہ اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ دونوں کے درمیان خاموشی کا وقفہ تھا، مگر وہ خاموشی بھی ان دونوں کے درمیان ایک خاص بات کر رہی تھی۔

زیدان نے اپنے ہاتھ عنایہ کے ہاتھ پر رکھے... اور عنایہ نے پلکیں جھکا کر تھوڑا سا مسکرا دیا۔ وہ لمحہ نرم تھا... جیسے طوفان کے بعد پہلی بار ہلکی بارش برسی ہو۔

اگلی صبح، زیدان نے اپنے تینوں قریبی ساتھیوں — عاصم، عمار اور اسامہ — کو ساتھ لیا۔ سب کی نظریں الارم سیریس تھیں۔ آج کا مشن عام نہیں تھا۔

شہر — العین میں زفر کی پناہ میں موجود لڑکیوں کی اسمگلنگ کا ایک بڑا نیٹ ورک توڑنا تھا۔

زیدان نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا،

”کسی بے گناہ کو نقصان نہیں پہنچنا چاہیے... مگر جو درندہ ہے، اسے زندہ واپس نہ

لانا۔“



پورا سفر اپنی پلاننگ اور پوزیشنز کی ڈیٹیل بریفنگ کرتے گزر گیا۔ شمیپنٹ کے ٹائم کے مطابق انھیں حملارات کے اندھیرے میں کرنا تھا۔ اس لیے رات ڈھالنے تک انہیں وہاں پونچھنا تھا۔ زیدان پورے سفر میں اپنے سیل سکرین پر پیس کی مانیٹرنگ کرتا رہا۔

جو کچھ کل ہو چکا تھا وہ رسک وہ دوبارہ ہر قذ نہیں لے سکتا تھا۔ اس لیے زیدان نے پیس کی تمام سی سی ٹی وی کی ایکسیس اپنے سیل فون میں بھی کنیکٹ کر لی تھی۔ جس سے وہ ہر لمحے عنایہ کی خبر رکھ سکتا تھا۔

اس وقت بھی زیدان کی سکرین پر اپنے اور عنایہ کے کمرے کی سکرین فوٹیج چال رہی تھی۔ زیدان کا مکمل دھیان عنایہ پر تھا جو بیڈ پر لیٹی اپنی ڈائری میں کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔ ساتھ ساتھ جو شکلیں وہ بگھار بگھار کر بنا رہی تھی ان سے زیدان لطف اندوز ہو رہا تھا

رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ زیدان کی ٹیم نے خاموشی سے گھیراؤ کیا۔ شہر —  
العين کے شہریت پورٹ 17 A کو زیدان کی ٹیم نے مکمل اپنے کنٹرول میں  
کیا ہوا تھا۔

اسامہ نے پورٹ کے سارے سی سی ٹی وی کیمرے ہیک کر لئے تھے جن کے  
ذریعہ وہ پورٹ پر باآسانی نظر رکھے ہوئے تھا۔ عمار اور عاصم فرنٹ فیلڈ پر  
کنٹرول سمجھال چکے تھے۔ باقی کی تمام فورس نے پورٹ کاہر کونا اپنے کنٹرول  
میں لے لیا تھا۔

اب انتظار تھا تو اس شپ کا جس میں وہ تمام لڑکیوں کو لایا جانا تھا۔ زیدان اب  
بھی عنایہ کو دیکھ رہا تھا۔ جو کچن میں کھڑی نہ جانے کیا بنانے میں الجھی ہوئی تھی۔  
یہ دیکھ اسامہ کی زبان پر خارش ہوئی اور وہ عادت سے مجبور اپنی زبان کے جوہر  
دکھائے بنانہ رہ سکا۔

“یہ سہی ہے خود تو شادی کر لی ہے خوب مزے بھی لیئے جارہے ہیں اور ایک بیچارے ہم ہیں خیالی بچی بھی نہیں پٹا سکے۔

دوسری طرف زیدان سمیت سب کے کانوں میں لگی بلوٹو تھ میں اسامہ کی زبان کے جوہر سنائی دیئے۔ جس پر عمار نے کھانستے اسامہ کو ہوش دلایا کہ زیدان سب سن چکا ہے۔

اُسامہ کو جسے ہی ہوش آئی تو اپنی زبان کو کو سنے لگا۔ دوسری طرف اسامہ کے بلیو ٹھروت میں زیدان کی آواز گونجی۔ اس زبان کو کو سنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ یہاں سے فارغ ہو لو پھر میرے پاس انا اس کا بہترین علاج کر کے دوں گا۔ اسامہ نے دل ہی دل میں خود کو خوب کو سا۔ تو زیدان کی جانب سے پھر سے (کو س بعد میں لینا بھی کام پر دہان دو) جواب پا کر اُسامہ کے اوسان خطا ہو گئے۔ اسے اثنائیں شپ جس کا انتظار تھا وہ پورٹ کی طرف آتی دکھائی دی۔ اُسامہ نے بریفنگ دیتے سب کو الرٹ کیا۔ شپ کو اب پورٹ کے پل کے پاس لا کھڑا

کیا گیا۔ یہ ہی وقت تھا ان کا سہی نشانہ لینے کا۔ زیدان کے آرڈر دیتے ہی فرونٹ پوزیشن سنبھالے گا رڈز نے نشانہ لیا اور پورٹ ڈرائیور اور دو لوگوں کو مار گرایا۔

اب زیدان کی سربراہی میں عمار عاصم اور باقی ساتھی پورٹ کی جانب چل پڑے۔ اسامہ نے شپ کے بھی کیمرے ہیک کر لئے تھے اب وہ انہیں شپ میں موجود پرسنز کی ڈیٹیل ساتھ ساتھ دینے والا تھا۔

اسی لمحے شپ کے آخری حصے کا جب کیمرہ ہیک ہوا تو وہاں موجود لڑکیوں کی تعداد دیکھ اسامہ کے ہوش اٹھ چکے تھے اسامہ لڑکیوں کو کہاں رکھا گیا ہے “خان شپ کا لڑکیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اُن گناات لڑکیوں کو وہاں پر رکھا ہوا ہے۔

یہ سب سنتے ہی زیدان کی رگوں میں شرارے پھوٹنے لگے۔ ایک بھی معصوم کو نقصان نہیں ہونا چاہئے۔ چیتھڑے اٹھا ڈالو سب کے۔ زیدان شپ کے اندرونی دروازے پر موجود تھا

خان اندر انٹر ہوتے ہی پانچ حبشی سامنے ہوں گئے

تمھاری لفٹ ہینڈ پھر شپ کے آخری حصے میں جانے کا راستہ ہے۔ زیدان عمار اور عاصم شپ کا دروازہ کھول اندر دھاوا بولا، فائرنگ شروع ہو گئی۔ مگر زیدان اور اس کے شیر دل ساتھیوں نے دشمنوں کو اپنی بہترین فائٹ سکمز سے منٹوں میں جہنم واصل کر ڈالا۔

اُسامہ کی انسٹرکشن کے ملتے ہی رائٹ ہینڈ روم میں موجود اس شپ کا سودا کرنے والے کی طرف چلا گیا

زیدان نے باقی کے کمرے کھلوانے شروع کیے۔ ہر دروازے کے پیچھے چھپی چیخیں، سہمے چہرے، اور آنکھوں میں جمے خوف کی ایک الگ کہانی سناتے تھے۔ مگر زیدان کی موجودگی ان سب لڑکیوں کے لیے امید کی کرن تھی۔

”اب تم سب محفوظ ہو... کوئی تمہیں ہاتھ نہیں لگا سکتا۔“



زیدان نے نرمی سے کہا اور اپنی ٹیم کو ہدایت دی کہ تمام لڑکیوں کو باحفاظت باہر لے جائیں۔

وہیں عاصم اور عمار شپ کے آخری حصے جہاں لڑکیوں کو رکھا تھا وہاں کا رخ کیا پلر سے چھپتے عاصم نے دروازے پر کھڑے دونوں گارڈز کے سر کا باری باری نشانہ لیا اور وہ وہیں دھر ہو گئے۔

عمار نے فرنٹ پوزیشن سنبھالتے کمرے کا دروازہ توڑا تو اندر خوفزدہ لڑکیاں تھیں۔ جن کو دیکھ عمار اور عاصم کا صبر جواب دے گیا۔

شپ کا ہال اٹھارہ سال سے لے کر تئیس سال تک کی عمر کی لڑکیوں سے بھرا پڑا تھا۔ جن کی حالت دیکھ عاصم اور عمار نے نظریوں کا رخ پلٹ لیا۔ وہ سب پہلے ہی بہت خوفزدہ تھیں عاصم اور عمار نے سب کو تسلی دی کہ وہ ان سب کو یہاں سے سفیلی نکال لیں گے



آپنے آدمیوں کو ہر قدم پر پوزیشن دیتے عمار اور عاصم نے لڑکیوں کو شپ سے نکلنا شروع کیا۔ اس ہال کے بچوں بیچ ایک لڑکی کافی بری حالت میں زخمی ہوئی زمین پر بیٹھی تھی راستہ بناتے عمار جسے ہی اُس تک پہنچا پر وہ ایک چہرہ دیکھتے ہی عمار کی آنکھوں میں صدمہ ٹھہر گیا۔

”ایشال...؟“

وہ ہلکی سی چیخ اس کے لبوں سے نکلی۔ سامنے کھڑی وہی لڑکی... بچپن کی محبت... جن آنکھوں میں کبھی رنگین خواب ہوتے تھے، آج وہ خوف سے بھرپور تھیں۔

عمار کو وہیں سٹل دیکھ اُسامہ نے اسے ہوش دلایا

عمار کیا کر رہا جلدی نکالو انہیں ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔

ایشال بھی لرزرتے ہوئے نظریں جھکا گئی،

”عمار... تم...؟“

پھر روتے ہوئے اس کے سینے سے لگ گئی۔ اس کا اس حالت میں اس جگہ ہونا عمار کی بنیادوں کو ہلا گیا تھا۔ عاصم ایشال کو نکلنے آگے ہوا تو عمار نے روک دیا تم باقی سب کو نکالو اسے میں لاتا ہوں۔

ایشال کچھ کہنے کے لئے لب ہلتی اُس سے پہلے ہی عمار نے اُس روک کر اپنی گود میں اٹھالیا۔ ایشال کا پاؤں بری طرح زخمی تھا جس کی وجہ سے وہ چل نہیں سکتی تھی۔

زیدان دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر شپ پر موجود باقی سب گناہ گاروں کو موت کی نیند سولہ کر عمار اور عاصم کی جانب آیا۔ عمار کو اس طرح کسی لڑکی کو گود میں اٹھے دیکھ جانجی نظروں سے عمار کو دیکھا جس کی آنکھوں میں شاید سب لوٹ جانے کا خوف واضح تھا۔

زیدان نے سب بچی ہوئی لڑکیوں کو اپنے ساتھ واپس شپ سے باہر نکال لایا۔  
 عمار نے شپ سے باہر آتے ایشال کو اپنی گاڑی میں لے جا کر بیٹھا دیا۔ عاصم کچھ  
 پوچھنا چاہتا تھا پر زیدان نے اشارے سے اسے چپ رہنے کے لئے کہا۔  
 سبھی لڑکیوں نے اپنی عزت اور زندگی بچ جانے پر شکر کیا اور اب ان سب کو  
 زیدان کے بنائے انجیو میں بھیجنے کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ عمار ایشال کو دیکھتے سن  
 ہو چکا تھا۔ اُس کے کپڑے بری طرح سے پھٹے ہوئے تھے۔ ایشال کو اپنی  
 نظریں جھکے دیکھ عمار نے اپنا کوٹ اتار کر ایشال کو پہنایا۔ زیدان نے عمار کو  
 اشارے سے ایشال کو ساتھ لیے شہر — العین کے کمپاؤنڈ میں لانے کے لیے  
 بولے۔

زیدان نے پہلے ہی لیڈی ڈاکٹر کو بولہ لیا تھا۔ جواب ایشال کا ٹریٹمنٹ کر رہی  
 تھی۔ عمار بے بسی کی تصویر بنا کر سی پر بیٹھا تھا۔ اُسامہ یا عاصم میں ہمت نہ ہو سکی  
 اس سے کچھ بھی پوچھنے کی۔

اسے ایسے بیٹھے دیکھ زید ان اُس کے پاس جا بیٹھا۔ اپنے پاس زید ان کو دیکھ خود سے کنٹرول کھوتا وہ اُس کے گلے لگ ہے آواز رونے لگا۔ ٹوٹی بکھری آواز میں اپنے دکھ بتانے کی کوشش کرنے لگا تو زید ان نے اسے کچھ بھی غلط سوچنے سے روک دیا۔

تم ایک مضبوط انسان ہو وقت سے پہلے ادھوری کہانی پر فیصلہ نہیں کر سکتے۔  
عمار نے بولنے کی کوشش کی خان وہ ایشال۔۔۔ چپ کچھ نہیں ہوا اسے میں پہچان چکا ہوں کہ وہ ایشال ہے۔

ایشال کے نام پر عاصم اور اسامہ کے کان کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ ایشال وہی لڑکی تھی جس کو پانے کے لیے وہ ایک بہتر زندگی دینے کے لیے اپنا سب کچھ چھوڑ کر دو بیو کمانے چلا آیا تھا۔

اور انج اسے اس حالت میں دیکھ عمار کی روح تک زخمی ہو چکی تھی

ڈاکٹر ایشال کوچیک کر کے باہر آچکی تھی۔ ڈاکٹر کو باہر آتا دیکھ عمار ڈاکٹر کی جانب بھاگا۔ ڈاکٹر ایشال۔۔ لفظ تھے کہ ساتھ دینے سے انکاری تھے۔

اس کی حالت دیکھ زیدان نے آگئے ہوتے ڈاکٹر سے ایشال کی کنڈیشن کا پوچھا۔ دیکھیں وہ ٹھیک ہیں۔ زخم گہرے ہیں شاید کیسی سخت چیز سے مارا گیا ہے۔ میں نے انہیں انجوشن لگا دیا ہے یہ کچھ میڈیسن ہیں کل آپ انہیں پروپر چیکپ کے لئے ہاسپٹل لے آئے گا۔

عمار نے کچھ پوچھنا چاہا۔ اس کی جنجنتی نظروں کو دیکھتے عمار کو بتایا وہ محفوظ ہیں۔ ڈاکٹر کے الفاظ کسی ٹھنڈی بارش کی کے جسے ٹھنڈ دل میں ڈال گئے۔

یہ پشتوا کے وہ دنیا کی عورتوں کو محفوظ کرتا رہا۔ جس کی حفاظت کرنی تھی۔ اسے کچھ ہو جاتا وہ خود کو کبھی معاف نہ کر پاتا۔

زیدان نے ڈاکٹر سے ایشال سے ملنے کی اجازت چاہی۔



جی بلکل اُن سے مل سکتے ہیں زیدان نے عمار کے کندھے پر ہاتھ رکھا سے اندر  
جانے کا اشارہ کیا

عمار مردہ قدموں سے کمرے کی جانب چل پڑا۔  
زیدان کے فون کی سکریں زیدان کے دل میں بسے نام سے جگمگا رہی تھی۔ اُس  
کے دل کی ملکہ۔۔ اس کی عنایہ۔۔

زیدان ٹارس پر آیا اور عنایہ کی کال پک کی۔ چھوٹے ہی عنایہ چیخا اٹھی۔ فون  
کیوں بند تھا آپ کا۔ اس کی خود کے لیے فکر دیکھ زیدان کے لبوں پر مسکراہٹ  
چھا گئی۔

وہ میں کام کر رہا تھا۔ تو بس اس لیے بند کر دیا۔ کام مجھ سے زیادہ اہم ہے۔ ایسے  
کیوں سوچ رہی آپ۔۔ کیوں کہ آپ نے ایسے کیا

پھر کچھ پال خاموشی چھا گئی۔ عنایہ ابھی دل میں پوچھنے کے لئے سوچ میں ہی  
تھی کہ زیدان مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ صبح کے سورج سے پہلے آپ کے پاس



ہوں گا۔ آپ میرا انتظار کریں گی۔ عنایہ نے زبان سے کچھ نہ بولا ہاں میں صرف سر ہلا دیا۔ سر مت ہلاؤ منہ سے بولو۔ اور عنایہ جلدی سے فون بند کر گئی۔  
زیدان فون کو دیکھتے مسکراتا چلا گیا۔



زیدان نے ڈاکٹر سے ایشال سے ملنے کی اجازت چاہی۔  
جی بلکل اُن سے مل سکتے ہیں زیدان نے عمار کے کندھے پر ہاتھ رکھا اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔

عمار مردہ قدموں سے کمرے کی جانب چل پڑا۔ کمرے میں جاتے عمار کے دل میں بہت سے سوال تھے وہ کیسے اس کا سامنا کر سکے گا۔ وہ خود میں اُس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں پارہا تھا۔ خود کو کمپوز کرتا وہ کمرے میں داخل ہوا۔

ایشال دوائیوں کے زیر اثر سو رہی تھی۔ عمار مردہ قدموں سے کمرے کی جانب بڑھا۔ دل میں ایک طوفان تھا۔ کئی سوال، کئی دوسو سے، کئی خوف... کیا وہ اُس کا سامنا کر پائے گا؟ کیا ایشال اُسے معاف کرے گی؟

خود کو سنبھالتا، گہرا سانس لیتا وہ کمرے میں داخل ہوا کمرے میں نیم تاریکی تھی۔ ایشال دواؤں کے زیر اثر سو رہی تھی۔ اُس کا چہرہ زرد، بازو پر پٹیاں، جسم پر نیلیوں کے نشان... عمار کا دل لرز گیا۔ وہ دھیرے سے اُس کے پاس بیٹھ گیا۔

عمار نے ایشال کا ہاتھ تھاما، لبوں سے لگا کر آنکھیں موند لیں۔ آنسو ضبط سے باہر نکل چکے تھے۔ عمار نے جھکتے ایشال کے بالوں میں ہاتھ پھرتے اُن پر محبت پاش

لبوں سے بوسا دیا۔ عمار کے آنسو اس کے رخسار سے ہوتے ایشال کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔

”میں وعدہ کرتا ہوں، ایشال... ”اُس نے مدھم آواز میں کہا، ”اب تمہیں خود سے کبھی دور نہیں ہونے دوں گا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے... چاہے تم میرا کام نہ اپناؤ... میں تمہیں اپنانے سے باز نہیں آؤں گا۔“

عمار نے اُس کے بالوں میں مسلسل ہاتھ پھیرا تا اور ایک ہلکا سا بوسہ دیتا۔ اُس کے آنسو ایشال کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔ تکلیف تھی کہ کم ہی نہیں ہو پار ہی تھی۔ اسی لمحے ایشال کی پلکیں تھوڑی سی لرزیں۔ عمار فوراً چونکا۔

”ایشال؟“

ایشال نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔ اُس کی آنکھوں میں حیرت، کمزوری، اور ایک ہلکی سی خوشی تھی۔

”عمار... ”اُس کی آواز جیسے گلے میں پھنس گئی ہو۔ عمار نے اُس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

”میں یہاں ہوں، ایشال... تمہارے پاس... کوئی کچھ بھی نہیں کرے گا تمہیں اور اب کہیں نہیں جاؤں گا۔ ”ایشال کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

”تم۔۔۔ تم۔۔۔ سچ میں ہونہ...؟ ”اُس کی آواز بھرا گئی۔

عمار نے اسے اپنے سینے میں بیچ لیا۔ ہاں میں ہی ہوں میں ہوں تمہارا عمی تمہارے سامنے۔۔۔

ایشال تحفظ کا احساس پاتے عمار کے سینے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

عمار نے اسے رونے دیا۔ دل کا غبار ہلکا کرنے دیا۔ جب دل ہلکا ہوا تو عمار سے الگ ہوتے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھنا چاہا۔

عمار نے آنکھ کے اشارے سے اسے تسلی دی کہ وہ اب محفوظ ہے ایشال نے لرزتے لبوں سے پوچھا، ”تمہیں پتا بھی ہے میرے ساتھ کیا ہوا؟“

عمار نے آہستہ سے کہا، ”نہیں میں نہیں جانتا تمہارے ساتھ کیا ہوا تم یہاں تک کیسے آئی۔ اور نہ ہی میں تم سے پوچھوں گا۔ میرے لیے یہ کافی ہے کہ اسی نے تمہیں مجھ تک پہنچا دیا ہے۔“

ایشال کی آنکھوں سے پھر سے گرم سیال بہانے لگا۔ پر مجھے تمہے بتانا ہے۔ ایشال نے بمشکل خود کو سنبھالا اور ساری کہانی بتانے لگی، کیسے نوکری کی آفر کر کے دھوکے سے اغواء کیا گیا، کیسے اُس پر زبردستی غلط کاموں میں شامل کرنے کی کوشش کی گئی، اور اس کے انکار کرنے پر اسے راضی کرنے کے لیے مارا گیا۔ عمار کے چہرے پر ایک سایہ سا چھا گیا۔ اُس نے خاموشی سے ایشال کے آنسو صاف کیے۔ ”اب کسی کا سایہ بھی تم پر نہیں پڑے گا، ایشال۔ مجھے ایک موقع دو۔ میں تمہیں وہ عزت، وہ پیار، وہ تحفظ دوں گا جس کی تم حقدار ہو۔“

ایشال نے لرزتے ہاتھوں سے عمار کا ہاتھ تھاما اور اُس کے سینے سے لگ گئی۔ ”عمار، مجھے لگا میں تمہے دوبارہ کبھی نہیں دیکھ سکوں گی۔“

”تم میری زندگی کا واحد اثاثہ ہو، ایشال... اب سے ہم ایک نئی شروعات کریں گے۔ جہاں صرف تم میں اور ہماری خوشیاں ہوں گی“ اور اسی تحفظ میں ایشال عمار کی مضبوط باہوں میں پر سکون سو گئی۔

اگلی صبح، سورج کی پھلتی روشنی کے ساتھ زیدان، عمار، عاصم، اسامہ اور ایشال پیلیس کی طرف روانہ ہو گئے۔ گاڑی میں سب خاموش تھے۔ زیدان کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا، اُس کے چہرے پر کچھ سوچیں صاف ظاہر تھیں۔

”عناویہ... میں وعدہ تو کر بیٹھا تھا کہ صبح ہونے سے پہلے تمہارے پاس ہوں گا... پر واپس نہ آ سکا۔ اب تم ناراض ہو گئی ہو، اور میں چاہتا ہوں تمہیں مناؤں... پر کیسے؟“

اسی لمحے عمار نے زیدان کی طرف شرارت سے دیکھا، ”لگتا ہے تمہارے برے دن شروع ہو گئے ہیں، زیدان بھائی... اب تو منانا پڑے گا!“ زیدان نے آنکھیں چھوٹی کیں، ”تم اپنے کام سے کام رکھو، عاشق نمبر ٹو!“



”واپسی یاد آگئی، زیدی؟“

زید ان کچھ بولنے ہی والا تھا کہ عمار نے آہستہ سے کہا، ”بھاگ جا بھائی، آج تو چھٹی کی امید نہ رکھ!“ جس پر زید ان نے اسے گھوری سے نوازا۔

اسی لمحے ایشال جو گاڑی سے اُتری ہی تھی تبھی ایشال اور عنایہ کی نظریں آپس میں ٹکرائیں۔

”ایستال؟“ ”\_\_\_\_“ ”عنایہ؟“

اگلے لمحے دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔ ”میری پاگل دوست!“  
دونوں کی آنکھیں بھر آئیں۔ ”تجھے یہاں دیکھ کر یقین نہیں آرہا، اور یہ سب  
زخم کس نے کیا ہے یہ!“

سب حیران کھڑے تھے۔ زیدان، عمار، عاصم، اسامہ سب ایک دوسرے کو  
دیکھنے لگے۔ ”یہ دونوں... دوست ہیں؟“ اسامہ نے منہ کھول کر کہا۔ اس سے  
پہلے عنایہ مزید کچھ پوچھتی زیدان نے آگے بات بدلی۔ سب کچھ یہاں کھراہی  
پوچھو گی۔

زیدان کی بات پر عنایہ نے آپ سر پر ایک چت لگائی۔ سوری چلو چلو اندر چالیں  
۔ بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔ خود کا ایسے اگنور ہونا زیدان کو اور جالا گیا۔ جس پر  
جُلتی پر تیل کا کام عاصم کی زبان نے ادا کیا۔

عمار نے آگے ہوتے زید ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ایک دوسرے کو دیکھتے  
 قہقہہ لگاتے سب اندر کی جانب چل پڑے۔ اج پیلس کی فضا الگ ہی رنگ میں  
 تھی۔ وچاروں باہر بیٹھے اُن دونوں کی کہانیاں سنتے صدے میں تھے۔

وہ چاروں بھی اپنی باتوں میں مگن ہو گے۔ ایک خوشگوار فضاء ہر سو بکھر رہی تھی  
 ۔ جن دیواروں نے کبھی خوشیوں کی خوشبو مخصوص نہ کی ان وہاں ہر طرف  
 خوشیوں کی جھنکار سنائی دے رہی تھی۔

شام کھانے کی ٹیبل پر خوب شور گل کیا گیا۔ زید ان کو اپنی زندگی میں یہ بدلا  
 انداز سکون کی گہرائیوں میں اتار رہا تھا۔ وہ عنایہ کو یہ ہی خوشیاں تو دینا چاہتا تھا۔  
 ڈنر کے بعد اُسامہ عاصم اور عمار نے ایشال کو ساتھ لیئے جانے کی اجازت چاہی۔  
 جس پر عنایہ نے ایشال کا ہاتھ تھام کر زید ان سے کہا، ”اب یہ ہماری مہمان  
 نہیں، میری دوست ہے۔ اور میں چاہتی ہوں کہ ہم سب ایک ساتھ ایک ہی  
 جگہ پر رہیں۔“

زیدان نے لمحہ بھر سوچا، پھر ہلکا سا مسکرایا۔ عنایہ کی خوشی سے بھر کر کچھ نہیں تھا اُس کے لیے۔ اس لیے زیدان نے مسکراتے ہوئے کہا! ایک شرط پر۔۔۔  
 عنایہ کنفیوز سی کسی بشرط۔۔۔ پہلے کہیں آپ کو شرط قبول ہے۔ ایسے کسے۔۔۔  
 ٹھیک ہے پھر ان میں سے کوئی بھی یہاں نہیں روک سکتا۔ عنایہ جلدی سے  
 ایک ہی سانس میں تین بار منظور ہے بول ڈالا۔

”ٹھیک ہے، اب رہ سکتے یہ سب یہاں۔۔۔ عنایہ کو اتنی خوشی تھی کہ شرط کیا ہے  
 یہ پوچھنا تو وہ بھول ہی گئی۔ عنایہ ایشال کا ہاتھ تھام اپنے کمرے کی جانب چل پڑی  
 اور ایک بار پھر کبھی نہ ختم ہونے والی باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

عمار اور زیدان کی حالت انہیں جاتے دیکھ عاصم اور اُسامہ کو ان پر ترس آنے لگا  
 ۔ انہیں اپنی حالت پر استاد یکھ زیدان اور عمار نے انہیں گردن سے دبوچ لیا۔

رات کی تاریکی دبئی کے آسمان پر گہری سیاہی کی چادر تان چکی تھی، مگر زیدان خانزادہ کے محل میں اس وقت روشنیوں کی کمی نہیں تھی، صرف سکون کا جنازہ نکلا ہوا تھا۔

رات کے اس وقت پیلس میں بنے اپنے آفس کمرے میں مسیجر چیر پر بیٹھے زیدان کی آنکھیں اس بڑی اسکرین پر ٹکی ہوئی تھیں جہاں عنایہ کی ہنستی ہوئی تصویر کسی سی سی ٹی وی فوٹیج کا حصہ تھی۔ وہ ایشال کے ساتھ کھلکھلا رہی تھی، جیسے اس کی دنیا میں کوئی غم نہ ہو۔

پہلی دفعہ زیدان خانزادہ کو ایک جلن کا احساس محسوس ہوا۔ وہ اس کیفیت سے انجان بننے کی کوشش کر رہا تھا۔ حیرت اس بات کی تھی کہ وہ ایک لڑکی سے جلن محسوس کر رہا ہے پر یہ احساس کہ وہ اُس کی ہے پھر کوئی اور اس پر حق کیوں رکھے۔



یکدم زیدان سیدھا ہوتے چلا اٹھا، ”وہ میری بیوی ہے... میری!“ ”زیدان کے لبوں سے نکلا ہوا ہر لفظ اس کے اندر کے طوفان کی شدت ظاہر کر رہا تھا۔ وہ کیوں اس حد تک جنونی ہو رہا تھا خود بھی نہیں سمجھ پارہا تھا۔

ٹیبل پر پڑا شیشے کا گلاس اس کے مکے کی ضرب سے چکنا چور ہو گیا۔ خون کا ایک قطرہ اس کی انگلی سے بہا، مگر زیدان نے پرواہ نہ کی۔ وہ درد سے نہیں، صرف اسے کھونے کے تصور سے ڈر رہا تھا۔

جب صبر جنون پر حاوی ہوا تو زیدان نے عمار کو میسج کر کے ایشال کا علاج نکالا۔ (گلے پانچ منٹ میں ایشال عنایہ سے دُور نہ ہوئی تو میں تیری بھی شادی نہیں ہونے دوں گا۔)

عمار میسج موصول ہونے پر دونوں ہاتھوں میں سر گرا کر بیٹھ گیا۔ یہ ایک ہزاروں میں میری دوست والا جذبہ تھوڑا کم کرنا پڑے گا۔



تبھی عمار کے دماغ کی کھڑی کھولی فوراً سے کال کرا ایشال کو بالکونی میں آنے کو کہا  
 “جلدی سے بالکونی پر او میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں” میسج پڑھتے ہی ایشال کے  
 چہرے پر دل فریب مسکراہٹ چھا گئی۔

اسے کے فون سکرین دیکھتے مسکرا نے پر عنایہ پوچھے بنانا رہا سکی۔ ایسا بھی کیا پڑھ  
 لیا۔ ارے کچھ نہیں عمار بولا رہا ہے۔ وو۔۔ تو یہ بات ہے۔ اسے شرماتا دیکھ عنایہ  
 نے چوٹکی کاٹے عمار کے پاس جانے کو کہا۔

اور پھر ایشال شرماتی آٹھ کر عنایہ کو پیچھے چھوڑ اپنے کمرے کی بالکونی کی طرف  
 چلی گئی۔ اسی پیلس میں موجود وہ خوب رو شخص سکرین پر عنایہ کے پاس اپنا راستہ  
 صاف دیکھ زید ان بنا وقت مزید ضائع کیے اپنے کمرے کی جانب چل پڑا۔

ایشال بالکونی میں کھڑی تھی، دبئی کی روشنیوں میں کھوئی ہوئی۔ عمار چپ چاپ  
 اس کے پاس آیا، ہاتھ میں ایک چھوٹا باکس تھا۔

“یہ کیا ہے؟” ایشال نے مسکرا کر پوچھا۔

”تمہاری پہلی ہنسی... جو میرے دل پر گہرا اثر چھوڑ گئی تھی۔“

ایشال نے باکس کھولا، اندر بچپن کی تصویر اور ایک پرانی چوٹی تھی۔ ایشال کی۔

”یہ تمہارے پاس ابھی بھی ہے؟“

”نہیں، میں نے سنبھالا تھا... کیونکہ تم میرا حال ہو، لیکن تمہاری یاد میرا ماضی ہے۔“

تمہاری یادوں کا واحد تحفہ۔۔ میں کسے بھول سکتا ہوں کہ ایک پاگل لڑکی تھی۔ جس نے میرے بال جل جانے کے دکھ میں میرا ساتھ دینے کے لیے اپنی ہی چوٹی کاٹ دی تھی۔

ایشال مسکرا دی۔ آنکھوں میں نمی اُتارائی جسے عمار نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے چن لیا۔ عمار کا لمس ایشال کے بدن میں سپارک پیدا کر گیا۔ اس کی کیفیت

محسوس کر عمار تھوڑا اور قریب ہوا اشیاں کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیلے میں بھرا۔  
بس کچھ وقت کا انتظار کر لو پھر ہمیشہ کے لیے تمہیں اپنا بنالوں گا۔

دوبئی کے ایک مشہور سٹریٹر ریسٹورینٹ کی ٹیبل پر بیٹھے تھے، عاصم اور اسامہ  
بورہورہے تھے۔ جب سے پیلس واپس آئے تھے ہر طرف بس لوور برڈز ہی نظر  
آ رہے تھے۔ انہیں سوچوں میں عاصم بول اٹھا، ”یار، ہمیں بھی کوئی سنسنی  
چاہیے۔ عشق و شوق تو نصیب نہیں... کچھ مار دھاڑ ہی ہو جائے“!

اسامہ نے گردن گھمائی، اچانک ایک سیاہ وین گزری اور پیچھے سے دو لڑکیوں کی  
چنجیں سنائی دیں۔ ”بھائی! موقع ہے... کائنات نے پکارا ہے، چل!“ عاصم نے  
آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر شرارتی انداز میں کہنے لگا واہ السلا جی اتنی جلدی سن لی۔  
دونوں نے فوراً بائیک اسٹارٹ کی، وین کا پیچھا کیا۔

سیاہ وین ایک سنسان گودام کے آگے جا روکی۔ دو لوگ اُس میں سے نکل کر۔  
دو لڑکیوں کو زبردستی لے جا رہے تھے۔ ”چھوڑو ہمیں، تم جانتے نہیں ہم کون  
ہیں!“

مناحل کی آواز میں غرور تھا۔ حور یہ چیخنی: ”بھائی کو فون لگاؤ، وہ تمہاری ہڈیاں  
توڑ دے گا! دو بئی کی سڑکوں پر کتے کے جسے بھاگتے پھیرو گے ”وہ لوگ ان کو  
روسیوں سے باندھ رہے تھے۔ غنڈے ہنسنے لگے۔ اور اچانک دروازہ دھڑام  
سے کھلا!

عاصم نے فلمی ہیرو کی طرح انٹری ماری، بندوق ہاتھ میں۔ ایک ہاتھ سے اپنے  
کولر سیٹ کرتا کولر سٹائل میں چلتا آگے بڑھا۔ ”اوے! ہیرو کا ویکم سین بھول  
گئے؟“

اسامہ نے پیچھے سے چلاتے ہوئے کہا: ”دبئی میں شیر بھی شیر سے ڈرتا ہے... اور  
ہم خالص جانور ہیں!“

فائرنگ شروع ہوئی۔ تو اُن دونوں نے پرو فیشنل انداز میں خود کو بچاتے اُن پر حملا آور ہوئے۔ عاصم نے ایک غنڈے کو سیدھالات مار کے دیوار سے چپکا دیا۔ اسامہ نے کرسی اٹھا کر دو کو نیچے گرا دیا۔

ایک غنڈہ حوریہ کی طرف بڑھا۔ حوریہ نے جوتا اٹھایا ہی تھا کہ عاصم نے آگے ہوتے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

کیا ہو گیا اتنے بڑے انسان کو جوتے سے مارو گی۔ تمھاری اتنی ہمت تم نے میرا ہاتھ پکڑا۔ حوریہ آنکھیں دیکھاتی چلائی۔ واؤ کتنی خوبصورت آنکھیں ہیں تمھاری۔ حوریہ نے اپنے ہاتھ کھینچ لیا لو فر کہائی کا۔

”دونوں کو سیف سائڈ کرتے منٹوں میں دونوں آدمیوں کو مار گرایا۔ غنڈے بھاگنے لگے۔ گودام میدان جنگ بن چکا تھا۔

لڑکیاں محفوظ ہو چکیں۔ عاصم نے کہا: ”اب ہم آپ کو گھر چھوڑ دیں گے۔“ منا حل نے ناک چڑھاتے ہوئے کہا: ”ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت نہیں تھی۔“

عاصم اس کے اٹیتوڈ پر ہنسنے بنانہ رہا سگاہ

”بچانا ہمارا فرض تھا، گھمنڈ برداشت نہیں کرتے ہم!“



حوریہ نے ہنستے ہوئے کہا:

”منا حل، ان بھائیوں نے ہماری جان بچائی ہے... اور تم بد تمیزی کر رہی ہو؟“

عاصم نے غور سے منا حل کو دیکھا— اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں، مغرور انداز،

مگر اندر چھپا درد۔



پھر کچھ نخرے دکھاتی منہاہل دونوں کے ساتھ جانے کے لئے راضی ہو گئی۔  
گاڑی میں بیٹھے اسامہ اور حوریہ کی خوب جھتی رہی۔ وہیں عاصم اور منہاہل میں  
صرف خاموش نظروں کا مقابلہ ہوتا رہا۔

صبح محل کے دروازے کھلے، اور گاڑی اندر داخل ہوئی۔

ملازمین صف باندھے کھڑے تھے۔ زیدان سیڑھیوں سے نیچے آیا

ہال کے بیچ و بھیج جانی پہچانی آواز نے زیدان کے قدم اپنی جانب کھینچ لیے۔ ہال  
میں داخل ہونے پر صوفے پر دو لڑکیوں کو بیٹھے دیکھ شلی سے پوچھا۔

”یہ کون ہیں؟“

منہاہل آگے بڑھی، بولی: ”ہم آپ کی خالہ کی بیٹیاں ہیں۔“ منہاہل اور  
حوریہ۔“

زیدان نے حیرانی اور فکر کی ملی جلی نظروں سے دیکھا۔ جیسے ماضی نے حال میں دروازہ کھول دیا ہو۔ مانو! ماضی چل کر خود سامنے آکھڑا ہوا ہو۔

جو پہلا خیال ذہن میں لہرایا وہ تھا ان کا یہاں ہونا وہ بھی تنہا۔۔۔ کس کے ساتھ آئی ہو کیسے پہنچی یہاں تک۔ کوئی نقصان تو نہیں ہوا۔ ایک ہی سانس میں کتنے ہی سوال پوچھ بیٹھا۔

امی نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے جلد وہ آپ کو فون پر سب کچھ بتا دیں گی۔ زیدان نے صرف ہاں میں سر ہلایا۔ حور یہ کب سے زیدان کو نم آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

زیدان کے اشارے پر وہ مناہل کے پاس سے اٹھ بھاگتی زیدان کے پاس ارو کی۔ زیدان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ پیار دیا۔ میں نے آپ کو بہت یاد کیا زیدان بھائی! آپ کو ہماری یاد نہیں آئی۔

مناہل جلدی سے آگے ہوتی حور یہ کو کھینچتے اپنے پاس بٹھایا۔ چھوٹی ہے اس لیے کچھ بھی بول دیتی ہے۔ زیدان نے مناہل کی پریشانی بھنپنا چاہی۔ یہ دیکھتے ہی مناہل نے بات پلٹی ہمیں کہار ہنا ہے۔

حور یہ جھٹ بولی وہ ہو آپ ہی ہم بھائی کہ پاس ہی تو رہیں گے۔ تو زیدان نے مسکراتے اس کی جانب دیکھتے کہا۔ بالکل آپ دونوں یہاں رہو گئے میرے پاس۔ یہ کہتے ہی شیلی کو ان کے کمرے دکھانے کو بالا اور ساتھ ہی ان کے ناشتے کے لئے آڈر جاری کرتا باہر کی جانب نکالتا چلا گیا۔

اب زیدان کا رخ بیسمینٹ کی طرف تھا۔

بیسمینٹ میں ظفرا بھی زندہ تھا، مگر ضدی بھی۔

چرہٹ کی آواز سے بیسمینٹ کا دروازہ کھلتا ہے۔ تاریکی میں زنجیروں کی

جھنکار گونجتی ہے۔

زیدان اُس کمرے میں داخل ہوتا ہے، جہاں ظفر قید تھا۔ ظفر کا چہرہ زخموں سے بھرا ہوا، مگر آنکھوں میں خوف نہیں، چیلنج تھا۔

زیدان کو اپنے سامنے دیکھ وہ پھرے بیل کے جسے بولنے لگا۔

”مار دے مجھے زیدان! ورنہ ایک دن میں تیری سلطنت راکھ بنادوں گا!“

زیدان ہنسا، وہ ہنسی جو موت کی طرح خاموش اور بھیانک ہوتی ہے۔

”تجھے مارنا سزا نہیں، ریلیف ہو گا... اور میں تجھے ریلیف کیوں دوں؟“

ظفر نے زنجیروں کو جھٹکا:

”میں وہ طوفان ہوں جو قید میں بھی سمت بدل دیتا ہے!“

زیدان آگے بڑھا، جھک کر اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں: ”میرے ہوتے

ہوئے، اگر تو یہاں سے بھاگ گیا... تو میں خود تجھے تاج پہ بٹھاؤں گا۔“ ظفر چیخا،

مگر زیدان واپس مڑ گیا—خاموش، مگر جیت کے ساتھ۔

“زیدان، مار دے مجھے! لیکن یاد رکھ، ایک بار میں بھاگ گیا، تو تیری دنیا ہلا دوں گا!” زیدان نے قہقہہ لگایا—ایسا قہقہہ جس سے دیواریں لرز گئیں۔

“بھاگ کے دکھا ظفر... اگر میں زندہ ہوں تو زمین بھی تجھے چھپنے کی جگہ نہیں دے گی!” ظفر کی آنکھوں میں چیلنج تھا—اور زیدان کی آنکھوں میں موت۔

رات کا تیسرا پہر تھا، زیدان کھڑکی کے پاس صوفے پر بیٹھا تھا۔ آنکھوں کا مرکز

وہ دشمن جان ہی تھی۔ جو کتنے مزے سے دنیا بھولے خوابوں کی دنیا میں سوئی

ہوئی تھی۔ مگر زیدان جاگ رہا تھا—بے چین، سوچوں میں گم۔

“کل اسے لے جانا ہے... دور... بس ہم دونوں... شاید وہاں دل کی گرہیں

کھلیں...” فون اٹھایا، نمبر ملا یا:

“عمار کل صبح تک یہ کام ہو جائے اور ہاں میرے آنے تک سب تمہارے

حوالے ہے!”

ایک نئی صبح کا دن پورے آبتاب سے چمک رہا تھا۔ کھڑکی کے پردوں سے جھانکتی روشنی نے عنایہ کی نیند میں خلل پیدا کیا۔ اپنے چہرے پر روشنی کی تپش محسوس کرتی عنایہ کروٹ لیتی زیدان کے سینے میں منہ چھپانے لگی۔ اس کے لمس سے زیدان کی دھڑکنیں بے ربط روی کا شکار ہو گئی۔

زیدان کی نظروں کا مکمل محور اس کے سینے سے لگی خوابوں میں گم اپنی متاجان پر تھا۔ بس اب کچھ دیر اور پھر میں ہمیشہ کے لیے آپ کو خود میں چھپالوں گا عنایہ نور۔ خود سے یہ عہد کرتے عنایہ کے ماتھے پر جھک اپنے لبوں سے عقیدت بھرا لمس دیا۔



زیدان کے لمس کی شدت سے عنایہ نے نیند سے بیداری لی۔ خود کو اس طرح زیدان کے اس قدر قریب دیکھ۔ عنایہ کا چہرہ شرم اور خفت سے لال انار کی طرح چمکنے لگا۔ زیدان بغور اس کے چہرے کے بدلتے رنگ سے اس کے دل میں چھپے جذبات کو بھانپ رہا تھا۔ عنایہ کی شرم اور خفت کو دُور کرنے کے لیے زیدان نے عنایہ کو باتوں میں لگانا بہتر سمجھا۔

اگر اور نہیں سونا تو اٹھ کر جلدی سے پیکنگ کر لیں۔ اس کی پیکنگ کی بات پر عنایہ نے چونکتے سراٹھا اس کی جانب دیکھا۔ اس سے پہلے عنایہ کچھ پوچھتی زیدان نے یہ کہتے عنایہ کے الفاظ روک دیئے، ”ہمم۔۔ سر پر اتر ہے۔“ عنایہ کی آنکھیں چمکی خوشی کی ایک لہر چہرے پر چھا گئی۔ جلدی سے ریڈی ہو جائیں۔

شام کی نیلی روشنیوں نے دبئی کے افق پر نرمی سے دستک دی  
توزید ان خانزادہ کی پر سرار نگاہیں صرف ایک چہرے پر ٹکی تھیں—  
عنایہ نور۔ وہی لڑکی جس نے اُس کے سخت دل میں نرمی کی  
کو نیل اگادی تھی۔ آج وہ اُسے لے جا رہا تھا... اُس کے پہلے سفر پر۔  
محبت کے پہلے لمحے پر۔

گاڑی ایئرپورٹ پر روکی تو عنایہ خوشی اور پریشانی کی ملی  
جلی کیفیت سے زید ان کی طرف دیکھنے لگی۔ اسے کے چہرے کے  
تاثرات دیکھ زید ان ہلکا سا مسکرایا اور ہاتھ تھامتے کہنے لگا۔  
عنایہ نور اج ہم اپنی زندگی کے سب سے حسین ترین سفر پر جا رہے ہیں  
اور ہمارے اس سفر کا ہر لمحہ میں ایک خواب سی خوبصورت تصویر  
بنانا چاہتا ہوں۔ کیا دوگی میرا ساتھ۔۔۔

عنایہ کے چہرے کی خوشی اُس کی رضا مندی کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

زیدان اپنی سائڈ سے نکلتا عنایہ کی طرف آتے ڈور کھول اپنا

ہاتھ بھریا۔ تو عنایہ اس کے مضبوط ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتی گاڑی

سے نکل آئی۔ دونوں اپنے خوابوں کی منزل کی جانب چل پڑے۔

ایک پرائیویٹ جہاز پوری شان و شوکت سے رن وے پر تیار کھڑا تھا۔

زیدان کا پورا فوکس صرف عنایہ کے چہرے پر آتے رنگوں پر تھا۔

زیدی یہ کس کا ہے۔ ہمارا ہے۔ “جان زیدی۔۔۔” آپ کے چہرے کے یہ

رنگ دیکھنے کا حق صرف میرا ہے کوئی اور دیکھے یہ مجھے منظور نہیں

اس لئے ہم پرائیویٹ جہاز سے جائیں گے۔

اندر داخل ہوتے ہی ایک دھیماسا سکون جیسے زیدان کی روح میں

اتر گیا۔ پورے جہاز میں صرف تین زندہ سانسیں تھیں۔ پائلٹ، زیدان،

اور اُس کی متاجان بیوی، عنایہ۔ جہاز کو دیکھ عنایہ پُر جوش ہوتی  
ہر چیز دیکھنے لگی۔ زیدی یہ آپ نے ہمارے لئے لیا ہے۔ نہیں عنایہ یہ  
بہت وقت پہلے میں نے خریدا تھا۔

زیدان عنایہ کو جہاز کا جائزہ لیتے چھوڑ پلٹ کابین کی طرف چلا گیا۔  
ہیلو کیپٹن! آل سیٹ کوئی پریشانی تو نہیں۔ نو سر! آل سیٹ بس اب  
ہم فلیے کے لئے تیار ہیں۔ گود۔۔۔ زیدان جب کیپٹن سے مل کر کابین سے  
باہر آیا تو عنایہ کو سیٹ پر بیٹھے بیلٹ سے الجھے دیکھا۔

زیدان مسکراتا عنایہ کے پاس آیا اور اس کی بیلٹ خود لوک کرنے لگا۔  
اس کے ایک دم قریب آنے سے عنایہ سٹل سی ہو گئی۔ اس کی حالت  
دیکھ زیدان شرارتی انداز میں عنایہ کے کان کے پاس جھک! ڈر کیوں  
رہی ہیں ابھی کچھ نہیں کرتا۔ کہتا ساتھ کی سیٹ پر بیٹھ اپنی

بیٹ لوک کرنے لگا۔

عنایہ کی نظریں کھڑکی سے باہر تھیں، مگر زیدان کی نظریں صرف اُس پر۔

وہ اُس کی نرم انگلیوں کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولا،

”عنایہ... میں نہیں جانتا کیوں مگر اب میرا دل اور جذبات میرے بس

میں نہیں ہیں ہر وہ چیز، جو میرے اختیار میں تھی، اب صرف تمہاری

محتاج ہو گئی ہے۔“

عنایہ کی پلکیں لرزیں، دل نے خاموشی سے ایک بیٹ مس کی۔

”میرے محتاج؟“

”ہاں، تمہارے... کیونکہ تم اب صرف میری ہو۔“

جہاز کے اندر

خوشبو بکھری ہوئی تھی۔ صوفے ریشمی تھے، کھڑکیوں پر سفید پردے

ہر گوشہ اس شان کا مظہر تھا جو صرف زیدان خانزادہ کے  
 وقار سے جڑی تھی۔ مگر آج، وہ بادشاہ خود عنایہ کے قدموں میں بیٹھا تھا۔  
 جب سفر کا دورانیہ زیادہ ہو گیا تو عنایہ سے رہانہ گیا۔ عنایہ  
 نے شرارت سے کہا، ”زیدی یہ سفر تو بہت لمبا ہے...“  
 ”زیدان اپنی بند آنکھیں کھول مسکرا کر اُس کے اور قریب ہوا،  
 ”جب ہم ساتھ ہوں، تو سفر کبھی لمبا نہیں ہوتا۔“  
 اُس نے عنایہ کے بالوں میں ہاتھ پھیرا، اُس کا سر اپنے کندھے پر رکھا،  
 ”سو جاؤ... میرا کندھا صرف تمہارے سکون کے لیے ہے۔ سو کہ اٹھو گی  
 تو سفر ختم ہو چکا ہو گا“ عنایہ نے آنکھیں بند کیں اور پہلی بار دل نے  
 محسوس کیا کہ وہ کسی کی مکمل تھی۔

لگاتار سفر کرتے دوپہر کے قریب جہاز اپنی منزل پر پہنچ چکا تھا



۔ جب آنکھ کھلی، تو زیدان کی نظروں سے ٹکراؤ ہوا۔ جو محبت کے جذبات سے لبریز نظروں سے اسے ہی نہا رہا تھا۔ ہم پہنچ گئے تو آپ نے اٹھایا کیوں نہیں مجھے...

زیدان عنایہ کو تنگ کرتے! اس خادم کی مجال جو ملکہ کا سکون برباد کرے۔ عنایہ منہ کھول آنکھیں پھلے زیدان کا یہ انداز دیکھ رہی تھی۔ زیدان نے آگئے ہوتے عنایہ کی بیلٹ کا ہوک کھولا۔ اُس کا ہاتھ پکڑ سینے سے لگایا۔

آپ تیار ہیں میرے ساتھ اس خوبصورت سفر کے لئے؟

عنایہ سر

جھکائے مسکرا دی۔ اس کا ہاتھ تھا مے زیدان جہاز سے باہر آیا۔

”نور ویک آئی لینڈ“

(ایک فرضی، رومانوی جزیرہ جو دبئی کے قریب واقع ہے)

سفید برف سے ڈھکی پہاڑیاں،

سنہری ریت سے لپٹا کنارہ،

گرم صحرائی ہواؤں میں ٹھنڈی نمی کا احساس،

اور نیلگوں

سمندر کی آغوش میں چھپا ایک خواب —

یہ ہے نور ویک... ایک خاموش جزیرہ،

جہاں چاندنی بھی زمین کو چپکے سے چومتی ہے،

جہاں عشق وقت کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے،

اور ہر لمحہ صرف محبت کی سانس لیتا ہے...

یہ جگہ ہے جہاں زیدان خانزادہ — مافیا کی دنیا کا بے تاج بادشاہ —

اپنی نازک، معصوم اور جھیل آنکھوں والی بیوی عنایہ نور کو

پہلی بار خود سے قریب لانے جا رہا تھا...

اس جزیرے کا سکوت،

اس کے دل کے طوفان کو تھامنے آیا تھا۔

ایک لگژری لیموزین اُن کا استقبال کر رہی تھی۔ زیدان نے عنایہ کا ہاتھ تھاما،

جیسے وہ دنیا کے شور سے اُسے چھپا لینا چاہتا ہو۔

اور عنایہ کو لیے ساحل کے کنارے جا کھڑا ہوا جہاں

نور ویک کانیلگوں ساحل تھا...

اور سورج سمندر کی آغوش میں اتر رہا تھا۔

ٹھنڈی ہواؤں میں نمی تھی،

اور عنایہ کے ریشمی

بال اُن جھونکوں سے چھو رہے تھے، جیسے قدرت بھی اُس کی نزاکت کو محسوس کر رہی ہو۔

زیدان، جس کی آنکھوں میں اکثر وحشت بستی تھی،  
آج اُس کی

نگاہوں میں ایک عجیب سا سکون تھا...

ایک خاموشی،

جو صرف اُسی لڑکی کے لیے مخصوص تھی جو اس کے نام کی سانس بن چکی تھی۔  
”تمہیں یہ جگہ کیسی لگی؟“

اُس نے مدھم مگر گہرے لہجے میں پوچھا،

ایسا لہجہ جو صرف وہی بول سکتا تھا،

جسے الفاظ کے بغیر دلوں کی زبان آتی ہو۔

عنایہ نے نظریں جھکا کر نرم لہجے میں جواب دیا:

”بہت پسند آئی...

جیسے خواب ہو۔“ اُس کی آواز میں موجود معصومیت زیدان کے سخت

وجود میں ایک لرزہ بن کر اتری۔ وہ اُس کے قریب آیا، پھر اور قریب...

عنایہ کی سانسیں رکنے لگیں، دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

زیدان نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا:

”مجھے دنیا سے نہیں ڈر لگتا عنایہ...

بس تم سے لگتا ہے۔ کہیں تم میرے دل کا وہ حصہ نہ چرا لوجو میں نے

آج تک کسی کو نہیں دیا۔“

عنایہ کی آنکھوں میں نمی تھی،

مگر اُن آنکھوں کی نمی میں ایک چمک تھی...

جس نے زید ان جیسے خطرناک انسان کے دل کو بھی نرم کر دیا۔

فارم ہاؤس پہنچتے ہی جیسے جنت کے دروازے کھل گئے۔

یہ جزیرہ... کوئی عام جگہ نہیں تھی۔

یہ زید ان خانزادہ کی ذاتی ملکیت تھا۔

ایک خواب جو اس نے تنہا میں بسایا،

مگر آج... پہلی بار،

وہ اسے کسی اور کے ساتھ بانٹنے جا رہا تھا۔ عینا یہ نور کے ساتھ۔

فارم ہاؤس تک کا راستہ سنہری ریت سے لپٹا ہوا تھا،

راستے کے دونوں جانب سفید، بلند،

اور پھولوں سے بھرے درخت جھک کر جیسے خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

ہوا میں ہلکی سی نمکین خوشبو تھی، جس میں سمندر کی نمی اور جنگلی



گلابوں کی مہک گھلی ہوئی تھی۔

فارم ہاؤس... نیلگوں پانیوں کے بالکل قریب واقع،

سفید سنگ مرمر سے

بنا ایک خواب جیسا محل تھا۔

اونچی چھتیں، شیشے کی دیواریں

جن سے دور تک نیلا سمندر نظر آتا،

اور چھت سے لٹکتے سنہری

فانوس جو شام ہوتے ہی

چاندنی سے مقابلہ کرتے۔

اندرداخل ہوتے ہی سنگ مرمر کے فرش پر

عنایہ کے نرم قدموں کی چاپ گو نجی گئی،

جیسے وہ خود ایک شہزادی ہو، اور یہ جگہ

اس کے انتظار میں سوئی ہوئی ہو۔

ہر کمرے کی دیوار پر خوش رنگ پینٹنگز تھیں،

جو قدرت، خاموشی، اور عشق کی عکاس تھیں۔

بچوں بیچ ایک کھڑکی تھی

جس کے پار پھیلا ہوا نیلا افق، اور سورج غروب

ہونے کی تیاری میں تھا۔

عناہ نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں...

اُس کی آنکھوں میں حیرت، خاموشی، اور دل میں کوئی ان کہی دعا سی تھی۔ ”یہ

سب...

آپ کا ہے؟ ”اُس نے دھیمی، لرزتی آواز میں پوچھا۔

زیدان نے اُس کی طرف دیکھا...

وہ پلکیں جھکائے، خود اس خواب کو حقیقت

ماننے سے قاصر تھی۔ ”نہیں...

”زیدان آہستہ سے بولا،

”اب یہ تمہارا ہے، عنایہ...

یہ جگہ، یہ خاموشی، یہ سکون... سب کچھ۔”

عنایہ کی پلکوں پر نمی چمک اٹھی...

مگر لبوں پر ایک نرم سی، ڈری ڈری سی

مسکراہٹ بھی تھی۔ ایسی مسکراہٹ...

جو کسی ٹوٹی ہوئی لڑکی کو پہلی بار محبت

کالمس دیتی ہے

وہ فارم ہاؤس کی کھڑکی کے قریب گئی،  
 اور باہر پھیلے نیلے سمندر کو دیکھ کر کہنے لگی:  
 ”یہ جگہ... ایسے ہے جیسے وقت رک گیا ہو...“

اور اس کی ہر سانس، صرف محبت سے مہک رہی ہو۔“

زیدان نے اُس کے پاس آکر کھڑکی کی طرف دیکھا،

پھر آہستہ سے کہا:

”میں چاہتا ہوں عنایہ... یہ وقت کبھی نہ چلے... اور تمہاری یہ مسکراہٹ  
 کبھی نہ روکے۔“

فارم ہاؤس کے ہال سے گزرتے ہوئے عنایہ کے نرم قدم ماربل کے فرش پر ہلکی

سی سرسراہٹ

پیدا کر رہے تھے۔

زندگی میں پہلی بار اُسے لگا، جیسے وہ کسی

کے خواب کا جیتا جاگتا حصہ بن چکی ہو۔

زیدان نے اس کا ہاتھ تھاما اور مدھم مگر پر

اسرار لہجے میں بولا: ”چلو، تمہیں تمہارا کمرہ دکھاتا ہوں“...

وہ ایک لمبے، خوبصورت راہداری سے گزرے...

جہاں دونوں جانب سفید گلابوں کے پھولوں سے سجے قدیم طرز کے فانوس  
جھوم رہے تھے،

ہوا میں خوشبو تھی... اور ایک رومانویت، جو الفاظ سے آزاد تھی۔

”یہ ہے تمہارا کمرہ۔“

زیدان نے دروازہ کھول کر عنایہ کو اندر جانے

کا اشارہ کیا۔ کمرے کا دروازہ کھلتے ہی، عنایہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں... سفید اور نیلے

رنگوں سے سجا ہوا ایک خواب ناک کمرہ... سامنے ایک بڑی شیشے کی کھڑکی، جہاں سے نیلگوں سمندر

کی جھلک آتی تھی...

دیواروں پر نرم روشنیوں والے لیمپ، اور بیڈ پر رکھے گئے سفید اور سُرخ گلاب کا گلدستہ۔

بیڈ پر ایک خوبصورت ویسٹرن ڈریس رکھا ہوا تھا،

ریشمی، دلکش، اور عنایہ کے نازک مزاج کے

عین مطابق۔



ساتھ ایک کارڈ رکھا تھا، جس پر صرف تین لفظ درج تھے: ”صرف تمہارے لیے“...

عنایہ کی پلکیں جھپکنا بھول گئیں... دل کی دھڑکن ایک لمحے کو ٹھہر سی گئی۔

زیدان نے دروازے پر رکتے ہوئے کہا:

”یہ لباس آج رات کے ڈنر کے لیے ہے... ساحل پر،

صرف تم اور میں۔“ عنایہ نے پلٹ کر دیکھا، آنکھوں میں حیرت اور لبوں پر وہ معصوم سی مسکراہٹ

جو زیدان کے دل کی دیواروں میں دراڑ ڈال دیتی تھی۔

اس نے صرف اتنا کہا:

”یہ سب... صرف میرے لیے؟“

زیدان کی آنکھوں میں گہرا سکوت اُترا۔

”تم وہ ہو جس کے لیے میں وہ سب کر رہا ہوں

، جو میں نے کبھی کسی کے لیے نہیں کیا۔“

رات کے اندھیرے میں، نارویک آئی لینڈ کا

ساحل ایک چمکتے خواب کی مانند لگ رہا تھا...

ریت پر نقرئی فانوس رکھے گئے تھے، جن کی

روشنی سمندر کے پانی پر جھلک رہی تھی۔

بیچ کے کنارے دو کرسیاں، ایک چھوٹا میز، اور

سنہری روشنیوں میں گھرا ایک دلکش ماحول۔

عنایہ نے وہ سفید لباس پہن رکھا تھا۔

اُس کے چہرے پر حیرت، خوشی اور شرم کی ملی جلی چمک تھی۔

زیدان نے ہاتھ بڑھا کر اُسے آہستگی سے اپنی طرف کھینچا...

”کیا تم میرے ساتھ ایک رقص کرو گی؟“

عنایہ نے نظریں جھکا کر ہاتھ تھما دیا...

ریت پر اُن کے قدم دھیرے دھیرے جھومنے لگے...

ہوا میں نرمی تھی، روشنی میں محبت تھی،

اور اُن کے درمیان خاموشی میں بندھی ایک نئی

قربت تھی۔

رقص ختم ہوا، تو زیدان نے اپنی جیب سے ایک

مخملی ڈبیانکالی —

اور عنایہ کے ہاتھ میں رکھ دی۔

عنایہ نے آہستہ سے کھولا —

اندر ایک نہایت خوبصورت ڈائمنڈ لاکٹ رکھا تھا،

جس پر نازک انداز میں کندہ تھا:

“Zaydan ki Inaya”

“زیدان کی عنایہ”

عنایہ کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی...

مگر وہ نمی خوشی کی تھی، قبولیت کی تھی...

اور زیدان کے لبوں پر وہ نایاب سی مسکراہٹ،

جو صرف اُسی لڑکی کے لیے مخصوص تھی،

جس نے زیدان جیسے شخص کے دل کو چھو لیا تھا۔

ڈنر کے بعد، چاندنی زرا مدھم ہو گئی تھی،

ہوا میں سردی کی ہلکی سی لہر...

اور عنایہ کے گلے میں لٹکتا ہوا وہ ڈائمنڈ لاکٹ،

جس پر زیدان کے دل کی مہر لگی تھی۔

زیدان نے آہستہ سے اُس کا ہاتھ تھاما،

اور اسے نور ویک کے اس farmhouse کی

ایک اور سمت لے گیا...

وہ راہداری، جس میں ایک خاص دروازہ تھا—

جو ہر وقت بند رہتا تھا۔

عنا یہ رک گئی،

”یہ... کمرہ کیوں بند ہے؟“

زیدان نے اُس کی طرف دیکھا،

مسکرایا، اور آہستہ کہا:

”یہ کمرہ صرف اُس رات کے لیے ہے...“

جب تم میرے دل کے سب سے قریب ہو جاؤ گی ”...

عنایہ کا دل جیسے کانپ گیا،

چہرہ سرخ، نظریں جھکی ہوئی،

اور قدم، خاموشی سے زیدان کے ساتھ چلنے لگے۔

اُدھر دوسری طرف وہ چاروں پیلس کی

چھت پر شام کا وقت، ہلکی ہلکی ہوا، چائے کے

کپ، اور مستی کا ماحول۔

”یاریہ غروبِ آفتاب دیکھ کر تو دل کر رہا ہے کوئی شاعری سنا دوں!“ ”اسامہ نے

چائے کا گھونٹ لیتے

ہوئے کہا، اور نظریں مناہل پر گاڑ دیں۔

مناہل نے ناک چڑھاتے ہوئے کہا، ”تمہاری شاعری



سننے سے بہتر ہے میں موبائل کی بیٹری ختم کر لوں۔”

”ارے ظالم لڑکی، اتنی نفرت؟ میرا دل ہے، دل!”

اسامہ نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے جھوٹا سا

دکھ بھرا انداز بنایا۔

”اوہ تو دل بھی ہے تمہارے پاس؟ مجھے تو

لگا صرف ڈائیلاگ بازی کی دکان ہو۔” مناہل

نے آنکھ مارتے ہوئے جلتی پر تیل ڈال دیا۔

اسامہ ہنس دیا، ”دل بھی ہے، دھڑکن بھی ہے،

اور تمہارے لیے مفت میں حاضر بھی ہے۔”

پیچھے بیٹھا آصف خاموشی سے یہ سب سن

کر مسکرا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چائے تھی اور آنکھیں حوریا کی بے پرواہ باتوں پر۔

حوریا نے منہ میں بسکٹ ڈالتے ہوئے بولنا شروع کیا، ”مجھے لگتا ہے کہ اسامہ پچھلے جنم میں

کوئی ٹیپ ریکارڈر تھا، ہر وقت ریکارڈنگ

چالور کھتا ہے۔“!

آصف دھیرے سے ہنسا، ”اور تم... تم پچھلے

جنم میں شاید کارٹون نیٹ ورک کی کسی شو کی میزبان تھی۔“

حوریا نے آنکھیں پھیلانیں، ”فففففف! آصف! تم نے مجھے کارٹون کہا؟ دیکھ لو

مناہل باجی

یہ تو مجھ پہ ظلم کر گیا۔“!

مناہل نے قہقہہ لگایا، ”یہ دونوں لگتے ہی

بچپن کے دشمن ہیں!“

اسامہ نے چمک کر کہا، ”تو مناہل... تم اور

میں جوانی کے دوست بن جاتے ہیں؟“

”صرف خواب میں!“ مناہل نے ٹھنڈے

انداز میں جواب دیا۔

اسامہ نے سینے پر ہاتھ رکھا، ”ظالم! تیری

باتوں سے تو میرا دل ویسے ہی تھر تھر

کانپنے لگا ہے۔“

آصف نے آہستہ سے حوریا کی طرف دیکھا،

”تم ہمیشہ ایسے ہی بولتی ہو یا کبھی

خاموش بھی ہوتی ہو؟”

حوریا نے فوراً کہا، ”میں جب سو رہی

ہوتی ہوں تب! باقی تو میں حوریا ہوں...

باتونی بم!”

آصف نے ہنستے ہوئے چائے کا کپ آگے بڑھایا،

”پھر یہ لو، باتونی بم کے لیے ایک کپ

امن کی چائے۔”

حوریا نے قہقہہ لگایا، ”واہ! آصف بھائی،

آپ تو چھپے رستم نکلے!”

پیس کی چھت پر رات کا منظر،

fairy lights جگمگا رہی ہیں، پیچھے مدھم سار ومانوی گانا بج رہا تھا۔

اسامہ نے آنکھیں مٹکا کر کہا، ”پتا ہے مناہل،

اگر تم چاند ہوتیں نا... تو میں ہر رات چھت

پر تمہیں دیکھنے آتا۔“

مناہل نے آہستہ سے کہا، ”شکر ہے میں چاند نہیں،

ورنہ تم جیسا ڈھٹائی کا آسمانی تارا ہر رات

گھورنے آتا!“

اسامہ نے دل پر ہاتھ رکھ کے کہا، ”تم میری شان

میں گستاخی کر رہی ہو، اور میں

برداشت کر رہا ہوں... یہ ہے عشق!“

مناہل بے اختیار ہنس پڑی، لیکن فوراً چپ

ہو کر پیچھے ہٹ گئی، جیسے خود کو قابو

میں لانا چاہ رہی ہو۔

اسی لمحے عاصم اور حوریا fairy lights کے

نیچے کھڑے تھے۔ حوریا نے اچانک عاصم کا

ہاتھ تھام لیا۔

”کیا ہوا؟“ عاصم حیران ہوا۔

”مجھے ڈر لگ رہا ہے... کہیں

یہ lights گرنے جائیں، تمہارے اوپر!

”حوریا نے معصومیت سے کہا۔

عاصم نے مسکرا کر آہستہ سے کہا،

”اگر گرتی بھی تو بس تمہارے بولنے سے بچ جاتا... کبھی کبھی خاموشی زندگی بچا لیتی ہے۔“



حوریا نے چپ ہو کر عاصم کو دیکھا،  
ایک پل کے لیے وہ واقعی خاموش ہو گئی۔  
پہلی بار اُس کی آنکھوں میں شوخی کے بجائے...  
کچھ اور تھا۔

اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا۔

کہیں دور آسمان میں کسی نے

firecracker جلا دیا۔

مناہل نے چیخ کر اسامہ کا بازو پکڑ لیا،

”یہ کیا تھا؟“

اسامہ نے فوراً پروڈکٹیو مناہل کو تھام لیا،

”Relax drama queen! Main hoon na...

As always!”

منابل نے فوراً خود کو الگ کیا،

“Zyada chipko mat hona,

ek dum reflex tha!”

”Reflex hi sahi,  
mujhe to connection lag gaya!”

اسامہ نے آنکھ wink کی۔

صبح کی پہلی کرن کھڑکی سے اندر آرہی تھی،

اور نور ویک آئی لینڈ کی فضا میں ایک عجیب سا سکون بسا ہوا تھا۔  
سمندر کی لہریں نرم موسیقی کی طرح دیواروں سے ٹکرا رہی تھیں،  
اور فضا میں سفید گلابوں کی مہک ابھی تک باقی تھی۔

عنا یہ آہستہ سے آنکھیں کھولتی ہے،

اور سامنے زیدان کی پر سکون چہرہ دیکھتی ہے...

جس کی پلکیں بند،

مگر ہاتھ اُس کی انگلیوں میں الجھا ہوا۔

عنا یہ مسکرا دی...

ایک خاموش سی مسکراہٹ،

جس میں محبت، حیرت اور شکر گزاری چھپی تھی۔

زیدان نے آنکھیں کھولیں،

اور بنا کچھ کہے، صرف اُسے دیکھا...

وہ نظر... جیسے دنیا کے سارے سوالوں کا جواب ہو۔

"صبح بخیر، نور میری زندگی..."

زید ان کا گہرا، مدھم لہجہ کمرے کی ہوا میں گھل گیا۔

عناہ نے شرماتے ہوئے آنکھیں جھکا لیں۔

وہ چاہتی تو کچھ کہہ سکتی تھی،

مگر اُس لمحے خاموشی، سب سے خوبصورت جواب تھی۔

فارم ہاؤس کے باہر

بہت بڑی شیشے کی دیوار کے اس پار،

ایک خوبصورت ناشتہ سیٹ کیا گیا تھا—

نیلے سمندر کے کنارے،

ایک سفید لکڑی کی میز،

جس پر تازہ پھولوں کا گلہ سٹہ،

دو سنہری کپ،

اور ان دونوں کے لیے خاص ناشتہ...

عنا یہ جب باہر آئی،

تو زیدان نے اُسے وہی ویسٹرن وائٹ ڈریس اوڑھنے دی تھی،

جس میں وہ بالکل کسی رومانی کہانی کی شہزادی لگ رہی تھی۔

ہوا اُس کے بالوں سے کھیل رہی تھی،

اور زیدان کے دل کی دھڑکنیں اُس کے ہر قدم پر تھم رہی تھیں۔

"یہ سب کچھ صرف تمہارے لیے ہے، نور..."

زیدان نے اس کا ہاتھ تھاما۔

عنایہ نے حیرت سے سمندر کی طرف دیکھا،

اور پھر آسمان کو...

"یہ سب خواب لگ رہا ہے زیدان..."

زیدان نے آہستہ سے اُس کی پیشانی پر لب رکھے:

"خواب تو تب ہوتا ہے جب تم ساتھ نہ ہو..."

تم ہو... تو ہر لمحہ حقیقت ہے۔"

عنایہ اور زیدان ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے،

فارم ہاؤس کے اُس حصے کی طرف بڑھ رہے تھے

جسے کسی شاہی محل کی طرح بنایا گیا تھا—

جسے زیدان نے کبھی کسی کو دکھایا نہ تھا۔

سفید سنگ مرمر کے فرش،



نقش و نگار والے درود یوار،

اونچی چھتوں سے لٹکتے دلکش فانوس،

اور ہر کمرہ... ایک نیا خواب۔

عناہ حیرت میں گم تھی...

اُس کی بڑی بڑی آنکھیں ہر گوشے کو جیسے چُپ چاپ چوم رہی تھیں،

اور زیدان اُسے دیکھ رہا تھا۔

کہ وہ معصوم لڑکی کیسے اس سحر میں کھور ہی ہے...

"یہ سب آپ نے میرے لیے بنایا؟" عناہ نے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں..." زیدان نے اس کے کان میں سرگوشی کی،

"یہ سب تمہارے بغیر ادھورا تھا۔"

---

## Poolside Garden Area

وہ دونوں اب فارم ہاؤس کے پچھلے حصے میں آئے۔

جہاں نیلا پانی چمک رہا تھا،

سبز لان پر رنگ برنگے پھولوں کی قطاریں تھیں،

اور ایک چھوٹا سا پل جو پانی پر تیرتا تھا...

جس کے آخر میں ایک swing sofa رکھا تھا،

جہاں صرف ایک لمحے کو بیٹھنا... پوری دنیا کو بھلا دینا تھا۔

عناہ وہیں جھولے پر بیٹھ گئی،

اور آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

زیدان اُس کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا... پھر آہستہ سے اُس کا ہاتھ پکڑا،

اور اپنی انگلیاں اس کی ہتھیلی میں بند کر دیں۔

"عنایہ، مجھے سیکھنا پڑ رہا ہے... محبت... نرمی... تمہارے بغیر تو مجھے صرف غصہ آتا تھا۔

مگر تم نے مجھے وہ انسان بنایا ہے جسے میں خود دیکھنا چاہتا تھا..."

عنایہ کی آنکھوں میں نمی آگئی... مگر وہ مسکرائی...

اور اس کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

Sunset Boat Dinner on Noorvik Shore

شام کے وقت، فارم ہاؤس کے نیچے سے ایک پرائیویٹ یاٹ تیار تھی۔

نیلے سمندر کے بیچ، ایک بڑی سفید کشتی،

جس پر soft golden lights جگمگاہی تھیں۔

عنایہ نے وہی dress پہنا جو زیدان نے دیا تھا۔

ایک royal blue off-shoulder gown،

جس میں وہ چاندنی رات کی طرح چمک رہی تھی۔  
زیدان نے اُس کے لیے کشتی کے ایک کنارے پر  
دل کی شکل میں گلاب کے پھول بچھوار کھے تھے،  
اور درمیان میں رکھا تھا ایک velvet box۔

ڈنر کے بعد زیدان اُٹھا،

اور جھک کر عنایہ کے سامنے بیٹھ گیا۔

"یہ میں تب دینا چاہتا تھا جس دن تم میری دسترت میں آئی۔ جس دن خود کو  
میرے نام لکھ دیا تھا۔ اُس وقت سہی موقعہ نہیں تھا مگر آج ہے"

اس نے باکس کھولا۔

اور اُس میں ایک ہیرے کی انگوٹھی تھی۔ خاص چیز اس میں جانتی ہو کیا ہے۔

عنایہ نے انگوٹھی کے درمیان میں لگے ہیرے پر اشارہ کیا۔ زیدان کے لب مسکرائے۔

"نورِ جان: اس انگوٹھی میں خاص چیز ہیرا نہیں ہے۔

تو پھر کیا ہے۔ میری عنایہ کی جھیل آنکھوں کے رنگ کے یہ ہیرے۔

عنایہ نے انگوٹھی کو غور سے دیکھا تو جھیل رنگ کے ہیروں کے درمیان ایک سفید ہیرا جراہوا تھا۔

پہلی نظر میں تمہاری ان جھیل رنگ آنکھوں سے عشق ہو گیا تھا۔

عنایہ کے ہاتھ لرز گئے،

اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے...

محبت کے... یقین کے...

زیدان نے وہ انگوٹھی اس کی ہاتھ میں پہنا دی،

پھر آہستہ سے اُس کے کان میں کہا:

"اب تم ہمیشہ میرے دل کے قریب رہو گی... نہ صرف دل میں، بلکہ ہر سانس میں..."

وہ دونوں fire bowl کے سامنے بیٹھے،

چپ... پردلوں کی دھڑکن جیسے بلند ہو رہی تھی۔

صرف دونوں کی نظروں نے بہت کچھ کہا۔

پھر اچانک زیدان نے ایک ہلکی سانس لی،

اور نظریں عنایہ سے ہٹائے بغیر بولا:

"تم جانتی ہونا... میں کیوں سب سے الگ ہوں؟"

عنایہ نے صرف سر ہلایا۔

وہ جانتی تھی اب کچھ اہم ہونے والا ہے۔



"میرے بچپن میں ایک رات ایسی تھی... جب میں رویا تھا... آخری بار۔  
تب سے صرف بدلے کی اگ میں جیا، محبت نہیں۔  
میں نے اپنے باپ کو اپنی ماں کا نشے کے لیے سودا کرتے دیکھا تھا...  
اور پھر ماں کو وہ درندے نوچ کھا گئے میری ماں ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی  
میری ماں کی چیخوں کی آواز اج بھی میں اپنے کانوں میں سنتا ہوں۔ کئی وقتوں  
سے سکون کی نیند نہیں سویا ہوں میں۔ اُن چیخوں نے مجھے زیدان خانزادہ سے  
دی مافیا کراؤن بنایا ہے۔

تب میں زیدان بنا... وہ زیدان، جو تم سے پہلے تھا۔"  
ہر اُس مصوم کے لئے جیسے ان درندوں سے خطرہ تھا

عنایہ کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

وہ آہستہ سے زیدان کے قریب ہو گئی،

اور اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

"لیکن اب تم ہونا..."

میری راتوں کا سکون، میری صبحوں کا نور،

تمہارے ساتھ... مجھے رونا بھی آتا ہے،

اور جینا بھی۔"

زیدان کی آواز رُک گئی...

عناہ نے اُس کے سینے پر سر رکھ دیا،

اور آہستہ سے بولی:

"اب آپ تنہا نہیں ہو، زیدی..."

اب آپ میرے ہو۔"

رات کے سناٹے میں چاندنی، فارم ہاؤس کی چھت پر اتر کر

یورٹ کی سفیدی پر چمک رہی تھی...

ہوا میں نمی، سمندر کی مہک، اور دلوں میں ایک انجانی سی دھڑکن۔

عنایہ نرم قدموں سے زیدان کے ساتھ یورٹ کے پاس پہنچی—

جہاں ابھی کچھ لمحے قبل ڈانس، محبت اور ایک خاص لمحہ اُن کے درمیان گزرا

تھا۔

زیدان کا ہاتھ اب بھی عنایہ کے نازک ہاتھ پر تھا...

مگر آنکھوں میں ایک عجیب سا سکون،

جیسے وہ کچھ چھپا رہا ہو... کچھ خاص۔

"عنایہ..."

اُس نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا،

"کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ ہونے لگا ہے؟"

عنایہ نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"پہلے سے زیادہ۔"

زیدان کے لبوں پر ایک شفیق سا تبسم آیا۔

پھر اُس نے آہستہ سے اُس کا ہاتھ تھاما،

اور فارم ہاؤس کے دوسرے حصے کی طرف لے جانے لگا۔

یہ وہ حصہ تھا...

جہاں ایک دروازہ ہمیشہ بند رہا تھا۔

"زیدان یہ...؟"

"بس چلتی رہو، کوئی سوال نہیں..." اُس کی مسکراہٹ میں راز تھا۔

دروازہ کھلنے لگا...

اور اندر داخل ہوتے ہی عنایہ کی سانس رک سی گئی۔

یہ وہ روم تھا، جو زیدان نے صرف اور صرف اپنی اور عنایہ کی پہلی رات کے لیے سجایا تھا۔

پھولوں کی خوشبو،

سفید ریشمی پردے،

کینڈلز کی روشنی میں چمکتے فانوس،

سجائی گئی خوابوں جیسی بیڈ...

اور دیوار پر ٹنگی اُن دونوں کی ایک محبت بھری تصویر...

جو عنایہ نے آج تک نہیں دیکھی تھی۔

عنایہ حیرت میں تھی، اور اُس کی آنکھوں میں نمی جھلکنے لگی۔

"یہ سب...؟"

زیدان اُس کے قریب آیا،

نرمی سے اُس کے بالوں کو چھوا،

"یہ... میں نے بہت پہلے سے سوچ رکھا تھا..."

کہ اگر کبھی تم میرے ساتھ رہو گی...

تو میں چاہتا ہوں تمہیں وہ دنیا دوں،

جس کا تم نے کبھی خواب دیکھا ہو۔"

عنا یہ کی پلکوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

زیدان نے اس کے آنسو اپنے ہاتھ کی پشت سے صاف کیے، اس کا ہاتھ پکڑا اپنے

سینے پر رکھا۔

"یہ دھڑکنیں تب سے اسی ہیں،

جب تم میرے دل کی ملکہ بن گئی تھیں..."



اور آج، یہ مکمل ہو رہا ہے۔"

عنایہ کا دل دھڑک رہا تھا،

آنکھوں میں آنسو...

مگر لبوں پر مسکراہٹ۔

زیدان نے آہستہ سے جھک کر اُس کے ہاتھوں کو اپنے لبوں سے لگایا،

اور پھر اُس کا ماتھا چوم لیا۔

یہ لمحہ... یہ جگہ... یہ جذبات...

صرف دو لوگوں کے بیچ کی محبت نہیں تھی،

یہ اُن دونوں کے درمیان بننے والے رشتے کا عہد تھا۔

عنایہ نے آہستہ سے اُس کے سینے سے سر لگایا،

اور پہلی بار، زیدان کے دل میں وہ سکون اُترا...

جو جنگیں جیت کر بھی نہیں ملا تھا۔

ساحل پر ہوا تھم سی گئی تھی...

چاند کی روشنی فارم ہاؤس کی کھڑکی سے اندر پڑ رہی تھی...

اور وہ خوابوں جیسا کمرہ، محبت کی گواہی دے رہا تھا۔

عنایہ، سفید سلک گاؤن میں، آئینے کے سامنے کھڑی تھی...

اُس کی پشت عیاں تھی، بال کھلے ہوئے،

گاؤن کی کمر پر زیدان کے ہاتھوں سے باندھی گئی ربن کی گرہ...

اُسے احساس دلار ہی تھی کہ اب وہ تنہا نہیں رہی۔

اس لمحے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی...

اور زیدان، سیاہ شلوار قمیض میں، آہستگی سے اندر داخل ہوا۔

اُس کی نظریں جیسے عنایہ پر رک گئیں—

اور لبوں پر بے اختیار سرگوشی نکلی:

"عنایہ نور... تم جنت ہو یا دعا؟"

عنایہ شرمنا کر نظریں جھکا گئی...

لیکن اُس کی پلکوں سے جھلکتا سکون، اُس کے دل کی سچائی بیان کر رہا تھا۔

زیدان اُس کے قریب آیا،

اور آہستہ سے اُس کی پشت پر ہاتھ رکھ کر پوچھا:

"کیا تم کفر ٹیبل ہو...؟"

عنایہ نے آنکھیں بند کیں،

ایک پل کو خاموشی چھا گئی...

پھر اُس نے آہستہ سے جواب دیا:

"نہیں... کیونکہ آپ کی آغوش میں اب ڈرنے کی جگہ نہیں... صرف محبت کی پناہ ہے۔"

زیدان نے اُسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا،

نرمی سے اُس کی گردن پر بوسہ دیا...

اور اُس کے ہاتھوں کو تھام کر بیڈ کی جانب بڑھا۔

فضا میں صرف سانسوں کی سرگوشیاں تھیں،

چاندنی کی مدھم روشنی،

اور دلوں کی دھڑکنیں جو ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو چکی تھیں۔

اُس رات... زیدان نے پہلی بار صرف اپنی شدت نہیں،

اپنی محبت، اپنی چاہ، اور اپنی روح کو بھی عنایہ کے حوالے کیا۔

عنایہ نے صرف زیدان کی آنکھوں میں جھانک کر،

اُس کی تنہائی، اُس کی خاموشی، اُس کی محبت سب کچھ محسوس کیا...

وہ رات صرف جسموں کی قربت نہیں تھی،

وہ روحوں کے سنگم کی رات تھی۔

ایک ایسی رات... جس کے بعد

عناہ صرف زیدان کی بیوی نہیں رہی،

بلکہ اُس کے دل، اُس کی زندگی، اُس کے سکون کی ملکہ بن گئی۔

Zubi Novels Zone

سفید برف کی چادر اوڑھے، قدرت کی خاموشی میں لیٹا ہوا نور وک آئس لینڈ کا

ایک ویران مگر خواب سا فارم ہاؤس۔

چاروں طرف پھیلی سفید چمکتی دھوپ، خاموش درخت، اور دور سے آتی بریلے پانی کی آواز...

ایسا لگتا تھا جیسے وقت خود ٹھہر گیا ہو۔

گرم کمرے میں دو محبتوں کی سانسیں ایک ساتھ چل رہی تھیں۔

بستر کے ایک طرف وہ اب بھی نیند میں گم تھی۔

اور دوسری طرف، زیدان اٹھ کر ہاتھ میں کافی کاگ لیے کھڑکی کے پاس کھڑا،

نرم دھوپ اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی،

مگر نظریں صرف ایک ہی چہرے پر تھیں...

اس کی آنکھیں بند تھیں، بال بکھرے ہوئے،

زیدان کے شرٹ میں لپٹی ہوئی... وہ کسی نظم کا مکمل مصرعہ لگ رہی تھی۔



زیدان کی پلکیں جھکیں،

دل میں ایک عجیب سی نرمی اتری،

رات پہلے ہی وہ اسے بہت تنگ کر چکا تھا اب اپنے جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو  
کر مزید تنگ کرنے کا ارادہ ترک کرتا باہر کی جانب چل پڑا۔

فارم ہاؤس کے ایک اوپن اسپیس کچن، میں

جس کی کھڑکیوں سے باہر صرف برف، سکون، اور محبت بکھری تھی۔

زیدان نے نرمی سے فرانگ پین اٹھایا،

اور آج پہلی بار، اپنے ہاتھوں سے اس کے لیے ناشتہ بنانے لگا...

کبھی انڈے، کبھی بریڈ ٹوسٹ،

اور ساتھ کافی میں چینی کے ساتھ تھوڑا سا عشق بھی۔

دوسری طرف،

عنایہ کی پلکیں آہستہ آہستہ کھلیں۔

پہلے کچھ لمحے خواب اور حقیقت کے بیچ،

پھر اچانک... رات کی شدت بھری یادیں!

وہ آنکھیں بند کیے لبوں پر ہاتھ رکھ کر مسکرائی،

جیسے اس کی سانسوں میں زیدان کی آواز اب بھی گونج رہی ہو۔

زیدان کی شرٹ اس کے وجود پر تھی،

لمبی، ڈھیلی، اور...

کسی خوبصورت رات کا رازدار لباس۔

ہے اختیار اس کی شرٹ سے اٹھتی خوشبو اپنی سانسوں میں گھولتی محسوس کرو وہ

شرمانے لگی۔

عنایہ دھیرے سے بستر سے اٹھی،

نازک قدم لیے،

اور ننگے پاؤں سنگِ مرمر کے فرش پر چلتی ہوئی کمرے سے باہر آئی۔

سامنے جو منظر تھا...

زیدان، کھڑا، بغیر شرٹ، صرف ٹراؤزر میں، کچن میں مصروف۔

دھوپ کی کرنیں اس کی پشت پر پڑ رہی تھیں، مہارت سے چلتے ہاتھ، اُن پر  
اُبھری اُس کی نیلی موٹی وینز جنہیں دیکھ عنایہ کا دل زور زور سے دھڑک کر باہر  
آنے کو بے تاب ہونے لگا۔

عنایہ کے چہرے پر صرف حیرت، شرم، اور پیار کی نرم سی لہر تھی۔

اپنے پیچھے اپنی روح میں بسے وجود کے احساس سے زیدان نے بنا مڑے کہا:

”عنایہ... اگر اتنا اثر ماؤ گی، تو مجھے گناہگار سمجھ لیا جائے گا۔

پھر کہو گی کہ قصور تمہارا نہیں!”!

عنایہ کی ہنسی لبوں پر آئی،  
مگر دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

---

ٹیبل سیٹ ہوا، عنایہ چھوٹے قدم لیتی ٹیبل کے قریب آکھڑی ہوئی۔ عنایہ  
کُرسی کھینچتے بیٹھنے لگی تو زیدان نے روکا دونوں کی نظروں کا ٹکراؤ ہوا۔  
زیدان آگے کو جھکتے عنایہ کی کان میں سرگوشی کرتے (آپ کی جگہ وہاں نہیں  
--- یہاں میرے پاس ہے۔

اور یہ کہتے زیدان نے کُرسی پر بیٹھتے ہوئے عنایہ کا ہاتھ تھاما،  
اور اسے نرمی سے اپنی گود میں بٹھالیا۔

عنایہ کی سانسیں گہرائیں،  
ہنسی شرم میں چھپی،

اور زیدان کی آنکھوں میں صرف ایک ہی چہرہ تھا۔

اس کی محبت۔

وہ نوالہ لے کر اس کے لبوں تک لایا، عنایہ کا چہرہ شرم و حیا کی سُرخی سے چھلک

راہ تھا۔

زیدان نے اس کی بل کھاتی کمر کو اپنے مضبوط ہاتھوں کی موٹھی میں بھر منہ

کھولنے کا اشارہ کیا۔

عنایہ نے آنکھیں بند کر کے وہ لمحہ محسوس کیا۔

محبت کا ذائقہ، روٹی سے زیادہ میٹھا تھا۔

زیدان نے کافی کاگ اٹھا ایک گھونٹ لیا،

اور بھنویں چڑھا کر بولا:

”شاید میٹھی نہیں۔“

عنایہ نے اس کے ہاتھ سے کپ لیا،

”دیکھیں، دیکھوں تو کتنی کڑوی ہے مجھے تو پہلے نہیں لگی۔“

جیسے ہی عنایہ نے کپ لبوں تک لے جا کر چکھا،

زیدان نے بغیر پلک جھپکے اسے اپنی طرف کھینچا...

ایک طویل، گہرا، خمار بھرا بوسہ۔ عنایہ نے زیدان کے کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھ خود کو گرنے سے سنبھالا۔ زیدان کے لمس میں رات سے زیادہ شدت تھی۔

وقت تھم گیا...

عنایہ کے لب کانپے، اس کی سانسوں کو مدھم پڑتے محسوس کر۔

زیدان نے آہستگی سے لب جدا کیے تو عنایہ نے حیا کی ادا سے نظریں جھکا کر اپنے ہاتھ چہرے پر رکھ لیے۔

زیدان کی سانسیں تیز، دل گرم، اور آنکھیں عشق سے نم۔



وہ عنایہ کو بانہوں میں اٹھائے واپس کمرے کی جانب قدم بڑھانے لگا...

محبت... برف کے درمیان جلتی ہوئی، خاموشی سے شور کرتی ہے۔

کمرے کی دیواریں شیشے کی تھیں، جن کے پار برف گر رہی تھی،

خاموشی میں چھپی ہوئی سرد ہوائیں،

اور اندر جلتی فائر پلیس کی نرمی...

سب کچھ جیسے عشق کی تصویر ہو۔

اندر کا کمرہ مکمل طور پر زیدان کی شان کے مطابق تھا،

چمکتے سنگِ مرمر کے فرش، سونے کی جھلک والے فانوس،

اور ایک بڑا سا بستر جس پر ریشمی سفید چادر پھیلی ہوئی تھی۔

زیدان...

اپنی بانہوں میں عنایہ کو اٹھائے، آہستہ آہستہ قدم رکھتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

عنایہ کا چہرہ شرماتے سے گلابی ہو چکا تھا۔

زیدان کے سینے سے لگی وہ محفوظ ترین لمحہ جی رہی تھی۔

زیدان نے اُسے آہستگی سے بستر پر بٹھایا،

خود گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

“عنایہ تم میرا وہ سکون ہو جس کی تلاش ناجانے میں کب سے کر رہا ہوں۔“

”یہ احساس کہ تم صرف میری ہو“...

”اس خاموش برف میں،

میری محبت کی حدت صرف تمہیں چھوئے گی۔“

عنایہ نے نظریں جھکا لیں،

اس کی پلکوں پر خواب تیر رہے تھے،  
اور زیدان کی نگاہوں میں بے قرار اریوں کا سمندر ٹھائے مار رہا تھا...  
وہ اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر چومتا ہے،  
پھر نرمی سے اس کے رخسار پر لب رکھتا ہے...  
”جب تم شرماتی ہو، میری دنیا تھم جاتی ہے“...  
عنایہ کی سانسیں تیز ہونے لگیں،  
اُس کی دھڑکنیں جیسے لفظوں کی بجائے  
صرف جذبات سے بولنے لگیں۔  
زیدان آہستہ آہستہ اس کے قریب آیا،  
ہر لمس میں محبت کی حدت،  
ہر بوسے میں بندگی کا رنگ...

عنایہ نے اپنی نظریں بند کر لیں،

وہ مکمل طور پر زیدان کے حصار میں تھی،

کسی خواب کی طرح، کسی دعا کی طرح۔

اور دھیرے دھیرے خود کو مکمل اُس کی محبت کے سپرد کر دیا۔

فائر پلیس کی روشنی میں دو سائے،

ایک دوسرے میں تحلیل ہو رہے تھے۔

زیدان نے عنایہ کو اپنے سینے سے لگایا،

اور کہا:

”مُعا ف کر نا نو رِ جا ن... تمہارے معاملے میں یہ دل میری بھی نہیں سنتا“

زیدان کی شدتوں سے نڈھال ہوتی اسی کے سینے میں چھپنے لگی۔

دبئی کے سفید سنگ مرمر سے تراشے گئے پیلس کے وسیع لان میں ہلکی دھوپ اور ٹھنڈی ہوا ماحول کو خوشگوار بنائے ہوئے تھی، مگر اُس دن کی اصل گرمی اُن چھ نوجوانوں کے بیچ ہونے والی نوک جھونک میں تھی۔

لان کے وسط میں موجود تینوں لڑکیاں مناہل حوریہ اور ایشال لان کے ہٹ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ مناہل اُسامہ کی باتوں سے اوزار بیٹھی فون میں خود کو مصروف دیکھا رہی تھی۔ حوریہ جو دُور بالکونی میں کھڑے اُسامہ تو کبھی سامنے بیٹھی مناہل کو دیکھ رہی تھی۔

تھک ہار کر حوریہ سے جب نہ رہا گیا تو مناہل کو اُسامہ کی جانب دیکھنے کو کہا۔ آپ اپنی ایک ہی بار اُسامہ بھائی سے بات کیوں نہیں کر لیتی۔

حوریہ کی بات پر مناہل نے اسے ایک سر پر رسید کی۔ جتنی ہو اتنی باتیں کیا کرو۔ دُور کھڑے اُسامہ نے دونوں کو باتوں میں مصروف دیکھا تو بھاگتا ہوا ان کے پاس چلا آیا۔

اُسامہ کو آتے دیکھ مناہل دھیرے سے بولی۔ لو اگیا لو فر۔۔ سر کھانے۔ حوریہ  
اُسامہ کو آتے دیکھ مسکرائی۔۔

اُسامہ آتے ہی مناہل کے پاس کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ جس پر مناہل نے اسے  
گھوری ڈالتے منہ پہر لیا۔

لگتا ہے کسی کو ہم بہت شدت سے یاد آرہے تھے۔ اُسامہ کی بات پر حوریہ نے  
جلدی سے زور زور سے ہاں میں سر ہلایا۔ اُسامہ حوریہ کے ایسے کرنے سے  
کھلکھلا کے ہنسا۔

عمار نے لان کے کونے میں کھڑے ہو کر گہرے انداز میں ایشال کو دیکھا، جیسے  
نظریں کچھ کہنا چاہ رہی ہوں۔ مگر اس سے پہلے وہ کچھ بولتا، ایشال نے نظریں  
چرائیں اور زیر لب بولی:

”پہلے دل توڑ کر گئے تھے، اب ہیر و بن کے آئے ہو؟ سوری عمار، اب سین چنچ  
ہو چکا ہے“!



عمار نے مسکرا کر سر ہلایا:

”تو پھر ویٹ کرتا ہوں... نئے سین میں میرا رول کب آئے گا؟“

ایشال نے طنزیہ ہنسی کے ساتھ پلٹ کر کہا:

”تمہارا رول؟ ہاں! بیک گراؤنڈ ایکٹر کا!“

پیچھے سے اُسامہ قہقہہ مار کے ہنسا:

”اوئے عمار بھائی، ایکسیپٹ کر لو، لڑکیاں ایڈیٹیوڈ والی ہوتی ہیں۔ ہم چپک کے

ہی جیتے ہیں!“

اسی لمحے مناہل نے گردن موڑ کر اُسامہ کو گھورا:

”چپکنے والے انسان میچ نہیں، مچھر لگتے ہیں!“

اُسامہ نے دونوں ہاتھ دل پر رکھ لیے:

”لو سن لو! محبت کی زبان نہیں، یہ تو انسُلٹ کا مکمل ٹیوٹوریل لے آئی ہے!“

اسی لمحے آصف چپ چاپ آکر حوریہ کے پاس بیٹھا، اور ہلکی سی آواز میں بولا:

”تم عجیب ہو... پر تمہاری ہر عجیب بات اچھی لگتی ہے۔“

حوریہ نے چونک کر دیکھا:

”کیا؟ تم نہ شاعری والے لوور ہو یا سلوپوائزن؟“

منابل نے زور سے ہنستے ہوئے کہا:

”یہ تو لوور بوائے 2.0 نکلا!“

عمار نے سنجیدگی سے کہا:

”یہ سین بہت آؤٹ آف کنٹرول ہو رہا ہے... سچیست کرتا ہوں، ایک کرکٹ

میچ ہو جائے!“

اُسامہ فوراً بولا:

”ہاں ہاں! گر لزور سس بوائےز... جہاں اصل ٹیسٹ ہو جائے۔ پاوریا

ایڈیٹیوڈ؟“

حور یہ اچھلی:

”ڈن! تم لوگ بال پکڑنا تو سیکھ لو پہلے!“

ایشال نے نخرے سے بالوں کو پیچھے کیا:

”اور تمہارا اُسامہ، گراؤنڈ میں فلرٹ کرنے آئے گا یا بیٹنگ؟“

اُسامہ نے سینہ چوڑا کیا:

”میں دونوں کر سکتا ہوں۔ بیٹنگ بھی، اور دل جیتنے والی چیٹنگ بھی!“

مناہل نے آنکھیں گھمائیں:

”چلو پھر طے ہے... کل شام پانچ بجے میچ، جوہارے گا، اگلے ہفتے ناشتہ سرونگ

کرے گا!“

عمار نے سنجیدگی سے کہا:

”اور اگر بوائےز جیت گئے... تو؟“

حوریہ نے شرارت سے کہا:

”تو... جیتنے والا ایک ایک سیلفی ہر لوزر لڑکے سے لے گا۔ شر مندہ چہرے کے

ساتھ!“

سب کے قہقہے پورے پبلس کے لان میں گونج اٹھے۔

کرکٹ کا میدان تیار ہونے لگا، اور دلوں کی نئی جنگ — ہنسی مذاق، چھیڑ چھاڑ، اور شاید چھپے جذبات کی شروعات ہونے والی تھی۔

پردور کھڑا وقت ایک نئے امتحان کو بن رہا تھا ”زیدان کی قید میں پڑا ظفر، دن رات بس ایک لمحے کے انتظار میں تھا — رہائی کے لمحے کا نہیں، بلکہ بدلے کے اُس وار کا... جس سے زیدان خاندانی طاقت، عزت اور سکون سب کچھ کھودے۔

ظفر کی آنکھوں میں جلتی نفرت کی آگ، اس وقت مزید بھڑک اٹھی جب ایک سیاہ نقاب پوش شخص اُس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

”وقت آگیا ہے... زید ان کو ختم کرنے کا“...

وہ شخص دھیرے سے بولا، اور ظفر کی ہنسی قید خانے کی دیواروں سے ٹکرا کر گونجنے لگی۔

”یہی لمحہ تو چاہیے تھا... اب کھیل ہم کھیلیں گے، اور بادشاہی اُس کی نہیں، ہماری ہوگی۔“

دوسری طرف، محل کے لان میں قہقہوں کی گونج تھی...

مگر کسی کو خبر نہ تھی،

کہ ان کے ہنسی کے بیچ...

ایک خطرناک طوفان آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہا ہے۔\*\*“

نور وک آئر لینڈ پر شام کے سائے پھیل چکے تھے۔ سردی کی شدت بڑھ گئی تھی، مگر اس بھگیقتی فضا میں دو جسم ایک جان بنے، محبت کی آنچ پر ہر موسم کو مات دے رہے تھے۔ عنایہ کب سے جاگ چکی تھی۔ خود کو زیدان کی محبت کے حصار میں گم کیے، وہ بس اُسے نہارے جا رہی تھی۔ عنایہ کے ہاتھ زیدان کی دھاری دار واڑھی میں الجھے تھے، اور وہ خیالوں کی دنیا میں کھوئی، زیدان کے چہرے کو تکے جا رہی تھی۔

زیدان نے اپنی خمار بھری آنکھیں کھول کر اُس کے مسلسل چلتے ہاتھوں کو روک دی۔ اُس کی نظروں کی شدت نے عنایہ کے دل کی دھڑکن تیز کر دی۔

”کیا ارادہ ہے؟“



زیدان نے شوخی سے کہا اور اُسے اپنی باہوں کے حصار میں قید کر لیا۔ عنایہ کا ہاتھ اب زیدان کے سینے پر تھا، اور زیدان کی انگلیاں اُس کی سنہری زلفوں میں الجھنے لگیں۔

زیدان کو پھر سے صبح والی شدت میں جاتا دیکھ کر عنایہ ایک دم جھٹکے سے اُٹھ بیٹھی۔ معصوم سا چہرہ بنا کر بولی،

”زیدی... مجھے بھوک لگی ہے، چلو کچھ کھاتے ہیں!“

زیدان نے اُس کے ماتھے پر خوف سے چمکتے موتی دیکھے اور مسکرا دیا۔

اُس کے ماتھے پر بوسہ دے کر آہستہ سے بولا:

”یہ مت سوچنا بھوک کا بہانہ تمہیں میری قربت سے بچالے گا۔ میری نیند توڑنے کی سزا تو ملے گی، جانِ نور...“

عنایہ کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ زیدان ہنستے ہوئے اٹھا،

”چلو، کچھ مزیدار کھاتے ہیں“!

دونوں بچن کی طرف بڑھے۔ راستے میں عنایہ نے زیدان کا ہاتھ تھام لیا۔ اُن کی آنکھوں میں خوشی کی چمک تھی۔ بچن میں پہنچ کر زیدان نے کچھ خاص بنانے کا سوچا۔

عنایہ نے شوق سے کہا:

”زیدی، میں بھی آپ کی ہیلپ کرتی ہوں“!

یہ لمحے زیدان کے لیے کسی خواب سے کم نہ تھے۔ وہ دنیا جسے وہ بس عنایہ کے لیے چھپا کر رکھنا چاہتا تھا، آج اُس کے سامنے جیتی جاگتی حقیقت بن چکی تھی۔ مگر کہیں دل کے کونے میں اپنوں کو کھونے کا خوف، سانپ بن کر پھر سے سر سرانے لگا تھا۔

دونوں نے مل کر خوب مستی کی، ہنسی مذاق کیا، اور وہ لمحے گزارے جو ان کے رشتے میں نئی جان ڈال رہے تھے۔

Click On The Link Above To Read More Novels / ☎ / ✉ [0344 4499420](https://www.zubinovelzone.com/)

<https://www.zubinovelzone.com/>

عنایہ نے پانی لے کر زیدان کے چہرے پر اچھال دیا۔ زیدان اُس کے پیچھے دوڑا۔  
وہ چاہتا تو ایک ہی جھٹکے میں عنایہ کو پکڑ لیتا،

مگر اُس کی ہنسی، اُس کی معصومیت زیدان کے اندر دفن زندگی کے خوابوں کو پھر  
سے زندہ کر رہی تھی۔ وہ یہ زندگی اب صرف عنایہ کے ساتھ جینا چاہتا تھا۔

عنایہ تھک ہار کر کچن کی شیلف پر بیٹھ گئی اور زیدان کو دیکھنے لگی، جو اُسے خوش  
کرنے میں مگن تھا۔ زیدان کی محبت اور توجہ نے اُسے دل کی گہرائیوں تک خوشی  
دی۔

جلد ہی زیدان نے ڈش بنا کر ٹیبل پر رکھی اور عنایہ کو شیلف سے اپنی گود میں اٹھا  
کر ٹیبل پر لے آیا۔

وہ عنایہ کو اپنے ہاتھوں سے کھلانے لگا،

اور ساتھ ہی اُس کے ہاتھوں کی گستاخیاں بھی حدیں پار کرتی جا رہی تھیں۔

کھانے کے بعد دونوں نے مل کر کچن صاف کیا۔

پھر زیدان، عنایہ کو گود میں اٹھا کر فائر پلیس کے پاس صوفے پر لے آیا۔ وہ اُسے اپنی گود میں لیے بیٹھ گیا اور پھر...

صبح تک زیدان کی محبت بھری شدت کا سلسلہ جاری رہا۔

عنایہ اُس کی شدت سہتے، بس اُسی کی باہوں میں پناہ لیتی رہی۔

سنگِ مرمر سے تراشے فارم ہاؤس کی دیواریں،

اور باہر گرتی برف،

اُن کی محبت کی خاموش گواہ بن چکی تھیں۔

رات کے سکون میں،

وہ ایک دوسرے کی موجودگی میں گم،

محبت کی ایک اور خوبصورت یاد،

نور وک آئر لینڈ کی ہواؤں نے اپنے دامن میں سمیٹ لی۔

صبح کی نرم دھوپ جب فارم ہاؤس کی بڑی شیشوں والی کھڑکیوں سے اندر اُتری، تو اس کی کرنیں زیدان کے چہرے پر پڑیں۔

زیدان نے آنکھیں کھول کر پہلا منظر جو دیکھا وہ عنایہ تھی، جو اُس کی بانہوں میں سکون سے سو رہی تھی، جیسے ساری دنیا کے خوف سے محفوظ ہو۔

زیدان کی انگلیاں آہستہ سے عنایہ کے گال کو چھونے لگیں۔

”تم نے میرے اندر وہ سب کچھ جگا دیا ہے، جسے میں نے خود ہی دفن کر دیا تھا“...

زیدان کے لبوں سے نکلا یہ سچ، اُس کی روح کا اقرار تھا۔ عنایہ آہستہ سے کروٹ بدل کر اُس کے سینے پر سر رکھتی ہوئی بولی،

زیدی... کیا آپ ہمیشہ میرے ساتھ ایسے ہی رہیں گے؟“

زیدان نے گہرا سانس لیا،

عنایہ! تم مجھ سے دور مت جانا، ورنہ زیدان نہیں بچے گا... صرف ایک خونخوار

سایہ رہ جائے گا”!

عنایہ نے مسکرا کر آنکھیں بند کر لیں۔

وہ لمحہ، خاموشی میں لپٹا ہوا ایسا اقرار تھا جسے الفاظ کی حاجت نہیں تھی۔

چھ ہی دیر میں زیدان کے فون کی واٹریشن نے وہ لمحہ توڑ دیا۔

یدان نے فون اٹھایا،

شاہ، کچھ خاص ہوا ہے؟”

وسری طرف سے زیدان کے آدمی نے اطلاع دی کہ دُبئی میں AUM کے

ایک اڈے پر خفیہ طور پر کسی نے نظر رکھی ہے۔

زیدان کی آنکھوں کا سکون ایک لمحے میں غصے میں بدل گیا۔



کون ہے جو میرے قانون کو چیلنج کر رہا ہے؟”

عنایہ نے زیدان کا چہرہ غور سے دیکھا،

کیا ہوا زیدی؟ آپ پریشان لگ رہے ہیں...”

زیدان نے فوراً خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی،

کچھ نہیں جان نور، بس معمولی بات ہے، میں ہوں نا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔”

لیکن عنایہ جان چکی تھی، زیدان کا چہرہ کچھ اور کہہ رہا تھا۔

زیدان اٹھ کر اپنے آدمیوں سے بات کرنے چلا گیا، اور عنایہ دل میں وہ وسوسے

پالنے لگی، جوہر محبت کرنے والی لڑکی پالتی ہے،

”کیا میری محبت ایک بار پھر اُس کے خونی دائرے میں کھو جائے گی؟ یا میں

زیدان کو اُس اندھیرے سے نکال پاؤں گی؟”

مافیا کراؤن کے محل کالان آج کرکٹ کا اسٹیڈیم بن چکا تھا۔ لڑکیوں نے دعویٰ کیا تھا۔ ”ہمیں ہرا کے دکھاؤ!“ اور لڑکے بولے تھے۔ ”ہار نہیں، دل دیں گے!“

ٹاس ہوا۔ عیشال نے جیت لیا۔

”ہم بیٹنگ کریں گے، تاکہ تم لوگ شروع سے ہی دباؤ میں آ جاؤ!“

عیشال نے بال سنبھالتے ہوئے کہا، اور ایمر نے آنکھوں ہی آنکھوں میں چیلنج قبول کیا۔

پہلی گیند: عیشال بمقابلہ ایمر

ایمر نے بالنگ کی۔

عیشال نے پلوں کی جنبش کے ساتھ شوٹ مارا۔ سیدھا چھکا!

”یہ دل پر لگنے والے شاٹ تھے، ایمر بھائی، بچپن کی یادیں ہی کام آئیں!“

مناہل نے تالی بجاتے ہوئے کہا۔

دوسری گیند: حوریہ بمقابلہ اسیم

حوریہ نے چھوٹی سی چھلانگ ماری، بیٹ گھمایا، اور کیچ سیدھا اسیم کے ہاتھوں

میں —

مگر...



”اسیم! کیچ کیوں چھوڑا؟“

”کیا کروں... اُس نے مسکرا کر دیکھا تھا!“

سب قہقہے لگا اٹھے۔

”ہائے! اب یہ نظروں کے کیچ بھی ہونے لگے؟“ مناہل نے چٹکی لی۔

تیسری گیند: مناہل بمقابلہ اسامہ

اسامہ نے پلاننگ سے یار کر ماری، مگر مناہل نے پنکھا بنا کر گھمایا۔

”بال لگے نہ لگے،” attitude 100 ka tha!

اسامہ ہنسا، ”شکر ہے بیٹ لگا، ورنہ یہ مجھے ہی مار دیتی!”

اب باری لڑکوں کی — لڑکیاں بالنگ پر

عیشال نے ایمر کو بال کی۔

ایمر نے چھکامارنے کی کوشش کی، مگر بال ہوا میں —

مگر عیشال نے جان بوجھ کر کیچ چھوڑا۔

”میں نے کہا تھا، تمہارے دل کی وکٹ تو پہلے ہی گرا چکی ہوں!”

ایمر نے نظریں جھکا کر ہنستے ہوئے سر ہلایا۔

اسامہ کی بیٹنگ — مناہل کی بالنگ

بالنگ سے پہلے مناہل نے دھمکی دی:

”اگر چھکامار اتوا گلے ہفتے تمہاری ہر فیل چٹیاں لیک کر دوں گی!”

اسامہ نے چپ چاپ سنگل لیا۔

”زندگی بچی تو پھر کھیلیں گے“!

آخری بال۔۔۔ حوریہ بمقابلہ اسیم

حوریہ نے بال کی اور چیخی، ”یہ love wala googly ہے“!

اسیم ہنسا۔۔۔ شوٹ مارا۔۔۔ بال ہوا میں، اور حوریہ نے دوڑ لگادی۔

مگر پاؤں پھسل گیا۔

اسیم نے فکر مندی سے پکڑا،

”میں صرف شوٹ پر ہار مانتا ہوں، تم پر نہیں“!

حوریہ شرماتا کرا اٹھی، اور سب نے تالیوں سے اس منظر کو سراہا۔

میدان میں ہنسی، روشنی اور محبت تھی۔۔۔ مگر فضا میں اب خطرے کی بو آرہی تھی۔۔۔

سب دوستوں کی ہنسی اور سیلفیوں کے شور میں کوئی نہ جان سکا...

کہ اسی محل کے پچھلے حصے میں،

سیکیورٹی کی وردی پہنے ایک نیا چہرہ آج پہلی بار ڈیوٹی پر آیا ہے —

جس کا نام کسی لسٹ میں موجود نہیں...

نہ ہی کوئی اسے جانتا ہے، نہ پہچانتا ہے۔

وہ خاموشی سے سر جھکائے،

CCTV کنٹرول روم تک پہنچا — اور ایک ڈیوائس لگا کر

ریکارڈنگ کا ڈیٹا شفٹ کر دیا۔

اس کے کان میں ایک خفیہ ایئر پیس تھا،

جس سے آواز آئی:

”کام مکمل ہوتے ہی، محل کی بیک انٹری سے نکل جانا۔ ظفر تمہارا منتظر ہے“...



یہ شخص اصل دشمن کا بھیجا ہوا شطرنج کا پیادہ تھا،  
جو زیدان کے سسٹم میں بغیر آواز کیے گھس چکا تھا۔  
محل میں سب کچھ نارمل تھا۔

مگر اگلے لمحے، ظفر کے سامنے بیٹھا وہ شخص، اپنے جوتے سے چھوٹی سی چپ نکال  
کر اس کے سامنے رکھتا ہے۔

ظفر مسکراتا ہے۔

”تو... شاہ کے محل میں سانپ چھوڑ دیا؟“

”نہیں... صرف ایک سایہ۔ جو سانس بھی لے تو آہٹ نہ دے۔“

”خوب۔ زیدان کو پتا بھی نہ چلے گا کہ کون اُس کی گیم بورڈ پر اگلا مہر رکھ چکا  
ہے۔“

ظفر کی آنکھوں میں چمک تھی، مگر اس کے ساتھ بیٹھا شخص اب بھی خاموش تھا۔

اس کی انگلی میں ایک سیاہ انگوٹھی، جس پر یونانی حرف 'Φ' بنا ہوا تھا۔

یہ ظفر نہیں تھا۔ اصل کھلاڑی ابھی چھپا بیٹھا تھا۔

اور زیدان خانزادہ کی سلطنت میں...

خاموشی سے طوفان داخل ہو چکا تھا۔



انج زیدان نے عنایہ کو وعدے کے مطابق آئر لینڈ کے سمندر کی خوبصورتی کا سفر کروانا تھا۔ عنایہ کے چہرے پر زیدان کی محبت کے رنگ چھلک رہے تھے۔

زیدان فارم ہاؤس کی داخلی راہداری میں ٹہلتا عنایہ کا انتظار کر رہا تھا۔

زیدان کے لئے ایک پل کو دنیا تھم گئی۔ جب فارم ہاؤس کی راہداری سے چلتی ہوئی عنایہ زیدان کی جانب چل رہی تھی۔ سُرخ رنگ کے پھنے اس زمین کو چوتھے ویسٹرن لباس میں عنایہ کسی پری پا کر کا مجسمہ لگ رہی تھی۔ کچھ زیدان کی دی محبت کے رنگ نے عنایہ کی خوبصورتی دل کو بے قرار کرنے کے لئے کافی تھی۔

زیدان اپنی جگہ سٹل عنایہ کو دیکھتا رہا نظروں کو ہٹانا مشکل ہو گیا۔ اس کی رگوں میں حق ملکیت کے جذبات کی لہر دوڑ گئی۔ عنایہ دھیرے سے چلتی زیدان تک آئی۔ نظروں کا ٹکراؤ ہوا۔ اور دل کی دنیا اُتال پٹھل ہو گئی۔

عناہ کے آنے پر شیپ کے کپتان نے چلنے کا اشارہ کیا۔ زید ان عناہ کا ہاتھ تھم سے جھٹکے سے اپنے قریب کیا۔ ”اس لباس سے زیادہ آپ پر میری محبت کا رنگ مجھے آپ کی جانب کھینچ رہا ہے۔ خیال رہے اتنی ہی دل پر بجلی گرائیں جسے آپ بعد میں خود پر سہ سکیں۔ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں بالکل میری لگ رہی ہیں۔“

عناہ کے چہرے پر زید ان کے اظہار سے ایک دل فریب مسکراہٹ اٹھری۔ اس کا ہاتھ تھم زید ان نے احتیاط سے عناہ کو شیپ پر چھڑنے میں مدد کی۔ کیپٹن سے ملتا وہ عناہ کو لے کر شیپ کی بیک اوپن سائڈ پر لے آیا۔ جہاں سے عناہ پورے آئر لینڈ کے خوبصورت مناظر کو دیکھ سکتی تھی۔

عناہ شیپ پر بیٹھتے ڈر رہی تھی۔ کیونکہ شیپ کی بیک سائڈ کمپلیٹ اوپن تھی۔ شیپ کی بونداری کے ساتھ ساتھ بیضوی شکل میں نرم سیٹنگ بنائی گئی تھی۔ زید ان کی نظر ایک پل کے لئے بھی عناہ سے ہٹ نہیں رہی تھی۔

شیپ اب اپنے سفر کا آغاز کر چکی تھی۔ عنایہ دور چمکتے پہاروں کی خوبصورتی کو دیکھ قدرت کی خوبصورتی سے سرشار ہو رہی تھی۔ زیدان کے لئے یہ لمحہ اتنا خوبصورت تھا کہ عنایہ کے ایک ایک چہرے پر ائے خوشی کے رنگوں کو اپنے فون کے کیمرہ میں محفوظ کر لیا۔

اچانک عنایہ کی نظر پانی میں چلتی مچھلیوں کے غول پر پڑی۔ عنایہ ایک دم خوش سے اٹھ کر سمندر کی جانب تھوڑا جھک کر زیدان کو پکارنے لگی۔ اسے یوں جھکا دیکھ زیدان ایک ہی جست میں اس تک آیا اور بازوؤں سے پکڑ کھینچ کر سیدھا کیا۔ پاگل ہو کیا کر رہی تھی۔ اگر گر جاتی۔۔۔ عنایہ زیدان کی فکر دیکھ کچھ پریشان ہوئی۔ زیدان نے اسے شانوں سے پکڑ دیکھنے لگا کہیں چوٹ تو نہیں آئی۔ عنایہ نے ہلکے سے سر کونہ میں ہلایا۔ زیدان نے فوراً اُسے اپنے سینے میں بچ لیا۔

عنایہ آپ کو ایک خروش بھی نہیں آنی چاہیے۔ زیدی میں تو وہ۔۔ زیدان نے پھر سے اسے اپنے سینے سے لگالیا۔ نجانے کیوں پر زیدان کے دل میں عنایہ کو کھونے کا خوف بری طرح سے گھر کر گیا تھا۔

عنایہ کے جسم میں کپکپاہٹ محسوس کر زیدان خود کو نور مل کر تادور ہوا اور پیار سے پوچھا اچھا بتاؤ ایسا کیا دیکھ لیا تھا۔ تو عنایہ سب بھول زیدان کا ہاتھ تھم شپ کے اسی کارنر پر لے گی جہاں اس نے مچھلیوں کا وہ غول دیکھا تھا۔

دونوں اب سمندر کی آبی مخلوقات کو دیکھ سفر کا مزہ لے رہے تھے۔ سمندر کی طرف دیکھتے عنایہ سے باتیں کرتے زیدان کی چیل جیسی آنکھوں نے گھاٹ لگے دشمن کو پہچان لیا۔ عنایہ خوف زدہ نہ ہو جائے زیدان نے اپنے چہرے پر ایسے کوئی تاثر نہیں آنے دیا۔

زیدان نے کیپٹن کو آواز دیتے شپ کی رفتار مزید تیز کرنے کو کہا۔ عنایہ کو بہانہ بناتے وہ شپ کے اندرونی حصے میں لے گیا۔ کچھ بھی ہو جائے وہ عنایہ کو نقصان



نہیں پہننے دے سکتا تھا۔ دشمن نے اس طرح گھاٹ لگا کر زید ان کے سوتے

جانور کو جاگادیا تھا

عنایہ کو چینیج کرنے کا بولتے اسے واشروم میں جھج کر اپنی گن میں میگزین فکس

کر تاروم کو لاک کر باہر a گیا۔ کیپٹن کو ہدایت دیتے شپ کی رفتار بے حد

سست روی پرانے دی۔ ایسا کرنے کا مقصد دشمن کو چکما دینا تھا جو وہ دینے میں

کامیاب ہو چکا تھا۔

شپ کے قریب چار بلیک سوگ سوٹ میں تیرتے آدمی پانی کی اوپری سطح پر

آئے۔ زید ان کو تنہا دیکھ۔ شپ پر داخل ہونے لگے۔ زید ان کیپٹن کے روم سے

پہلا فائر کرتا باہر نکال آیا۔ اُن چاروں نے فوراً سے اپنی پوزیشن سنبھالتے

فائرنگ سٹارٹ کر دی۔

واثر و م میں چینج کرتی عنایہ گولیوں کی آواز سن خوف سے وہیں بیٹھتی چلی گئی۔  
ایک دم ذہن بھال ہونے پر اسے زید ان کی فکر ہوئی۔ اُسے اپنے زیدی کے پاس  
جانا تھا وہ اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی اسے۔

دوسری طرف زید ان اور ان آدمیوں میں مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی۔ کیپٹن  
نے صورتحال کو دیکھتے شیپ کی رفتار خطرناک حد تک تیز کر دیا۔ جس کا فائدہ  
اٹھاتے۔ زید ان نے سامنے نکلتے دونوں ہاتھوں کی گن سے فائر اوپن کر دیا۔ پر  
دونوں طرف گولیوں خاتم ہو چکی تھی۔

عنایہ مسلسل زید ان کو پکارتی دروازہ کھولنے میں ہلکان ہو رہی تھی۔ باہر زید ان  
اور وہ چاروں اب ہاتھوں سے لڑ رہے تھے۔ زید ان صرف دماغی نہیں بلکہ  
جسمانی طور پر بھی ایک مضبوط چٹانی وجود کا مالک تھا۔ دو کو وہ پہلے وار میں ہی ختم  
کر چکا تھا۔

وہ دونوں آدمی ایک ساتھ زیدان پر جھپٹتے سامنے سے آنے والے کو زیدان نے گردن میں بازو ڈال دبوچ لیا۔ پر پیچھے سے وار کرنے والے نے تیز دھار چاقو سے زیدان کی کمر میں وہ چاقو خوب دیا۔ زیدان درد سے قراہ اٹھا۔

زیدان کو زخمی دیکھ دوسرے نے زیدان پر پھر سے جھپٹا اس طرح گٹھم گٹھا ہوئے زیدان نے ایک کے سر پر گن کا پچھلے حصے سے زبردست ضرب لگائی شیپ کے کنارے پر ہونے کی وجہ سے وہ آدمی سمندر کی نظر ہو گیا۔

اب شیپ پر زیدان اور دشمن کا بھجا ایک آدمی باقی تھا۔ جسے اب زیدان کے ہاتھوں جہنم واصل ہونا تھا۔ عنایہ مسلسل دروازہ بجا رہی تھی اس کی آواز سن وہ آدمی مکر و شیطانت دیکھتے دروازے کی جانب چل پڑا جسے زیدان نے پیچھے سے ایک زوردار ضرب لگائی جس کی وجہ سے وہ آدمی دروازہ توڑ عنایہ کے پیروں میں گرا۔

اس اچانک حملے پر عنایہ خوف سے پیچھے کو بھاگی۔ زیدان اور وہ آپس میں بری طرح ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے اس آدمی نے زیدان کے سر پر ٹیبل پر پڑا گلدان اٹھا مارا اب زیدان زمین پر تھا اور وہ آدمی بیٹھا زیدان کے زخم میں ہاتھ ڈال دباؤ بھرا رہا تھا۔

زیدان کی وحشت ناک چیخ سمندر کی لہروں میں طوفان برپا کر چکی تھی۔ عنایہ یہ دیکھ بنا کچھ سوچے سمجھے زیدان کی گری گن اٹھا کر اس آدمی کی طرف چلا دی۔ گولی اُس آدمی کے بازو کو چیر چکی تھی پر زیدان کو اُسے اٹھا کر پٹھکھنے کا موقع مل گیا۔ اور اگلے ہی وار میں زیدان اس کی گردن توڑ چکا تھا۔

عنایہ بھاگتی زیدان کے سینے الگی۔ کچھ نہیں ہوا عنایہ میرے ہوتے کچھ نہیں ہو گاتھیں۔ وہ وہ آپ زیدی۔ وہ ٹوٹے لفظوں میں زیدان کی باہوں میں کانپتی اُس آدمی کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ زیدان نے اس کا چہرہ اپنے سینے سے نکال

اپنے ہاتھوں کے پیلے میں بھرا۔ شہُ شہُ کچھ نہیں ہوا۔ آپ نے کچھ نہیں کیا  
- اب وہ عنایہ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کیپٹن کو کہتے اب شپ کارخ فارم ہاؤس کی طرف تھا۔ دوسری طرف زیدان  
نے پبلس میں موجود عمار اُسامہ عاصم کو الٹ کر دیا۔ اُن دونوں پر حملہ اُن سب  
کو پریشان کر چکا تھا۔ پبلس میں ہلچل مچ چکی تھی۔

فارم ہاؤس پونچھتے ہی زیدان کی گاڑی تیار کھڑی تھی ایئر پورٹ لیجانے کے لئے  
- اپنے زخم کی پرواہ کئے بنا وہ اپنا اور عنایہ کا سامان اٹھائے گاڑی کی طرف بھرا۔  
عنایہ روکی اور موڑ کر فارم ہاؤس کو بھگھی نگاہوں سے دیکھا رہی تھی۔ عنایہ کی  
آنکھوں میں آنسوں دیکھ زیدان کی آنکھوں میں دشمن کی موت کی دردناک  
داستان کی قسم لکھی جا چکی تھی۔

زیدان نے عنایہ کا آہستہ سے ہاتھ کھینچ چلانے کا کہا۔ تو وہ بھیگی آواز سے بولی۔  
ہم یہاں واپس تو آ پائے گئے نہ۔ زیدان نے آگے بھرتے اسے سینے سے لگائے



۔ ”میں وعدہ کرتا ہوں ہم ضرور آئیں گے۔ اپنے ادھورے خواب پورے کرنے

۔ پر اس وقت آپ کی سیفٹی میرے لیے سب سے زیادہ اہم ہے۔ ”

پھر وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ ایئرپورٹ کے لئے نکل چکے تھے۔ عمار حاوی فورس

کے ساتھ دبئی ایئرپورٹ پر موجود تھا۔ زیدان کے آرڈر پر پورے ایئرپورٹ

کی سیکورٹی ہائی الرٹ ہو چکی تھی۔ زیدان کو ان لوگوں کا آئر لینڈ میں ہونا اس

بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اُس پر مکمل نظر رکھی گئی ہے۔ اس لیے وہ مزید خطرہ موڑ

نہیں لے سکتا تھا۔

دبئی ایئرپورٹ پر جیسے ہی جہاز رُکا، زیدان خانزادہ کی آنکھوں میں آتش فشاں

دھک اٹھا۔ پورا ٹرمینل اُس کی واپسی کی خبر پر الرٹ تھا۔ عملہ، اسامہ اور عاصم پہلے

سے اپنی ٹیموں کے ساتھ صف بستہ کھڑے تھے۔

زیدان نے بنا کسی توقف کے عنایہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما اور گھمبیر لہجے میں کہا:

”ایک لمحے کے لیے بھی یہ میری نظروں سے اوجھل نہ ہو۔ ”



پھر اُس نے سر دنگاہ عملہ پر ڈالی۔

”اندرونی حصے کا پورا ونگ خالی کراؤ۔ صرف میرا حکم چلنا چاہیے۔“

عنایہ نے بے چینی سے پوچھا، ”زیدی... آپ کہاں جا رہے ہیں؟“

زیدان نے پلٹ کر اُس کے بال پچھلے کان کے پیچھے کیے، آواز میں فولادی ٹھہراؤ

تھا:

”میں وعدہ کرتا ہوں، سب ختم کر کے لوٹوں گا۔ تب تک تم بس سانس لو...“

میرے لیے۔“

---

محل کا بھونچال

پیس کے دروازے کھلتے ہی حفاظتی دستوں نے راہداریوں کو سیل کر دیا۔ ہر

کونے میں سیاہ وردی والے محافظ مستعد تھے۔ انایہ کو زنان خانے کی محفوظ ترین

سوٹ تک پہنچایا گیا، جہاں دیواروں میں خفیہ کیمروں سے لے کر بایو میٹرک  
لاک تک ہر حد لگ چکی تھی۔ دروازہ بند ہوتے ہی عنایہ نے للچاتی نگاہ سے باہر  
دیکھا۔ دل کو انجانا خوف جکڑ رہا تھا۔

”زیدان... جلدی لوٹ آنا،“ اُس نے ہلکی آواز میں دُعا سی کی۔

---

زیر زمین راہداری

مرمر کے فرش تلے تنگ، گہرے رستے۔ پُر اسرار سرخ بتیاں، اور دیواروں پر  
نمی کے دھبے۔ قدموں کی دھمک سے سارے سناٹا لرز رہا تھا۔ زیدان آگے بڑھتا گیا،  
اپنے اندر ابلتے لاوے کو قابو میں رکھے؛ حتیٰ کہ آخری فولادی دروازے کے  
سامنے رُک گیا۔

دروازہ کھلتے ہی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے اس کی پیشانی چھوئی۔ اندر نیم تاریکی میں زعفران نجیروں سے جکڑا ایک لوہے کی کرسی پر بیٹھا تھا۔ ہاتھ پشت پر بندھے، ہونٹوں پر خوں رنگ مسکراہٹ۔

ظفر نے قہقہہ لگایا، ایسی بازگشت جو پتھر یلی دیواروں سے ٹکرا کر سرسرائی:

”واپس آہی گیا شاہِ درندہ! کیا سمندر کی لہروں میں خون کا مزہ کم پڑ گیا تھا؟“

زیدان خاموشی سے آگے بڑھا۔ سیاہ کوٹ کی جیب سے خنجر کی ہلکی سی جھلملاہٹ نمودار ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں وحشت اور زخمی غرور تھا، آواز میں برف جیسی سفاکی:

”تو نے میرے وجود کو لکارا ہے، ظفر۔ اب ہر سانس کا حساب دینا پڑے گا۔“

میں جانتا ہوں تجھے اس انسان کے بارے بہت اچھے سے پتا ہے۔“

ظفر نے زعفران نجیروں کو کھڑکھڑاتے ہوئے سرد ہنسی چھوڑی:

”خبر؟ خبر تو اس سایے نے دی ہے جو تیرے اپنے خون میں چھپا بیٹھا ہے۔“

وہ جھکا، آنکھوں میں پاگل روشنی تھی۔ ”اصل کھیل اب شروع ہو گا، پرانا

دوست۔“

زید ان کے قدم رک گئے۔ ہال میں صرف دل دھڑکنے کی آہٹ سنائی دیتی تھی۔ اس نے خنجر کی دھارا نگلی سے چھوٹی، جیسے انتقام کو پر کھ رہا ہو۔ پھر آہستہ سے جھک کر زافر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں:

”اگر سایہ میرے ہی خون سے ہے تو سب سے پہلے خون ہی بہے گا۔ مگر فیصلہ یہی تہہ خانے کرے گا... آج، ابھی!“

ظفر کے چہرے پر سناٹے کو چیرتی ہنسی پھیل گئی۔ زنجیروں کی جھنکار تیز ہوئی۔ بلب کی زرد روشنی میں دونوں کی صورتیں نیم تاریکی میں نقش ہو گئیں۔ ایک انتقام کی آگ، دوسرا چیلنج کی ہنسی۔

جب سے زید ان عنایہ کو چھوڑ کر گیا تھا، عنایہ ایک پل کے لیے بھی سکون سے نہیں بیٹھ پائی تھی۔ وہ بار بار دروازے کی طرف دیکھتی، کھڑکی سے باہر جھانکتی، جیسے اُس کے دل کی دنیا صرف زید ان کے وجود سے آباد ہو۔ اُس کی سانسیں، اُس کی دھڑکنیں، سب زید ان کے لیے بے قرار تھیں۔

زید ان کے حکم پر ایشال، مناہل اور حوریہ کو بھی عنایہ کے ساتھ اُس ہی سوئیٹ میں رکھا گیا تھا، جہاں نگرانی کے لیے چھوٹے چھوٹے کیمرے ہر دیوار، ہر کونے میں نصب کیے گئے تھے۔ پولیس ایک محفوظ قلعے کی مانند تھا، لیکن اس لمحے زید ان کے اندر کا طوفان اس قلعے کو بھی لرزا رہا تھا۔

پورے پولیس میں افراتفری کا عالم تھا۔ زید ان اپنے مخصوص انداز میں سیٹنگ ایریا میں صوفے پر بیٹھ تھا۔ لہو چھلکتی آنکھیں ضبط سے اُبھرتی نیلی موٹی رگیں۔

سب لوگوں کو پیلس کی چیکنگ پر لگایا گیا تھا۔ کہیں نہ کہیں زیدان کو شک پیلس میں آنے والے جاسوس پر تھا۔ پیلس کا چپا چپا چھنا جا رہا تھا۔ اور کچھ ہی لمحوں میں زیدان کا شک حقیقت بن کر سامنے تھا۔

پیلس کے کنٹرول روم میں نصب کی ہوئی چپ اور سی سی ٹی وی فوٹیج نے سب واضح کر دیا تھا۔ زیدان کا غصہ ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا۔ عمار عاصم اسامہ کو شدت سے محسوس ہوا کہ آج وہ لاپرواہی برت چکے ہیں۔

کنٹرول روم کی سکرین پر نظر آنے والے انسان کو دیکھ سب ہی اُس کمرے میں موجود افراد کو اپنی بے درد موت زیدان کی آنکھوں میں واضح دکھائی دے رہی تھی۔

زیدان نے موڑ عاصم کی جانب دیکھا۔ جس کا اشارہ سمجھتے عاصم اور اسامہ اسی وقت اُس آدمی کو اٹھانے نکال گئے۔ سبھی لڑکیوں کی سکیورٹی کو مزید بہتر کرتے زیدان ایک اور قہر کی داستان رقم کرنے نکل چکا تھا۔



پرانے صنعتی ایریا کے بند گودام کا بیسمنٹ—ہر طرف تاریکی، دیواروں پر زنگ، چھت سے ٹپکتا پانی، اور بیچ میں الٹا لٹکا کر روسیوں سے بندھا ہوا، "حیدر ملک"... زیدان کے رحم و کرم پر تھا۔

حیدر کی خاطر تواضع عاصم اور اُسامہ پہلے ہی اچھی خاصی کر چکے تھے۔ حیدر کے چہرے سے ہوتا ہوا خون اُس کے بالوں سے ٹپک رہا تھا۔ حیدر زبردست ضربوں کی وجہ سے نیم بے ہوش ہو چکا تھا۔ اپنے قریب آتے بھری حبات ناک قدموں کی آہٹ سن حیدر کی آنکھوں کے پوٹوں میں حرکت ہوئی۔

قدموں کی آواز اپنے مزید قریب آتے محسوس کر حیدر کی آنکھوں کو موت اپنے قریب آتے دکھائی دی

زیدان خانزادہ سیاہ قمیص، آستینیں چڑھی ہوئیں، کلائیوں پر خون کے دھبے، آنکھوں میں ایسا زہر، چہرے پر چٹانوں سی سختی کہ موت بھی ٹھٹک جائے۔

زیدان کو اپنی طرف اتنا دیکھ حیدر نے اپنی زندگی کی بھیگ مانگنی بہتر سمجھا۔

”زیدان... میں نے کچھ نہیں کیا... میں نے صرف وہی کیا جو...”

اس کی بات زیدان کے تیردھر چاقو نے درمیان میں کاٹ دی۔ اور پورا  
بیسمنٹ چیخوں سے گونج اٹھا۔

زیدان کی بے رحم، اور سرد آواز نے چیخوں کے تسلسل کو توڑا۔

”جھوٹ اُس دیمک کے جیسا ہے جو دھیرے دھیرے بنیادوں سے چاٹا پوری  
عمارت کھوکھلی کر دیتا ہے... اور تو وہ دیمک ہے جس کا آخری لمحہ تیرے ختم  
ہونے سے پہلے گزر چکا۔”

زیدان نے کہتے وہی چاقو حیدر کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ جس پر عام کا نشان  
کندو تھا۔

”یہ وہی چاقو ہے جس سے بڑے بڑے دشمنوں کی جہنم کی تلاش ختم ہوئی ہے...  
آج وہی چاقو تیرے اندر کے کتے کو تلاش کرے گی...”

یہ کہتے ہی حیدر کی آنکھوں میں چاقو کی دھار چمکی، اور اگلے لمحے ہایدر کی چیخیں سے بیسمنٹ کے درودیوار لرز اٹھے۔

زیدان نے ہر وار اس جگہ کیا جہاں انسانیت سب سے زیادہ تکلیف محسوس کرتی ہے۔ وہ صرف سزا نہیں دے رہا تھا، وہ پیغام دے رہا تھا:

”خانزادہ کا قانون یہ ہے... دھوکہ سزا نہیں، عبرت بنتا ہے۔“

اب بیسمنٹ کے بچوں بیچ حیدر کی الٹی لٹکتی لاش تھی زیدان شان سے چلتا اپنی سربراہی کرسی پر براجمان ہوا۔ ایک سرد سانس فضا میں آزاد کرتے نظریں اٹھا سامنے نصب کیے کیمرے پر اٹھائیں۔ یہاں ہونے والا مکمل انصاف زیدان نے ریکارڈ کر وایا تھا۔

کیمرے کا لنز کھینچ اپنے چہرے کے بالکل مقابل کیا۔ پھر اپنی وحشت سے بھری آواز میں ایک پیغام اپنے حریف ساتھی عرف دشمن کو دیا۔

میں جانتا ہوں تو یہ دیکھ رہا ہے...

تیرا بھاکتا تو اپنی منزل پر جھج دیا۔ جو پنچہ تو نے یہاں گھڑا وہ تو میں نے اوکھر پھکا ہے اب تو بھاگ، جتنا بھاگ سکتا ہے بھاگ۔۔۔ کیونکہ تو اب زیدان خانزادہ کے ریڈار پر ہے۔ تیری ہر سانس کے ساتھ تجھے موت کی گونج سنائی دے گی۔

زیدان نے اپنی بات ختم کی اور کمرے میں موجود خاموشی کو محسوس کیا۔ اس کے الفاظ کی گونج ابھی بھی دیواروں سے ٹکرا رہی تھی، اور ہر شخص اس کی موجودگی کا بوجھ محسوس کر رہا تھا۔ زیدان نے گہری سانس لی اور اپنے ارد گرد موجود لوگوں کی طرف دیکھا، جو اس کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔

عاصم اور اسامہ نے سر ہلایا، ان کی آنکھوں میں وفاداری کی چمک تھی۔ وہ جانتے تھے کہ زیدان کے ساتھ رہنا آسان نہیں تھا، لیکن وہ اس کی قیادت پر بھروسہ کرتے تھے۔

زیدان نے اپنی نظریں دوبارہ کیمرے کی طرف کیں، جیسے وہ اپنے دشمن کو براہ راست دیکھ رہا ہو۔ ”یہ صرف شروعات ہے،“ اس نے دھیمی لیکن مضبوط آواز میں کہا۔ ”خانزادہ کا قانون کبھی نہیں بدلتا۔“

پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا، پیچھے اپنے ساتھیوں کو چھوڑتے ہوئے جو جانتے تھے کہ ان کے سامنے ایک نیا چیلنج ہے۔ پولیس میں ہر چیز کی نگرانی جاری تھی، اور زیدان کے دشمن جانتے تھے کہ اب ان کے پاس زیادہ وقت نہیں بچا ہے۔ زیدان کی موجودگی ان کے لئے ایک مسلسل خطرہ تھی، اور وہ جانتے تھے کہ انہیں جلد ہی کوئی قدم اٹھانا ہوگا۔

زیدان کے قدموں کی چاپ پولیس کے ہر کونے میں گونج رہی تھی، جیسے وہ خود ایک سایہ بن کر اپنے دشمنوں کی تلاش میں نکل پڑا ہو۔ اس کی آنکھوں میں عزم کی چمک تھی، اور اس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ پولیس کے باہر، رات کی تاریکی میں، زیدان کے وفادار ساتھی اسامہ اور عاصم اس کے پیچھے



چل رہے تھے، ان کی نظریں اس پر مرکوز تھیں، جیسے وہ اس کے ہر اشارے کو سمجھنے کے لئے تیار ہوں۔

زیدان نے پبلز کے مرکزی دروازے کے قریب پہنچ کر ایک لمحے کے لئے رک کر اپنے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ اس کی نظریں دور افتق پر مرکوز تھیں، جہاں اس کے دشمنوں کی موجودگی کا احساس اسے بے چین کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ جنگ صرف جسمانی نہیں بلکہ ذہنی بھی ہے، اور اسے ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا ہوگا۔

”ہمیں ہر زاویے سے چوکنار ہونا ہوگا،“ زیدان نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ لڑائی صرف طاقت کی نہیں بلکہ حکمت کی بھی ہے۔“

عاصم اور اسامہ نے اس کی بات کو سمجھتے ہوئے سر ہلایا، اور زیدان کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے لگے۔ ان کے دل میں یقین تھا کہ زیدان کی قیادت میں وہ ہر چیلنج کا سامنا کر سکتے ہیں۔



زیدان نے پبلس کے باہر کھڑے ہو کر ایک آخری نظر اندر کی طرف ڈالی، جہاں عنایہ اور دیگر لڑکیاں محفوظ تھیں۔ یہ یقین دہانی اسے آگے بڑھنے کی ہمت دے رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی ذمہ داری صرف انتقام لینا نہیں بلکہ اپنے لوگوں کی حفاظت بھی کرنا ہے۔

رات کی خاموشی میں، زیدان اور اس کے ساتھی ایک نئے مشن کی طرف بڑھنے لگے، جہاں ہر قدم ایک نئی کہانی کی شروعات کا پیش خیمہ تھا۔ ان کے دلوں میں عزم کی روشنی تھی، اور ان کی آنکھوں میں ایک خواب تھا—زیدان خانزادہ کا خواب، جسے وہ ہر حال میں پورا کرنا چاہتے تھے۔

پبلس کے ایک الگ کمرے میں، وہ تمام لڑکیاں—عنایہ، ایشال، مناہل اور حوریہ—ایک ساتھ بیٹھی تھیں۔ ہر ایک کی آنکھوں میں خوف، پردلوں میں امید کی ایک رمت تھی۔ کمرے کی فضا میں خاموشی تھی، لیکن اس خاموشی میں ایک عجیب سا سکون تھا، جیسے طوفان کے بعد کی خاموشی ہو۔

عناہ بار بار دروازے کی طرف دیکھتی، جیسے ابھی زیدان آجائے گا۔ اس کے دل میں بے چینی تھی، مگر اس کی آنکھوں میں ایک خاص چمک بھی... وہ چمک جو صرف محبت میں ڈوبا ہوا دل ہی جانتا ہے۔

”عناہ، ”ایشال نے دھیمی آواز میں اُس کا ہاتھ تھاما، ”زیدان بھائی تمہیں کچھ ہونے نہیں دیں گے... ہم سب یہاں اسی لیے ہیں، کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ ہم محفوظ رہیں۔“

عناہ نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا، مگر اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

”مجھے زیدان سے بات کرنی ہے... بس ایک بار... صرف ایک بار اسے دیکھنا ہے۔“

مناہل نے اپنی چادر عنایہ کے گرد لپیٹی، ”دیکھو... تمہیں ہمت نہیں ہارنی۔ تم زیدان خانزادہ کی بیوی ہو، وہ سب کچھ چھوڑ سکتا ہے... تمہارے لیے، تمہاری حفاظت کے لیے۔“

حوریہ نے آگے بڑھ کر سب کے ہاتھ تھامے، ”ہم سب ایک دوسرے کے لیے یہاں ہیں۔ اور یاد رکھو، جتنی بڑی یہ اندھیرے کی رات ہے، صبح بھی اتنی ہی روشن ہوگی۔“

عنایہ نے سر اٹھا کر تینوں کو دیکھا، ”تم لوگ میری فیملی بن گئی ہو... اور زیدان میری پناہ ہے۔ جب وہ میرے پاس ہوتا ہے تو ساری دنیا چھوٹی لگتی ہے۔“

اس لمحے، ان چاروں کے چہروں پر ایک جیسی شجاعت ابھری۔ ایک دوسرے کا حوصلہ بن کر، وہ اس کمرے کی چار دیواری میں قید نہیں تھیں۔ وہ ایک دوسرے کی طاقت تھیں۔

کمرے کے باہر سکیورٹی اہلکار گشت پر تھے، اور ہر طرف نگرانی جاری تھی۔ مگر ان چار دلوں میں ایک ہی دعا تھی—سب ٹھیک ہو جائے، زیدان صحیح سلامت لوٹ آئے، اور یہ اندھیرے ہمیشہ کے لیے چھٹ جائیں۔

دوسری طرف زیدان اپنی مخصوص بلیک لینڈ کروزر میں بیٹھا، سرد نگاہوں سے اندھیرے میں کھویا ہوا تھا۔ شہر کی روشنیوں سے دور، وہ ایک خفیہ مقام کی جانب بڑھ رہا تھا—وہ مقام جہاں اس کے دشمن کی موجودگی کی پکی خبر ملی تھی۔

”ہم قریب ہیں،“ عمار نے دھیمی آواز میں کہا۔

زیدان نے بس سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں میں بے رحم سکوت تھا۔ وہ جنگجو تھا...

لیکن آج اس کے اندر کچھ اور بھی تھا—ایک عجیب سا بے چینی کا احساس۔

گاڑی ایک ویران گودام کے سامنے رکی۔ سرد ہوا چل رہی تھی، اور ماحول میں موت کی بو محسوس ہو رہی تھی۔

”تم سب باہر رہو، ”زیدان نے کہا اور تنہا اندھیرے گودام میں داخل ہو گیا۔  
قدموں کی چاپ... زنگ آلود درود دیوار... اور بیچ میں وہ مقام جہاں دشمن کے  
آنے کی توقع تھی۔

زیدان نے خود کو مکمل طور پر تیار رکھا— جسمانی طور پر بھی اور ذہنی طور پر  
بھی۔ مگر پھر...

پھر وہ آیا۔

ایک سایہ... آہستہ آہستہ زیدان کے سامنے ابھرتا گیا۔ جیسے جیسے چہرہ روشنی میں  
آتا گیا، زیدان کی نظریں تنگ ہونے لگیں۔ اُس کے دل کی دھڑکن ایک لمحے کو  
رک گئی۔

”یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ زیدان نے خود سے سرگوشی کی۔

ایک لمحے کے لیے جیسے وقت تھم گیا ہو۔

وہ شخص... وہ دشمن... جس سے زیدان برسوں سے نفرت کرتا آیا تھا...

زیدان کے لبوں سے کوئی لفظ نہیں نکل پایا، مگر اس کے چہرے پر ایک واضح حیرت، صدمہ اور شک کا طوفان چھا گیا۔

پیس کی دہلیز سے گودام تک ہر قدم زیدان خانزادہ کے ارادوں کی گرج سے گونج رہا تھا۔ سیاہ لینڈ کروزرز کا قافلہ دبئی کی سنسان رات کو چیرتا ہوا گزر رہا تھا، جیسے موت خود اپنے پاؤں پر نکل پڑی ہو۔

ہر گاڑی میں موجود زیدان کے وفادار، خاموش اور الرٹ، ساتھی تھے اور سب سے آگے — زیدان خود۔ چہرے پر بے رحمانہ سکون، آنکھوں میں خنجر جیسی چمک اور وجود سے ٹپکتی ایسی ہیبت، جیسے رات بھی اس کے سامنے جھک جائے۔



گودام کے باہر پہنچتے ہی زیدان نے ہاتھ کے ایک اشارے سے ساتھیوں کو ان کی پوزیشنز لینے کا حکم دیا۔ عمار، اسامہ، عاصم اور باقی تربیت یافتہ گارڈز چیتے کی مانند دبے قدموں اندھیرے میں تحلیل ہو گئے۔ زیدان خود ایک ستون کے پیچھے کھڑا ہو گیا، جہاں سے وہ داخلی دروازے پر مکمل نظر رکھ سکتا تھا۔ ماحول میں صرف گھڑی کی ٹک ٹک اور خاموش سانسوں کی آواز گونج رہی تھی۔

تبھی، سیاہ رنگ کی ایک گاڑی اندھیرے کو چیرتی ہوئی آہستہ سے رکی۔ جیسے وقت تھم گیا ہو۔ دروازہ کھلا، اور ایک رعب دار، بلند قد امت وجود نمودار ہوا۔

—سایے سا۔ زیدان کی آنکھوں میں شعلہ لپکا۔

”عبید اللہ“ ...

یہ نام جیسے زہر بن کر لبوں سے نکلا۔ وہی شخص جو ہنزہ میں نیکی کا لبادہ اوڑھے سر تیج کی شکل میں چھپا بیٹھا تھا، آج حقیقت کے دھارے پر بے نقاب ہونے آیا تھا۔ نفرت کی ایک گہری لہر اس کی نساو میں دوڑ گئی۔

”حملہ کرو!“ زیدان کی گرج دار آواز فضا میں گونجی، اور پل بھر میں گولیاں گونجنے لگیں۔ گودام قیامت خیز میدانِ جنگ میں بدل چکا تھا۔ عمار نے دائیں جانب کے محافظوں کو گرا دیا، اسامہ بائیں سمت دشمنوں سے لڑ رہا تھا۔ ہر گولی، ہر چیخ جیسے برسوں کا بدلہ چکا رہی تھی۔

دھواں چھٹا، شور تھا۔ اب صرف دو وجود باقی تھے: زیدان اور عبید اللہ۔

”تو وہی سانپ ہے... جو برسوں سے نیکی کا کھول چڑھائے کتنی ہی زندگیوں کا قتل ہے؟“ زیدان کی آواز میں غضب کی گرج تھی۔

سردار عبید اللہ نے قہقہہ لگایا، ایک مکروہ، زہریلا قہقہہ۔

چلو تو آج تیرے پیروں کی زمین بھی کھینچ لیتا ہوں۔ جس لڑکی کے لئے آج تو

گھائل شیر کی طرح سب تھاس نہس کرنے کے لئے تیار ہے اُس کی اصل

حقیقت تیرا یہ غرور، تیری شان سب ریت کے جسے بکھر جائے گا۔

”جاننا چاہتا ہے؟ کون ہے عنایہ۔۔۔؟“

عناہ کے نام پر زیدان غزو غضب سے دھارا۔

تیری ہمت کسے ہوئی میری عورت کا اپنی غلیظ زبان سے نام لینے کی۔

سردار زیدان کی حالت دیکھ پھر سے قہقہہ لگاتے بولا۔

عناہ... وہ تیری بیوی نہیں، میری ناپاک پہچان ہے۔ میری بیٹی ہے،

کیا بکو اس کر رہا ہے۔ میں تیری جان لے لوں گا۔

میں نے دنیا سے چھپا کر پھینک دیا اسے۔ لیکن تو تو پھر سے اسے ڈھونڈ کر

میرے سامنے لے آیا۔ جب مجھے پتہ چلا وہ تمھاری بیوی ہے کھیل کا مزہ تو تب آیا۔

تجھے مارنے کے لیے تیری کمزوری ہونا ضروری تھا اب عناہ میری بیٹی ناجائز بیٹی

ہے جو تیرے دل میں جگہ بنا بیٹھی ہے۔ اور یہی میرے زوال کی دلیل ہے۔

اسے مٹانا ہے۔”

زیدان کا وجود ایک لمحے کو منجمد ہو گیا۔

”تو اپنی ہی بیٹی کو ختم کرنے آیا ہے؟ صرف اس لیے کہ وہ میرے دل کی

دھڑکن اور تیرے چھپے گئے گناہ کی پر چھائی ہے؟“

”جنگ میں جیتنے کے لیے کبھی کبھی اپنا خون بھی قربان کرنا پڑتا ہے،

“come on u know everything is fair in love

”-and war

”عبید اللہ نے زہر آلود لہجے میں کہتے قہقہہ لگایا۔

زیدان نے بندوق نیچے پھکی، آستین چڑھائی، اور پل میں اس کا مکہ عبید اللہ کے

جبرے پر جا پڑا۔ اور پے در پے مارتا ہی چلا گیا۔

دھماکہ، تصادم، خون، غضب—جیسے آسمان بھی لرزا اٹھا ہو۔

”عناہ میری کمزوری نہیں، میری طاقت ہے۔ اور میں وہ زیدان ہوں جو اپنی عورت کے لیے دنیا جلا سکتا ہے۔“

چند لمحے بعد، عبید اللہ زمین پر نیم جان پڑا کر اہر ہاتھا۔ زیدان اس کے قریب جھکا اور سرگوشی میں بولا:

”مرنے سے پہلے تجھے جینا سکھاؤں گا۔ تیری ہاری ہوئی جنگ اب تیرے اندر سلگے گی۔“

وہ ڈھیٹ انسان پھر بول اٹھا۔ اپنی عناہ کو اس سچ کی تکلیف سے کسے بچا پائے گا۔ تیرے سامنے تیری عناہ ریت کے جسے ریزہ ریزہ ہو جائے گی اور تو کچھ نہیں کر پائے گا۔

زیدان موڑا۔ آنکھوں اپنی محبت کی طاقت لیئے بولا۔ ”اتنا تو۔ تو بھی جانتا ہو گا مرد کی پسندیدہ گھوری اور عورت دونوں اتھری ہوتی ہیں۔ اور انہیں صرف ان کا پسندیدہ مرد قابو کر سکتا ہے۔“

اب تو دیکھ جیسے تو میری کمزوری بنا کر استعمال کرنے والا تھا وہ کیسے میری طاقت بن کر تیرہ وجود بکھر کر رکھ دے گی۔ یہ عنایہ کے زیدی کا وعدہ ہے۔

زیدان سردار عبید اللہ کو زمین پر اسی حالت میں چھوڑتا باہر کی جانب نکالتا چلا گیا۔

واپسی کے سفر میں گاڑی کے اندر گہری خاموشی تھی جو ہزار باتیں کر رہی تھی۔

عمار نے آہستہ سے پوچھا:

”خان عنایہ کو کیسے...؟“

زیدان کی نظریں کھڑکی سے باہر ستاروں میں الجھی ہوئی تھیں۔

”یہ سچ عنایہ تک نہیں پہنچے گا۔ وہ میری ہے، میری دنیا کی روشنی۔ اور میں اس کا عکس بھی ماند نہیں پڑنے دوں گا۔ عورت بہت طاقتور ہوتی ہے زخموں سے چور ہونے کے بعد بھی پھر سے کھڑے ہونے کی طاقت رکھتی ہے میں اپنی عنایہ



کو اتنا مضبوط بناؤں گا دنیا کی کوئی طاقت اسے ہلا نہیں سکے گی ” باقی کاراستہ مکمل خاموشی میں گم رہا۔

پیس واپس پہنچ کر، زیدان سیدھا عنایہ کے کمرے کی طرف گیا۔ دروازہ کھولا، وہ چاروں حیران چہرہ لیے کھڑی ہو گی تو عنایہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

زیدان کی آنکھوں میں اب شدت نہیں تھی، بلکہ ایک خاموش محبت اور تحفظ کا احساس تھا۔ کچھ ایسا جس کی گہرائی نیپی نہیں جاسکتی تھی وہ آہستہ سے قریب آیا، نرمی سے اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا، اور دھیرے سے بولا:

”سب ٹھیک ہو جائے گا، بس مجھ پر یقین رکھو۔ تم میری کمزروی نہیں طاقت ہو“

سینے میں طوفان، لبوں پر سکون۔ کیونکہ زیدان جانتا تھا— عنایہ کو وہی حقیقت دکھانی ہے جو اس کے دل کو محفوظ رکھے۔ ”زیدان نے آنکھیں بند کر لیں، شاید پہلی بار اپنی آنکھوں میں نمی کو چھپاتے ہوئے۔“

رات کے پچھلے پہر، دبئی کے ویران محل کی راہداریوں میں ایک سناٹا تھا۔  
اندھیرے میں ایک سیاہ گاڑی آہستہ سے رکی، اور اس کا دروازہ کھلا۔ لمبا، وجیہہ،  
خطرناک شخصیت کا مالک زیدان خانزادہ اپنے مخصوص انداز میں نیچے اترے۔  
زیدان جب پیس واپس آیا تو سیدھا رخ عنایہ کو جس سکیورٹی روم میں رکھا تھا  
وہاں چل پڑا۔ اُسے بس جلد سے جلد عنایہ کو دیکھنا تھا۔ سینے سے لگانا تھا۔ وہ زخم  
جو وہ ابھی سینے پر رکھ کر آیا اس پر اپنی عنایہ کی محبت کی مرہم لگانی تھی۔

زیدان کتنی ہی سیری کے اسٹیپ ایک ساتھ پھلنگتا گیا۔ دروازے کے باہر پہنچ  
 زیدان ایک پال کے لئے روکا۔ دل میں عہد کیا کہ وہ عنایہ کو اس جنگ میں نہیں  
 کو دے دے گا۔ وہ اس سب سے عنایہ کو چھپالے گا۔

ایک گہری سانس فضاء میں خارج کرتے دروازے کا ہینڈل گھومتے دروازہ  
 کھول اندر بھرا۔ عنایہ بیڈ پر بیٹھی زیدان کے جیکٹ کو باہوں میں بھرے  
 دوسری طرف رخ کیے لیٹی ہوئی تھی۔ زیدان کے چہرے پر ایک سکون کی لہر  
 دوڑ گئی۔

جانی پہچانی وہی خوشبو جو عنایہ کے سانس میں بس چکی تھی جب اُس کی ناک کی  
 نتھنوں سے ٹکرائی تو جھٹکے سے اٹھ بیٹھی اور پلٹ کر دیکھا۔ ایک لمحہ ضائع کیے بنا  
 وہ بھگتی زیدان کے سینے الگی۔

آپنے دل میں لگے عنایہ کے حصار کا مرہم محسوس کر زیدان کے پورے بدن  
 میں ایک برقی روح دھر گئی۔ ایک بھرپور سکون اس کی روح میں اتر گیا۔

آپ کہاں چلے گئے تھے مجھے چھوڑ کر میں کتنی پریشان ہو گی تھی۔ مجھے لگا میں آپ کو پتہ نہیں کب دوبارہ دیکھ سکوں گئی۔ زیدان آرام سے عنایہ کو اپنے حصار میں لیتا اپنے روم کی طرف چلا پڑا اس وقت کچھ چاہیے تھا تو وہ تھا عنایہ سے سکون جو اُسے صرف عنایہ کی محبت بھری پناہوں میں میسر تھا۔

ان کے جانے کے بعد عمار اُسامہ عاصم اندر آگئے بھر ر کرتینوں سے ملے۔ وہ بھی بہت گھبرائی ہوئی تھی حوریہ عاصم کے سینے جا لگی اور ایشال کو عمار نے اپنے سینے سے لگا لیا۔ یہ دیکھ اُسامہ مناہل کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ جس کو مناہل خاطر میں نہ لیتی ہوئی ہوا میں اراتی روم سے باہر نکل گئی۔ بیچارے اُسامہ بچوں سے منہ بنائے کھڑا رہا گیا۔

زیدان عنایہ کو لئے اپنے کمرے میں چلا آیا۔ عنایہ جو کب سے زیدان کی واپس آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اب اس کے واپس آنے پر ایک پل کے لئے بھی اُس

سے دور نہیں ہو رہی تھی۔ زیدان نے اس کے گرد ہاتھ حائل کر اپنے سینے میں  
بچ لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

اچانک عنایہ کا گن پکڑ کر چلنا وہ منظر آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ تو زیدان نے  
آنکھیں کھول اپنے ہاتھوں کے پیلے میں اس کا چہرہ لیا۔ عنایہ۔۔۔ ہم۔۔۔ وہ  
اس کے شرٹ کے بٹن سے کھلتی بولی۔

عنایہ میری طرف دیکھیں میں اگر آپ سے کچھ مانگو تو دیں گی۔ وہ کچھ کنفیوز  
ہوتی بولی۔ آپ کے پاس سب کچھ تو ہے زیدی میں آپ کو کیا دے سکتی ہوں۔  
بہت کچھ بس آپ مجھ سے وعدہ کریں۔ آپ اپنے زیدی کے جسے بہادر اور نڈر  
بنے گی۔

آپ کو لگتا ہے میں ڈرپوک ہوں۔ نہیں۔۔ میری عنایہ نور جو اپنے زیدی کو  
تکلف میں دیکھ گن اٹھا کر چلا سکتی ہے وہ ڈرپوک نہیں ہو سکتی۔ تو پھر۔۔؟ پھر  
یہ کہ آپ بس تھوڑی کمزور ہیں آپ کو تھوڑا طاقت ور بنا ہو گا۔



آپ بنائیں گے مجھے طاقتور بلکل کیوں نہیں۔ میں اس کنگ کی کوین کو اس کنگ سے بھی زیادہ طاقتور بناؤں گا۔ عنایہ خوشی سے اپنا ہاتھ اگئے کرتی بولی۔ وعدہ۔۔۔ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے زیدان بولا۔ پکا وعدہ میری کوین۔۔۔

اب زیدان کا مقصد صرف ایک تھا وہ اپنی عنایہ کو اتنا مضبوط بنانے کا کہ دنیا کی کوئی انسانی طاقت اُس کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ اسے لیے بیڈ پر آیا اور اُسے لیٹا اس کے سرہانے ہی بیٹھ گیا۔

زیدان نے عنایہ کو اپنے قریب محسوس کرتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت عنایہ کی خوشی اور حفاظت کی تھی۔ اس نے عنایہ کو آرام دہ محسوس کرانے کے لیے نرم لہجے میں بات شروع کی۔

”عنایہ، یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ محفوظ رہو۔ میں تمہیں اس دنیا کی تمام مشکلات سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔“



عنایہ نے زیدان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا، ”مجھے آپ پر پورا بھروسہ

ہے، زیدی۔ میں جانتی ہوں کہ آپ ہمیشہ میرے ساتھ ہیں۔“

زیدان نے مسکراتے ہوئے عنایہ کے ہاتھ کو تھام لیا۔ ”ہم مل کر اس دنیا کا سامنا کریں گے، اور میں تمہیں کبھی بھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔“

عنایہ نے زیدان کی باتوں سے سکون محسوس کیا۔ وہ جانتی تھی کہ زیدان کی محبت اور حفاظت ہمیشہ اس کے ساتھ ہوں گی۔ دونوں نے ایک دوسرے کی موجودگی میں سکون پایا اور مستقبل کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھا۔ سورج ابھی پوری طرح چمکا نہیں تھا، آسمان پر نارنجی روشنی بکھری تھی، جب زیدان عنایہ کے کمرے کا دروازہ دھیرے سے کھول کر اندر آیا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک سیاہ رنگ کا ٹریننگ ڈریس تھا اور چہرے پر وہی سنجیدہ، سرد سا سکون، جو ہمیشہ کسی خطرناک فیصلہ کے وقت ہوتا تھا۔

”اُٹھو، عنایہ نور... آج سے تم زیدان خانزادہ کی رانی نہیں، اُس کی جنگجو ہو۔“

عنایہ آنکھیں مسلتی، حیرت سے اُٹھ بیٹھی۔

”زیدی؟ اتنی صبح؟ کیا ہوا؟“

”وقت ہو گیا ہے تمہیں اپنے اندر چھپی اُس عورت سے ملوانے کا، جو دشمن کو

گھٹنوں پر لاسکتی ہے۔ تمہاری معصومیت خوبصورت ہے... لیکن دنیا صرف

خوبصورتی کو دیکھ کر چھوڑتی نہیں، روند ڈالتی ہے۔ اور میں اپنی ملکہ کو روندے

جانے کے لیے نہیں چھوڑ سکتا۔“

عنایہ کے دل میں ہلچل مچ گئی۔

”مگر مجھے لڑنا نہیں آتا... مجھے تو کبھی کسی سے اونچی آواز میں بات کرنا بھی نہیں

آئی۔ سونے دیں نہ زیدی“

زیدان اُس کے قریب آیا، اُس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھے:

”یہی کمزوری میں ختم کرنا چاہتا ہوں۔ تمہیں طاقتور بنانا چاہتا ہوں۔ جسمانی طور پر بھی... اور ذہنی طور پر بھی۔“

عنایہ خاموشی سے اُس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی، پھر ہولے سے بولی:

”آپ ساتھ ہوں گے؟“

زیدان نے نرمی سے اُس کا ماتھا چوما:

”ہر لمحہ، ہر قدم پر، میں تمہارا سایہ بن کر ساتھ ہوں گا۔“

زیدان اُسے پیلس کے اندر موجود ایک خفیہ ہال میں لے گیا، جہاں دیواروں پر ہتھیار، پرفارمنس سکرینز، اور مختلف مشقوں کے آلات نصب تھے۔ ہال میں فوجی ٹرینرز کی طرح تیار کردہ دو خواتین اور ایک مرد انسٹرکٹر پہلے سے موجود تھے۔

عنایہ کی نظریں اُس ہال کو حیرت سے گھورنے لگیں۔

”یہ... سب میرے لیے؟“

”نہیں، یہ تمہاری آنے والی جنگوں کے لیے ہے۔ تمہیں دشمن کے سامنے جھکنا نہیں، بلکہ اُن کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر کہنا ہے I am the Mafia : Queen.“

اتنی دیر میں باقی سب بھی تیار ہو کر اچکے تھے۔ ایشال مناہل حور یہ یہ سب دیکھ کچھ بھی سمجھ نہیں پار ہی تھیں مناہل زیدان کی جانب بھرتے بولی بھائی یہ سب کیا ہے؟ اور اس سب سے ہمارا کیا تعلق۔۔۔

زیدان نے اسامہ کو اشارہ کیا زیدان کا اشارہ ملتے ہی اسامہ اگتے بھرتے ایک بریف کیس اٹھالایا۔ اور لڑکیوں کے سامنے رکھی میز پر رکھ کھول دیا۔ جس میں جدید دور کی گن موجود تھی۔

عنا یہ حیرت سے زید ان کو دیکھ رہی تھی، اور باقی لڑکیاں — ایشال، مناہل اور حوریہ — ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں، جیسے ابھی ابھی انہیں کسی خفیہ مشن پر بھیج دیا گیا ہو۔

”بھائی! یہ کیا سین ہے؟ ہم کوئی ایجنٹ ہیں کیا؟“ مناہل نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اور ایک بھنویں اٹھا کر پوچھا۔

زید ان نے ایک دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ اسامہ کی طرف دیکھا۔ اسامہ نے بریف کیس کھولا اور اس میں موجود جدید ہتھیاروں پر ہاتھ پھیرا۔

”تم سب میری دنیا ہو۔ اور اب یہ دنیا محفوظ نہیں۔ اب وقت ہے تم سب کو لڑنا سیکھنے کا۔“ زید ان کی آواز میں وہی خطرناک ٹھہراؤ تھا۔

عنا یہ نے گھبرا کر زید ان کا بازو تھاما، ”زیدی... مجھے یہ سب بہت عجیب لگ رہا ہے۔ میں گن پکڑ کر کانپنے لگتی ہوں۔“

”تو پھر کانپتے ہاتھوں سے دشمن کی جان لینا سیکھو، تاکہ وہ جان سکیں کہ خالص دل والی عورت بھی شیرنی بن سکتی ہے۔“ زیدان نے آنکھوں میں چمک کے ساتھ جواب دیا۔

اسی لمحے ٹریننگ ہال کی لائٹس فل کر دی گئیں۔ انسٹرکٹرز سامنے آئے، ایک سخت مزاج عورت، دوسری بالکل آرمی آفیسر جیسے انداز میں، اور ایک مرد انسٹرکٹر جس کے چہرے پر زبردستی سنجیدگی طاری تھی۔ حالانکہ اس کی مونچھوں کو دیکھ کر حوریہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

”یہ کیا ہے؟ خفیہ مشن یا کوئی ڈرامہ سیریل؟“ حوریہ نے ایشال کے کان میں سرگوشی کی۔

ایشال نے گھور کر اسے دیکھا، ”چپ کر، کہیں زیدان بھائی گن نہ پکڑا دیں ابھی۔“

انسٹرکٹرنے سب لڑکیوں کو قطار میں کھڑا کیا۔



”اب دھیان سے سنو! تم سب لڑکیاں صرف خوبصورتی کی علامت نہیں ہو، تم لڑ سکتی ہو، اور لڑو گی۔ ہر دن تمہیں جسمانی اور دماغی دونوں طاقت سے تربیت دی جائے گی۔“

مناہل نے فوراً سوال کیا، ”یہ سب کب تک چلے گا؟“

”جب تک تمہارے بازوؤں میں ایک دشمن کو زمین پر گرانے کی طاقت نہ آ جائے!“ انسٹرکٹر نے زوردار آواز میں کہا۔

پہلی مشق تھی، ”گن ہینڈ لنگ۔“

سب لڑکیوں کو الگ الگ جدید گن دی گئی۔

عنایہ نے جیسے ہی گن پکڑی، وہ جھٹکے سے زمین پر جا گری۔

”اوہ میرے خدا، یہ تو وزن میں بندوق نہیں کوئی لوہے کا ستون ہے!“

عنایہ نے روتے ہوئے آنکھوں سے زیدان کو دیکھا۔

زیدان نے ہنسی روک کر کہا، ”شروع میں سب کو بھاری لگتی ہے، لیکن جب تمھاری انگلی ٹریگر پر مضبوطی سے جم جائے گی تو دشمن کا وجود ہلکا لگے گا۔“

ایشال گن کو جیسے ہی ہاتھ میں لیتی ہے، وہ خود آئینے میں دیکھنے لگتی ہے، ”میں تو باقاعدہ جاسوس لگ رہی ہوں۔“

حوریہ گن کو ایسے تھامے جیسے مائیک ہو، ”ہائے اللہ! اگر ابا نے مجھے ایسے دیکھا تو سیدھا نکاح نامہ پھاڑ دیں گے!“

منّاہل نے ایک جھٹکے سے گن اٹھائی، اور مکمل فوکس کے ساتھ نشانہ لگایا۔

گولی سیدھی پلاسٹک مینکین کے ناک پر جا لگی۔

”واہ منّاہل! شادی کے بعد شوہر کا دماغ ایسے ہی نشانے پر رکھنا!“ ایشال کی آواز میں شرارت تھی۔

ٹرینر نے تالیاں بجائیں، ”Not bad!“ ایک شیرنی جاگ چکی ہے!“

پھر آیا،“فریکل اسٹریٹھ ٹیسٹ — ”

سب کورنگ، پش اپس اور فائٹ پوزیشن کی مشق کروائی گئی۔

عنایہ نے پہلی بار دوڑنے کی کوشش کی، تو سیدھا انسٹرکٹر سے جا ٹکرائی۔

”سوری، میں صرف خوابوں میں ہی بھاگ سکتی ہوں“!

زیدان نے دور سے مسکراتے ہوئے دیکھا، لیکن آنکھوں میں غرور اور محبت

دونوں صاف دکھائی دے رہے تھے۔ اس کی رانی صرف دل کی خوبصورت

نہیں تھی، وہ اب تلوار کی دھار بننے جا رہی تھی۔

مشق کے اختتام پر، سب لڑکیاں پسینے میں شرابور، لیکن چہروں پر ایک عجیب سی

خود اعتمادی تھی۔

زیدان نے سب کے سامنے آکر کہا:

”آج سے تم سب صرف میری فیملی نہیں، میری فوج ہو۔ اور تمہاری پہلی جنگ  
— تمہارے اندر کے خوف کے خلاف ہے۔“

عنایہ نے زیدان کی طرف دیکھا، اس کی نظروں میں اب صرف نرمی نہیں،  
طاقت کا عکس بھی تھا۔

”میں تیار ہوں، زیدی... اب صرف محبت نہیں، اب میں تمہاری طاقت بھی  
بنوں گی۔“

جیسے ہی اُس جدید بریف کیس کا ڈھکن کھلا اور اندر موجود چمچاتی ہتھیاروں نے  
سب کی آنکھیں خیرہ کیں، لڑکیاں ایک دوسرے کا منہ تکتے لگیں۔  
حوریہ کی چیخ نکلی:

”اوئے یہ تو فلموں والی گن لگ رہی ہے! بھائی کیا ہم کو بھی جیمز بانڈ بننا ہے؟“

زیدان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی، مگر اُس کی آنکھوں کی سنجیدگی ویسی ہی رہی۔

”نہیں حور یہ... تمہیں جیمز بانڈ نہیں، مافیا کوئین بننا ہے۔“

منابل نے فوراً ہاتھ کھڑا کر دیا۔

”میں پہلے ہی بتا رہی ہوں، مجھے دوڑنے سے الرجی ہے، پسینے سے دشمنی ہے اور

گن ہاتھ میں پکڑتے ہی میری نکسیر پھوٹ جاتی ہے!“

ایشال نے قہقہہ لگایا:

”تو کیا ہمیں لڈو کھیلنے کی ٹریننگ دی جائے گی؟“

انسٹرکٹر نے درمیان میں آکر ڈانگ زمین پر ماری—

”سکون! سب اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو جائیں!“

عنایہ زیدان کے برابر کھڑی تھی، اُس کی آنکھوں میں خوف کی جگہ اب تجسس تھا۔

انسٹرکٹرنے چیخ کر کہا:

”پہلا مرحلہ! خود پر قابو! جو چیخے گا، اُس کو تین بار زمین پر پیش اپس لگانی ہوں گی!“

حوریہ: ”میں چلاؤتی نہیں، میں چیختی ہوں... وہ بھی خود کار طریقے سے!“

اور اگلے ہی لمحے، انسٹرکٹرنے حوریہ کو زمین پر دھکیل دیا۔

”پیش اپس، تین نہیں، چھ!“

حوریہ: ”اف میرے ناخن... نیل آرٹ خراب ہو جائے گا!“

عمار ہنسی دباتے ہوئے بولا:

”کیا ہی خوبصورت دن ہے جب مافیا کونٹینرز میں چاٹ رہی ہوں!“



اسامہ نے سر ہلا کر مناہل سے کہا:

”تم کر سکتی ہو، میں یقین سے کہتا ہوں!“

مناہل نے غصے سے گھورا:

”تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے لائق سمجھنے کی؟“

عنایہ نے پہلی بار مضبوط لہجے میں کہا:

”بس کرو سب! اگر ہم واقعی مافیا کونینز ہیں تو ہمیں کم از کم اپنی عزت خود کرنی

ہوگی!“

زیدان کے چہرے پر فخر آیا، اُس نے دل ہی دل میں کہا:

”یہی ہے میری عنایہ نور... روشنی بنتی جا رہی ہے۔“

انسٹرکٹر:

”دوسرا مرحلہ! گن لوڈ کرنا، فائر کرنا، اور دشمن پر نشانہ لگانا!“

سب لڑکیوں کو پلاسٹک کی ٹریننگ گنز دی گئیں۔

حوریہ نے گن کو الٹا پکڑا، مناہل نے ٹریگر دبانے سے پہلے سیلفی لی، اور ایشال نے اپنی گن کو ”ببلو“ نام دے دیا۔

ایشال: ”ببلو آج سے تُو اور میں ٹیم“!

عناہ نے سب کی طرف دیکھا، گہری سانس لی اور زیدان کی بات یاد کرتے ہوئے، خاموشی سے گن اٹھائی، آنکھوں کے سامنے لے جا کر ایک پرفیکٹ پوز بنایا، اور نشانہ لے کر گولی چلائی۔

”ٹھاہ“!

نشانہ سیدھا ہدف کے بیچ میں! سب کی سانس رک گئی!

مناہل: ”اوہو... چھپی رستم“!

زیدان نے تالیاں بجائیں۔

”This is the beginning of my Mafia Queen...”

اب ٹریننگ فل ایشن میں تھی۔

کسی کا پیر مڑ گیا، کسی کی چنجیں نکل گئیں، اور کسی کو محبت ہو گئی اپنی ہی گن سے!  
لیکن وہ سب اب عام لڑکیاں نہیں تھیں... وہ بننے جا رہی تھیں خطرناک، حسین،  
اور ناقابل شکست—زیدان خندادہ کی کونینز!

انچ پورے ایک مہینے بعد ٹریننگ مکمل ہو چکی تھی زیدان نے ٹریننگ کے اختتام  
پر سب کو جمع کیا اور ان کی محنت کی تعریف کی۔ “آج تم سب نے اپنی ہمت اور  
طاقت کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ صرف آغاز ہے، اور میں جانتا ہوں کہ تم سب اس  
چیلنج کو قبول کر کے آگے بڑھو گی۔”

عنایہ نے زیدان کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں اعتماد کی چمک تھی۔  
 “زیدی، آپ نے جو خواب دیکھا ہے، ہم سب اسے حقیقت میں بدلنے کے لیے  
 تیار ہیں۔”

زیدان نے مسکراتے ہوئے کہا، “یہی جذبہ چاہیے۔ ہم مل کر اس دنیا کو بدلیں  
 گے، اور تم سب میری طاقت بنو گی۔”

سب لڑکیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ایک نئے عزم کے ساتھ اپنی  
 تربیت جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ یہ سفر آسان نہیں تھا، لیکن زیدان کی قیادت  
 میں، وہ جانتی تھیں کہ وہ کسی بھی چیلنج کا سامنا کر سکتی ہیں۔

رات کے آخری پہر میں، جب سب آرام کر رہے تھے، زیدان اپنے اسٹڈی روم  
 سے نکلتا اپنے کمرے میں آیا تو عنایہ کو بیڈ پر سجدے کی پوزیشن میں ہی سویا پایا۔  
 زیدان مسکراتا پاس جا کر جھک کر عنایہ کے چہرے پر اپنی آوارہ زلفوں کو ہاتھ کی  
 انگلیوں کے پوروں سے کان کے پیچھے کیا۔

اچانک زیدان کی نظر عنایہ کے سر کے نیچے دبی ڈائری پر پڑی۔ جس کے صفحے  
انسوں سے گیلے ہو چکے تھے۔ زیدان نے چونکہ احتیاط سے ڈائری نکالی۔ جسے  
جسے زیدان پڑھتا گیا ایک ایک کر کے کئی آسمان زیدان کو خود پر گرتے محسوس  
ہوئے۔

تو کیا میری عنایہ ہمیشہ سے سچائی جانتی تھی۔ اس قدر معصوم دل میں اتنی  
تکلیف کسے چھپ سکتی ہے۔



رات کے آخری پہر میں، جب سب آرام کر رہے تھے، زیدان اپنے اسٹڈی روم سے نکلتا اپنے کمرے میں آیا تو عنایہ کو بیڈ پر سجدے کی پوزیشن میں ہی سویا پایا۔ زیدان مسکراتا پاس جا کر جھک کر عنایہ کے چہرے پر اپنی آوارہ زلفوں کو ہاتھ کی انگلیوں کے پوروں سے کان کے پیچھے کرنے لگا۔

اچانک زیدان کی نظر عنایہ کے سر کے نیچے دبی ڈائری پر پڑی۔ جس کے صفحے انسوؤں سے گیلے ہو چکے تھے۔ زیدان چونکہ احتیاط سے ڈائری نکالی۔ جسے جسے زیدان پڑھتا گیا ایک ایک کر کے کئی آسمان زیدان کو خود پر گرتے محسوس ہوئے

تو کیا میری عنایہ ہمیشہ سے سچائی جانتی تھی۔ اس قدر معصوم دل میں اتنی تکلیف کسے چھپ سکتی ہے۔

عنایہ نے انج اپنا دل کا درد بچپن کے زخموں کی چھاپ اپنی ڈائری کے صفحوں پر درج کر دی تھی جسے وہ اپنے اندر چھپے سوالوں کو اپنی آخری منزل پر لانا چاہتی ہو۔



زید ان کو عبید اللہ نے مکمل سچ نہیں بتایا تھا اور پھر آدھا سچ پورے سچ سے زیادہ بھیانک ہوتا ہے۔ اور عنایہ کی ڈائری میں وہ پورا سچ اپنی آپ بیتی لئے سامنے تھا۔ عنایہ کی ماں کا قتل خود عنایہ کے باپ نے کیا تھا وہ عبید اللہ کے گھنوں نے کاموں کے بارے جان چکی تھیں۔

وہ سب گاؤں والوں کو بتنا چاہتی تھی۔ پر قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اللہ نے انہیں تبھی انہیں اولاد کی نعمت سے نوازا۔ عبید اللہ کے اُن کی سچائی کھولنے پر اُس کی اولاد کو مارنے کی دھمکیاں دے کر ڈرا دھمکا کر انہیں چپ کر والیا۔ وہ اپنی اولاد کے لئے اپنے ہونٹ سی چکی تھی۔ پر معاملات وہاں خراب ہوئے جب عنایہ کی ماں نے اپنے شوہر عبید اللہ کے ارادے اپنی بیٹی کے لئے جانے وہ اپنے گھٹیا کاروبار کے لئے اپنی بیٹی کا استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اُس وقت عنایہ دس سال کی ہو چکی تھی۔

اپنی بیٹی کی جان بچانے کے لئے وہ اپنی ماں کے ساتھ عنایہ کو لیے رات کے اندھیرے میں گھر سے بھاگ گئی۔ جس کا پتا عبید اللہ کو لگ چکا تھا کل کی صبح اُسے عنایہ کو اپنے کلائنٹ کے حوالے کرنا تھا۔ جو اُس کی بیوی نے نہیں ہونے دیا۔ ہنزہ کے دریا کے کنارے وہ دونوں خاتون جان کی پرواہ کیے بنا عنایہ کو لیے اپنی پوری طاقت سے بھاگ رہی تھی۔ پر دور جیپ سے نشانہ لیتے جابر حیوان نے عنایہ کی ماں کا نشانہ لیا اور گولی اُس کی ماں کے دماغ میں سوراخ کرتی ار پار ہو گئی۔ وہ تینوں ایک ساتھ ہاتھ پکڑے بھاگ رہی تھی عنایہ کی ماں کو گولی لگی تو اگلے ہی لمحے دریا میں گرتی پانی کی لہروں کی نظر ہو گی۔ عنایہ کی چیخوں سے دریا میں بھی طوفان برپا ہو چکا تھا۔ جھیل سی آنکھوں سے اشک رواں تھے۔

اپنی ماں کو بچانے کے لئے عنایہ جھیل میں کود جانا چاہتی تھی پر اُس کی نانی نے اُس کا ہاتھ تھم جھیل کے دوسری طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ عبید اللہ کی گاڑی کا

ٹائر پھٹنے کی وجہ سے جھیل کے اِس پار ہی اسے روکنا پڑا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ دونوں اس کی نظر سے اوجھل ہو گئی۔

عنایہ کی نانی اسے جھیل کے اُس پار بانے گاؤں میں لے آئی وہاں عنایہ کے نانا کا ایک بچپن کا دوست رہتا تھا وہ عبید اللہ کی نسبت ہنرہ میں زیادہ طاقتور تھا۔ اور عنایہ انہی کے پاس تھی۔

عنایہ کے نانا نے عنایہ کی اچھی پرورش کے لیے اسے اپنی بیٹی کی اولاد بنادیا ان کی بیٹی کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ وقت گزارتا گیا عنایہ کی روح اُس کی سوچ میں وہ منظر بس چکے تھے۔ دس سال کی عمر میں اتنا بڑا حادثہ اور ماں سے اس طرح بچھڑنے کا غم عنایہ کو توڑ چکا تھا۔

عبید اللہ نے ہر حربہ آزما یا کہ کسی طرح وہ عنایہ کو واپس لے آئے پر اُس کے منہ بولے نانا کے ہوتے یہ ممکن نہیں ہو سکا جب ان کا انتقال ہو گیا تب عبید اللہ نے

ان کی بیٹی کے شوہر کو لالچ میں پھسا کر اپنے کیسی آدمی کے زیرِ عیناہ کی قیمت لگوا دی۔

پر اس سے پہلے ہی عیناہ کے منہ بولے نانا جو زیدان خانزادہ کے دادا تھے اُن کی وصیت زیدان تک پہنچ چکی تھی اور پہلی فرصت میں ہی وہ ہنرہ پونچھ دادا کے حکم کی تعمیل کر چکا تھا۔ اور عیناہ باحفاظت زیدان کی دنیا میں اچکی تھی۔

زیدان کی نظر خود بخود عیناہ پر اٹھی۔ پہلی بار زیدان کی آنکھوں سے آنسو بندھ توڑ اُس کے رخسار پر بھاگتے۔ زیدان نے عیناہ کا ہاتھ تھم اپنے لبوں سے لگایا۔ اور دل میں عہد کیا کہ عبید اللہ کو عبرت ناک سزا دے گا کہ موت بھی کانپ اٹھے گی۔

زیدان اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتا اٹھا اور چہنچ کرنے چلا گیا۔

کچھ دیر بعد چہنچ کر کے وہ بیڈ پر عیناہ کے پاس آیا اُسے پیار سے اپنے سینے پر منتقل کیا اور اُس کے گرد اپنی باہوں کا حصار بنا خود بھی نیند کی وادی میں اتر گیا۔

صبح کی روشنی عنایہ کے چہرے پر چھان سے آچمکی۔

عنایہ نے مندی مندی آنکھیں کھول خود کو زیدان کے حصار میں پایا وہ مسکراتی ہوئی زیدان کے سینے میں منہ چھپانے لگی۔

اچانک عنایہ کی یادداشت میں دھماکا ہوا کہ کل رات تو وہ ڈائری لکھتے روتے روتے سو گئی تھی۔

اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی محسوس کر زیدان آٹھ بیٹھا۔ اور عنایہ کے سامنے ایسے بنا کہ جسے وہ کچھ نہیں جانتا۔

عنایہ نے جنجبتی نظروں سے زیدان کو دیکھا۔ تو وہ مسکراتا اس کے بالوں اپنے لب رکھتا آٹھ کر فرش ہونے چلا گیا۔

عنایہ نے پورے کمرے میں نظر گھمائی تو ڈائری اسے رائٹنگ ٹیبل پر بند پڑی ملی اس نے سکھ کا سانس لیا۔ اور خود بھی فریش ہونے کے لئے آٹھ گئی۔ اور اپنے لیے کپڑے نکالنے لگی۔



دبئی پولیس کی عالیشان ڈائنگ ہال میں موجود ہر چہرہ جیسے کسی طوفان کا منتظر تھا۔

ٹیبیل پر عمار، ایشال، اسامہ، مناحل، عاصم اور حور یہ پہلے سے موجود تھے۔

ہر کوئی اپنے انداز میں خاموشی کے پردے میں شور چھپائے بیٹھا تھا۔

لیکن اُن کی نظریں، جیسے میدانِ جنگ میں صف آراء ہوں۔

لڑکوں کی آنکھوں میں خاموش چنگاریاں تھیں، اور ایک دوسرے کو چپ چاپ گھورنا جیسے کوئی پرانی جنگ ابھی ختم نہ ہوئی ہو۔

اتنے میں زیدان اور عنایہ تیار ہو کر نیچے آئے۔

عنایہ نے نیوی بلو میکسی پہنی ہوئی تھی، بال کمر تک کھلے ہوئے، اور زیدان ہمیشہ

کی طرح بلیک تھری پیس میں شاہانہ وقار کے ساتھ۔

انہیں اتنا دیکھ کر سب فوراً سنبھل گئے اور ادب سے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔



عنایہ آہستگی سے اپنی کرسی پر بیٹھی اور زیدان کے لیے خاموشی سے کافی کا کپ بھرنے لگی۔

تبھی زیدان نے میز پر رکھا ہوا گلاس اٹھایا اور چمچ سے اسے بجا کر سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کروائی۔

کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔

زیدان نے گہری نظر سب پر ڈالتے ہوئے پر اعتماد انداز میں کہا:

”آج رات میں نے عنایہ اور اپنے لیے ریسپشن رکھا ہے۔ سب لوگ انوائیٹڈ ہیں۔ لیکن یہ صرف ایک تقریب نہیں... ایک اعلان ہے۔ دنیا کے لیے، میرے دشمنوں کے لیے۔“

وہ لمحہ بھر کور کا، پھر سخت لہجے میں بولا:

”یہ واضح کرنے کے لیے کہ عنایہ میری کمزوری نہیں... میری دُگنی طاقت ہے۔

اور تم سب — میری طاقت کا حصہ ہو“!

سب کے چہروں پر ایک ساتھ مسکراہٹ اور جوش کا طوفان آیا۔ اسامہ نے ہلکی سی سیٹی بجائی، عمار نے مٹھیاں بھینچیں، ایشال اور مناحل نے پر جوش نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

اسی دوران، زیدان نے عنایہ کی طرف جھک کر آہستہ سے سرگوشی کی:

”میں نے تمہاری شاپنگ خود کی ہے۔ اوپر کمرے میں سب کچھ رکھا ہے۔ شام کے لیے وہی پہننا، کیونکہ آج تم صرف میری بیوی نہیں، میری شان بننے جا رہی ہو۔“ عنایہ کی پلکیں جھک گئیں، دل کسی نامعلوم جذبے سے لرزاٹھا۔

شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے۔ دبئی کی چمکتی رات، برج خلیفہ کے دل میں واقع آرمانی ہوٹل آج کسی شہنشاہی محل سے کم نہ تھا۔ ہر سمت جگمگاتی روشنیاں، سونے اور چاندی کی تھیم پر سچی ہوئی دیواریں، کرسٹل کے جھومر،

خوشبودار پھول اور ہر کونے میں بکھری ہوئی لگژری — یہ سب کچھ کسی عام  
تقریب کے لیے نہیں بلکہ زیدان خانزادہ اور عنایہ نور کے رسیپشن کے لیے تھا۔  
یہ رسیپشن محض شادی کی خوشی نہیں بلکہ دنیا اور دشمنوں کے لیے ایک کھلا پیغام  
تھا... کہ عنایہ نہ صرف زیدان کی بیوی ہے بلکہ اُس کی طاقت ہے، اُس کی  
کمزوری ہر گز نہیں۔

مہمان ایک ایک کر کے آرمانی ہوٹل کی سچی ہوئی سیڑھیوں سے داخل ہو رہے  
تھے۔ لال قالین پر چمکتے ہوئے جوتے، ڈیزائنر گاؤنز، کلاسک تھری پیس  
سوٹس، ہر شخص شاہانہ انداز میں قدم رکھ رہا تھا۔ سیکیورٹی کڑی تھی، ہر جگہ  
زیدان کے خاص لوگ موجود تھے — سفید ایر پیس، کالی شرٹس اور فولادی  
نظریں۔

بال روم کی سجاوٹ ایسی تھی جیسے کسی شہزادی کا خواب۔ سفید پھولوں کے  
گلدستے، سونے کی میزیں، نیچے بجھے سفید قالین، اور بیچ میں نصب شدہ دل کی  
شکل کا اسٹیج جس پر 'Z & I' کا تاج چمک رہا تھا۔

عنایہ ایک سفید شمر کا گاؤن پہنے، ہلکے ساٹن کے دوپٹے میں جیسے نور کی مورتی  
لگ رہی تھی۔ اُس کی نیلگوں آنکھیں، سادہ سامیک اپ، اور سر پر رکھا ہیروں  
سے جڑا تاج — ایک مکمل ملکہ کا روپ۔

زیدان، سیاہ ویلوٹ کے ٹکسڈو میں، بالکل خاموش طوفان کی طرح — اُس کی  
نظریں صرف عنایہ پر تھیں، جیسے کائنات کی ساری رونق بس اُسی میں سمو گئی  
ہو۔

عمار نے بلیک ویلوٹ سوٹ پہنا تھا، اور چمکتی ہوئی گھڑی۔  
ایشال نے ریڈ سلک گاؤن کے ساتھ ڈائمنڈ جیولری پہنی تھی، بال ایک طرف  
سے کھلے اور ایک سائیڈ پر نیٹ سی کٹ۔

اسامہ نے وائٹ ٹکسڈو کے ساتھ بلیک بوٹائی، اور آنکھوں میں چمکتی شرارت۔  
 مناحل نے سلور میٹالک لہنگا اور نیوی بلیو چوڑی دار قمیض، کمر پر بیلٹ نماسٹونڈ  
 بارڈر، اور ماتھے پر سبھی بندیا۔

حوریہ اور عاصم نے رویل بلیو کی میچنگ کی تھی حوریہ بلیو سلک گاؤن کے ساتھ  
 ڈائمنڈ کی جیولری اور عاصم نے بلیو وائٹ پینٹ کورٹ نیچے بلیک شرٹ پھنی ہوئی  
 تھی۔

چاروں کی زبانوں پر شرارت اور نگاہوں میں چنگاریاں تھیں۔ اسامہ اور عمار  
 عاصم تو بار بار رقص کی دعوت دے رہے تھے، لیکن حوریہ ایشال اور مناحل تو  
 انہیں مکمل نظر انداز کر رہی تھیں۔ لڑکیاں اپنا غرور اور حسینوں والا تکبر سر  
 چڑھا کر چل رہی تھیں، جیسے کسی کو خاطر میں ہی نہ لائیں۔  
 اور پھر... ہال کا مرکزی دروازہ کھلتا ہے۔

جو نہی دونوں نے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بال روم میں قدم رکھا، پوری محفل خاموش ہو گئی۔ اسپاٹ لائٹ نے ان کے گرد روشنی بکھیر دی، اور پھر زید ان نے مائیک سنبھالا۔

”آج کی یہ رات... میری اور عنایہ کی محبت کی رات ہے، مگر ساتھ ہی یہ ایک پیغام بھی ہے... تم سب کے لیے، اور میرے دشمنوں کے لیے... کہ عنایہ میری کمزوری نہیں، میری دو گنی طاقت ہے۔“

ان کی انٹری کسی فلمی سین سے کم نہ تھی، ہاتھ میں ہاتھ، وقار، شان اور دبدبہ Mafia Crown — کا اصل عکس۔ زید ان نے ہاتھ کے اشارے سے سب کو خاموش کیا، اور ہال کے بچوں بیچ عنایہ کو اپنے ساتھ لے آیا۔

فلور پر spotlight صرف ان پر تھی۔

موسیقی شروع ہوئی... زید ان نے مائیک اٹھایا، اور اپنی گہری آواز میں گانا شروع کیا:



”تو عشق ہے تو میں بانہوں میں ہوں

بانہوں میں ہوں تو پناہوں میں ہوں

کا جل ہوں تو میں نگاہوں میں ہوں

تو ہے تو میں ہوں”

عنایہ شرماتے ہوئے زیدان کے قریب آتی ہے، اور وہ آہستگی سے اس کا ہاتھ  
تھام لیتا ہے۔

دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں کھوئے، آہستہ آہستہ رقص کرنے لگتے  
ہیں۔

زیدان نے عنایہ کی کمر پر ہاتھ رکھا، اور اسے اپنے قریب کر لیا، پھر اس کے گرد  
گھومتا ہوا اسے گول گھماتا ہے audience — تالیوں سے ماحول گرم کر  
دیتی ہے۔

پھر زیدان دوبارہ گاتا ہے:

”قسمیں وعدے کیوں؟ تو ہے تو میں ہوں

بس میں تیرا ہوں، تو ہے تو میں ہوں

سینے پہ لکھ لوں، تو ہے تو میں ہوں

تو ہے تو میں ہوں”

ہر طرف رومانیت کی خوشبو بکھر گئی مگر ان سب کے درمیان، ایک شخص کی آنکھوں میں صرف غصہ بھرا تھا— عنایہ کا باپ۔

جو پردے کی اوٹ میں کھڑا، یہ سب دیکھ کر تپ رہا تھا۔ دل میں صرف ایک بات تھی:

”زیدان نے واقعی اپنی قسم پوری کر دی... میری بیٹی کو میرے ہی خلاف لا کھڑا کیا... میرے کھیل کو میرے ہی خلاف پلٹ دیا۔“

محفل کی رونق اپنے عروج پر تھی، ہر طرف خوشی اور محبت کی فضاء چھائی ہوئی تھی۔ زیدان اور عنایہ کی موجودگی نے سب کو مسحور کر رکھا تھا، اور ان کے رقص نے دلوں کو گرمادیا تھا۔ لیکن پردے کے پیچھے عنایہ کے والد کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا، وہ جانتا تھا کہ زیدان نے اس کے منصوبوں کو ناکام بنا دیا ہے۔

اسی دوران، زیدان نے عنایہ کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں محبت کی چمک واضح تھی۔ اس نے عنایہ کو یقین دلایا کہ وہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا، ہر مشکل میں اس کا ساتھ دے گا۔ عنایہ نے بھی زیدان کی طرف محبت بھری نگاہوں سے دیکھا، جانتی تھی کہ وہ اب محفوظ ہے۔

مہمانوں کی خوشیوں کے درمیان، زیدان نے ایک لمحے کے لیے سب کو خاموش کر دیا اور کہا، ”یہ رات صرف ہماری نہیں، بلکہ ان سب کے لیے بھی ہے جو ہمارے ساتھ ہیں۔ ہم سب ایک خاندان ہیں، اور ہم مل کر ہر چیلنج کا سامنا کریں گے۔“

محفل میں موجود ہر شخص نے زیدان کی بات پر سر ہلایا، اور ان کے عزم کو سراہا۔ یہ رات واقعی ایک یادگار رات تھی، جہاں محبت نے دشمنی کو شکست دی، اور زیدان اور عنایہ کی کہانی نے سب کو متاثر کیا۔



محفل اپنے اختتام کو پہنچی تو سب مہمان آہستہ آہستہ رخصت ہو رہے تھے۔ روشنیوں کی چمک مدھم ہونے لگی، اور سب لوگ اپنی ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔ لیکن اس ہنسی کے شور سے کچھ فاصلے پر، سردار عباد اللہ اندھیرے کونے میں بیٹھا خود سے باتیں کرتا مسکرا رہا تھا۔

سردار کو اب بھی اُمید تھی یہ شاید دنیا کا پہلا ایسا باپ تھا جس کی اپنی ہی اولاد پر نیت خراب تھی۔ اور نہ جانے کتنی ہی بیٹیوں کو اپنی درندگی کی بھیڑ چڑا چکا تھا۔ اب بھی اُس کی نظر عنایہ پر تھی۔ اس کے دھندے میں خوبصورتی ہی کی تو قیمت تھی۔

اور عنایہ کی خوبصورتی کی قیمت سوچ سوچ کر ہی سردار میں نشا بھر رہی تھی سردار سوچتے ہوئے خود سے بولا۔

"زیدان... تمہیں توڑنے کا وقت آچکا ہے۔ اور یہ کام اب میرے لیے کھیل بن چکا ہے۔"

اس کے لبوں پر خباثت بھری مسکراہٹ تھی۔

اس کی نظروں میں عنایہ کا چہرہ گھومنے لگا— وہی چہرہ، جسے برسوں پہلے بیچنے کی بولی لگی تھی... اور اب وہ ایک حسین، باوقار دوشیزہ بن چکی تھی۔ سردار عبید اللہ کا دماغ ایک بار پھر گندگی سے بھر گیا۔ وہ دل ہی دل میں منصوبہ بنانے لگا کہ عنایہ کو جذباتی طور پر بلیک میل کر کے زیدان سے دور کیا جائے... تاکہ وہ اس کی کمزوری بن جائے، اور پھر اسے وہیں ختم کیا جائے جہاں برسوں پہلے بیچنے کی کوشش ادھوری رہ گئی تھی۔



وہ ایک تیر سے دو شکار کرنے والا تھا۔ جس سے زیدان بھی ختم اور عنایہ بی اس کی۔ لیکن یہ تو وقت ہی بتائے گا کون شکار اور کون شکاری بنے گا۔



ایک نئی صبح کا چمکتا سورج پوری ابوتاب سے چمک رہا تھا۔ سبھی لڑکیاں ابھی ہی اپنی روزنہ کی ٹریننگ کرنے کے بعد ڈائمننگ ہال میں بیٹھی تھیں۔ زیدان اور باقی لڑکے بھی انھی کے ساتھ ڈائمننگ ہال میں موجود تھے۔

ہر روز کی طرح ناشتہ لگتے ہی اُسامہ مناحل کی تکرار شروع ہو چکی تھی جس میں وقفے وقفے سے حوریہ اپنے جوہر دکھاتی جس سے مزید آگ بھڑکتی باقی سب ان کی روز کی اس نوک جھوک سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ زیدان نے عنایہ کی پلیٹ میں آملیٹ سرو کیا۔ اور عنایہ زیدان کے لئے کپ میں کافی ڈالنے لگی۔

تبھی باہر سے آتے گاڑنے والے مہمان کی آمد کا بتایا۔ جس کا نام سن عنایہ کا منہ کو جاتا ہاتھ وہیں روکا نظر اٹھا زیدان کو دیکھا۔ اس کے آنکھوں کے پیغام کو سمجھتے گاڑڈ کو اشارہ دیا۔

مکمل پروٹوکول کے ساتھ سردار عبید اللہ زیدان خانزادہ کے پیلس کے باہر ضبط سے کھرا تھا۔ اپنے مقصد کو پانے کے لیے اس زلت کے لیے بھی وہ تیار تھا۔ اندر موجود ہر شخص اس انسان کی آمد پر الجھن میں تھا۔ سردار پورے روب دب ڈبے سے چلتا اندر آیا جب زیدان کے گارڈز نے اسے مین ہال کی راہداری پر روک لیا۔



زیدان نے پہلے اجازت نہیں دی، مگر جب اس کی نظر عنایہ سے ملی، خاموش نگاہوں میں سناٹا چھا گیا۔ عنایہ کی آنکھوں میں کوئی لرزش نہیں تھی، بس ایک خاموش اعلان تھا۔ زیدان نے سر ہلا کر گارڈز کو ہٹنے کا اشارہ دیا۔

سردار اندر آیا— اس درندے کی حقیقت سے ہال میں موجود ہر شخص واقف تھا۔ وہ سیدھا عنایہ کے سامنے آیا پر زیدان نے عنایہ کے آگئے آتے سردار کے سینے پر شیر کے پنچے کی طرح ہاتھ رکھ دیے اور سردار زیدان کو دیکھتے پیچھے ہوا اور ایک مظلوم باپ کی شاندار اداکاری کرتے ہوئے کہا:

"میری بیٹی"!

اس کی آواز میں گہرا دکھ، مگر آنکھوں میں خباثت تھی۔

"میں جانتا ہوں اب اس سب کا کوئی فائدہ نہیں پر میرا ضمیر مجھے چین نہیں لینے دیتا میں نے بہت گناہ کئے ہیں جانتا ہوں معافی کافی نہیں ہوگی مجھے صرف ایک موقع دو، اپنی بیٹی سے بات کرنے دو، میں اپنے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں... میں توبہ کرتا ہوں..."

عناہ دو قدم آگے لے کر اپنے اور سردار کے درمیان فاصلہ رکھتے چٹان سی سختی لئے ہاتھ کے اشارے سے اس کی چلتی زبان کو بریک لگائی— پہلے خاموش، پھر آہستہ سے ہنسی— ایسی ہنسی جس میں طنز، زہر اور تماشہ چھپا تھا۔

سردار کی آنکھوں میں اُلجھن اور گھبراہٹ ایک ساتھ دوڑ گئی۔ اس نے دوبارہ قدم بڑھایا اور کہا:

"بیٹی! اب کی بار جھوٹے انسو بھی شامل تھے۔"

تبھی عناہ، زیدان کی سینے سے باندھی اس کی گن نکالتی سردار پر چلا دی سردار عبید اللہ سمت وہاں موجود سب ہی صدمے میں تھے گولی سردار عبید اللہ کے پیروں کے بیچ بیچ لگی تھی۔ سردار نے گولی کی جگہ سے دیکھتے سر اٹھا کر سامنے کھڑے وجود کی آنکھوں میں خود کے لیے موت دکھی۔

پورا ماحول ساکت ہو گیا۔ عنایہ کسی بھپھری شیرنی کے جسے پوری طاقت سے گن پکڑے کھڑی تھی۔ سانس پھولا ہوا اس کی سرخ ہوتی آنکھیں ضبط کی چغلی کھا رہی تھیں۔

زیدان کے چہرے پر حیرت کا کوئی تاثر نہیں تھا، پر لبوں پر مسکراہٹ ضرور تھی اپنی شیرنی کی مضبوطی کی فتح کی مسکراہٹ۔ وہ جان چکا تھا کہ عنایہ اب صرف اُس کی بیوی نہیں رہی... اب وہ ایک انتقام کی آگ ہے، جو ہر شے جلا کر راکھ کر دے گی۔

آنکھوں میں وحشت لیے عنایہ سردار کی جانب ایک ایک قدم رکھتی ہے۔ سردار مکر و نیت لیے پھر سے عنایہ کو اپنی طرف پیار سے پکارتا ہے

"بیٹی"...

عنایہ ایک ہی جست میں سردار کے قریب پہنچ گئی اُس کے منہ میں ڈال  
چینی "خبردار! اپنی گندی زبان سے دوبارہ 'بیٹی' جیسا پاک لفظ استعمال کیا تو..."  
سردار کی آنکھیں پھٹنے کی حد تک پھیل چکی تھیں۔



پھر گن نکال کر اس کی کنپٹی پر گن کا دباؤ ڈالتے بولی:

"تم نے کہا گناہوں کا کفارہ دو گے؟ بتاؤ کیسے؟ ان بچیوں کی جگہ اپنا آپ بچو گے  
جنہیں تم نے جانوروں کے آگئے بے دردی سے پھینک بیچا؟ ان گھروں کا کفارہ



دوگے جنہیں تم نے اپنے ظالمانہ فیصلوں سے اجاڑا؟ اُن عورتوں کے سر کا کفارہ  
دوگے جن کے سروں کے سائیان تم نے چھینے؟

عنایہ نے گن کا دباؤ اب سردار کے ماتھے کے بیچ رکھ بھریا۔

"یہاں۔۔ یہاں۔۔ لگی تھی میری ماں کو گولی۔ اُس کا کفارہ کسے دوگے" وہ  
ایک ایک لفظ پر زور دیتے چلائی کسے دوگے۔ اور گن کے پچھلے حصے سے سردار کی  
کنپٹی پر ایک زوردار ضرب لگائی۔ "ضرب لگتے سردار لڑکھڑاتا زمین پر گرا اس  
کی کنپٹی سے خون بہا رہا تھا

عنایہ کا یہ روپ دیکھ سردار کے چہرے کا ایک رنگ اے تو ایک رنگ جائے۔

"

سردار عبید اللہ کی آنکھیں پھٹنے کو آگئیں۔ عنایہ کی آواز اس کے کانوں میں گویا آگ بن کر گھل رہی تھی۔ عنایہ شیرنی کی طرح ڈھاری:

"تمہارے گناہوں کا گھڑا بھر چکا ہے، سردار! بھاگ سکتے ہو تو بھاگ لو، جہاں بھی جاؤ گے، موت بن کر تمہارے سامنے آؤں گی!"

عنایہ سردار کے قریب جا جھک کر سردار کا گریبان پکڑ جھٹکادیتی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیتے سردار کو بہت کچھ باور کرواگی

"قسم ہے مجھے... میں عنایہ زیدان خانزادہ قسم کھاتی ہوں اپنی ماں ایک ایک اذیت کا بدلہ لوں گی تمہیں اپنے ہاتھوں سے ماروں گی۔ اب دیکھنا— تمہاری یہ

دنیا کیسے جہنم بناؤں گی تم نے میری ماں کے لیے یہ زمین تنگ کر دی تھی اب یہ  
زمین میں تم پر تنگ کر دوں گی!"

عنایہ اپنی بات مکمل کرتی نفرت سے سردار کو جھٹکا دیتے وہیں چھوڑتی زیدان  
کے پاس آگی۔ اپنی اس قدر زلت دیکھ سردار کا غصے اور ضبط کے مارے دماغ پھٹنے  
کی حد تک آگیا۔

وہ چیختا آٹھ عنایہ کی طرف آیا سے عنایہ کی طرف آتا دیکھ زیدان نے ایک ہی  
جست میں اپنے فولادی ہاتھ کی گرفت میں سردار کا جبراد بوج لیا۔ ہال میں  
موجود باقیوں کی گن کارخ بھی اب سردار کی طرف تھا۔

سردار پھڑ پھڑ پیر زیدان کی گرفت بہت سخت تھی۔ میں نے کہا تھا نہ تجھے وہ میری کمزوری نہیں میری طاقت ہے۔ "اپنی موت کی الٹی گنتی گنا شروع کر دے، سردار۔ تیرا وقت ختم ہونے والا ہے۔"

"WELCOME TO ZAYADAN  
KHANZADA HALL "

یہ دیکھ سردار کو اس وقت یہاں سے نکل جانا ہی عافیت لگا۔ سردار کی بہادری ٹوٹنے لگی۔ وہ زیدان کی آنکھوں میں عزم اور عنایہ کے موقف میں عزم کو محسوس کر سکتا تھا۔ جیسے کہ دیواریں آنے والے انصاف کی گواہی دے رہی ہوں۔

زیدان نے اپنے محافظوں کو سردار کو ہال سے باہر لے جانے کا اشارہ کیا۔ کبھی خوفزدہ آدمی اب اپنے سابقہ نفس کا محض سایہ تھا، اس کا تکبر اس کے اعمال کی ناقابل تردید سچائی نے چھین لیا تھا۔

گارڈز اگتے بھرتے سردار کو باہر لے گئے زیدان موڑا اور عنایہ کی آنکھوں میں انسوں دیکھ اسے اپنے سینے سے لگا لیا وہ دونوں جانتے تھے کہ آگے کا راستہ آسان نہیں ہوگا، لیکن وہ ایک ساتھ مل کر ان کے سامنے جو بھی چیلنج ہیں ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے۔

عنایہ اور زیدان کے دلوں میں انتقام کی آگ تو بھڑک رہی تھی، مگر وہ جانتے تھے کہ ان کے سامنے ایک طویل اور دشوار سفر ہے۔ یہ سفر نہ صرف ان کی ذاتی

زندگی کو متاثر کرے گا بلکہ ان کے ارد گرد کے لوگوں پر بھی اثر ڈالے گا۔ ان کی محبت اور عزم ہی ان کا سب سے بڑا ہتھیار تھا۔

انہی دنوں، زید ان نے اپنے وفادار ساتھیوں کے ساتھ مل کر سردار عبید اللہ کے خلاف ایک مضبوط محاذ بنانے کی تیاری شروع کر دی۔ وہ جانتا تھا کہ سردار کی طاقت کو کمزور کرنے کے لیے اسے نہ صرف جسمانی بلکہ ذہنی طور پر بھی شکست دینا ہوگی۔ دوسری طرف، عنایہ نے اپنی ماں کی یادوں کو اپنی طاقت بنالیا تھا۔ وہ ہر روز خود کو مزید مضبوط کرتی، تاکہ جب وقت آئے تو وہ اپنے وعدے کو پورا کر سکے۔

ان کی زندگی میں ایک نیا موڑ آنے والا تھا۔ زید ان اور عنایہ نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اس دوران،



انہوں نے اپنی حفاظت کے لیے اضافی اقدامات بھی کیے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ سردار عبید اللہ جیسے دشمن کبھی بھی پلٹ کر وار کر سکتے ہیں۔

ان کے درمیان محبت اور اعتماد کا رشتہ مزید گہرا ہوتا گیا۔ عنایہ نے زید ان سے وعدہ کیا کہ وہ ہمیشہ اس کے ساتھ کھڑی رہے گی، چاہے حالات کیسے بھی ہوں۔ زید ان نے بھی عنایہ کو یقین دلایا کہ وہ اسے کبھی اکیلا نہیں چھوڑے گا اور ہر قدم پر اس کا ساتھ دے گا۔

یہ دونوں جانتے تھے کہ ان کے سامنے چیلنجز تو بہت ہیں، مگر ان کی محبت اور عزم انہیں ہر رکاوٹ کو عبور کرنے کی طاقت دے گا۔ ان کی کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی؛ یہ تو ایک نئے آغاز کا اشارہ تھا۔

سردار کی گاڑی دوبئی کی سڑکوں پر بھاگ رہی ہوتی ہے۔ اُس کا غصہ کسی بھی طور پر کم نہیں ہو رہا ہوتا۔ نظروں کے سامنے عنایہ کا یہ بھیانک روپ کسی فلم کی طرح چل رہا ہوتا ہے۔ سردار زور سے چیختے ہوئے گاڑی کی سیٹ پر زور زور سے ہاتھ ہاتھ کا موکا بنا کر مارتا چلا جاتا ہے۔



تانگ سے ایک زوردار ضرب مارتا دروازہ کھول سردار عباد اللہ اپنے محل نما گھر میں قدم رکھتا ہے، چہرے پر وحشت، آنکھوں میں طوفان۔ عنایہ کی بے عزتی کا لاوا اب اندر بھڑک چکا تھا۔ جیسے ہی اس کا قدم ٹی وی لاؤنج میں پڑتا ہے، وہ پاگلوں کی طرح ہر چیز الٹ دیتا ہے۔ صوفے، میز، کرسیاں، کمرے میں موجود کوئی بھی شے۔ سلامت نہیں رہتی۔ ہر شے کو پاؤں تلے روندتا ہے۔

"زیدان خانزادہ! تیری یہ جیت وقتی ہے... میں تجھے زمین پر گھسیٹوں گا۔ میری  
تذلیل کا بدلہ، تیری ہڈیوں سے لوں گا میں تجھے ایک بار پھر اسی طرح ماروں گا  
جسے پہلے مارا تھا تو تمللا اٹھے گا!"

اس کی آواز گونجتی ہے جیسے آگ کے شولے پھٹ رہے ہوں۔ وہ زمین پر وہیں  
سیدھا لیٹ جاتا ہے۔ اب اس کی نظریں چھت پر ٹپکی ہوتی ہیں۔ وہ بھری سانس  
کے ساتھ سرگوشی کرتا ہے۔ اب ایک نیا کھیل چلے گا... اس بار مات وہ کھائے گا  
جس نے پہلے بھی اپنوں سے مات کھی تھی۔ یہ کہتے ہی پاگلوں کی طرح حسہ چلا  
جاتا ہے۔

عنایہ نور اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس خاموش کھڑی، آسمان کو تکتے ہوئے کسی دعا کی صورت نظر آتی ہے۔ ہاتھوں میں ماں کی چادر، جو اس نے سینے سے لگا رکھی ہے، جیسے ماں کی موجودگی کا احساس اسے طاقت دے رہا ہو۔

نم آنکھوں میں جذبات کا سمندر لیے وہ غیر مری نقطہ کو دیکھ رہی ہوتی ہے، مگر وہ آنسوؤں کو بہنے نہیں دیتی۔ اُسے رونا نہیں تھا وہ کمزور نہیں پڑ سکتی تھی۔ زیدان کی کمرے میں آتے نظر عنایہ پُر پڑتی ہے وہ دروازے پر ہی رک جاتا ہے۔ اس کی نظریں عنایہ کی پشت سے گزر کر دل کو چیر دیتی ہیں۔ زیدان سے اٹھتی کسرتی خوشبو کو محسوس کر بنا پلٹے

عنایہ دھیرے سے کہتی ہے: "شکریہ، زیدان... کہ تم نے مجھے اتنی طاقت دی، کہ میں اپنے دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکوں۔"

زیدان اس کی آواز میں نمی دیکھ آہستہ قدموں سے عنایہ کے قریب آتے اس کے بالوں کو پیچھے کر کے اس کے کندھے پر اپنے دہکتے لبوں کا لمس رکھتا ہے۔  
عنایہ آنکھیں بند کر لیتی ہے، اور اس کے لمس کا سکون جیسے دل کی ویرانی میں بہار لا دیتا ہے۔

زیدان پیچھے سے لاتے ہوئے ہاتھ عنایہ کے گرد حائل کرتا ہے وہ دونوں ایک دوسرے کو محسوس کرتے ہیں۔

کچھ لمحوں بعد عنایہ پلٹتی زیدان کے سینے پر ہاتھ رکھ اس کی دھڑکن کو محسوس کرتی ہے زیدان اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر پیشانی پر بوسہ دیتا ہے۔

"میں جانتا ہوں، تمہیں دکھ ہوا... لیکن تمہاری نرمی کمزوری نہیں، یہی تمہاری اصل طاقت ہے۔" عنایہ کچھ بولتی نہیں صرف سر ہلا دیتی ہے۔ اور اس کے سینے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر کے سکون کی لہر بدن میں دوڑ گئی۔

زیدان کی باتیں عنایہ کے دل پر اثر کرتی ہیں اور اب وہ پہلے سے بہتر محسوس کر رہی تھی۔ اور اثر کیوں نہ کرتی آخر اس کے زیدی نے سمجھایا تھا۔

زیدان مسکرا کر کہتا ہے،

"چلو، تم فریش ہو جاؤ، میں تھوڑا سا کام نمٹا کے آتا ہوں۔"



عنا یہ سر ہلا کر اندر چلی جاتی ہے، اور زید ان کی نظریں دور تک اسے اپنے حصار میں رکھتی ہیں۔ بس ایک بار اپنا انتقام لے لوں پھر صرف تم اور میں ہوں گے ابھی تو بہت سے خواب ہیں جو میں نے تمہارے ساتھ پورے کرنے ہیں۔

شام کی ہلکی چاہوں میں لان میں حوریہ اور عاصم بیٹھے ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔ حوریہ جب سے انی تھی عاصم کا بس وہی گھر تھی۔ وہ اس کے لیے اپنے دل میں اٹھتے جذبات سے واقف تھا۔ پر اس کا دماغ اُس کی معصومیت کو اپنی اندھیری دنیا کی نظر نہیں کر سکتا تھا

عاصم تو ہمیشہ بس اُسے سنتے رہنے کا خواہش مند تھا اور حوریہ جو بتونی ہونے کے ساتھ ساتھ جب ہاتھوں کو ہلتی بولتی تھی عاصم کی دنیا میں ہر سو محبت کے رنگ گھول جاتے تھے۔

عاصم کو خود کو ایسے دیکھتا پا کر حوریہ شرارت سے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہتی ہے:

عاصم آپ سن بھی رہے ہیں کہ نہیں۔۔۔

تمہیں ہی تو یہ دل صرف سنتا ہے۔ وہ صرف دل میں کہا سکا زبان پر کچھ نہ لایا اور مسکرایا۔

اس کو مسکراتا دیکھ حوریہ بولی۔! پتہ

"مجھے ناجویلانڈ جانے کا بڑا شوق ہے! بچپن کی طرح جھولے، رنگ، آنس کریم، سب کچھ!" وہ ہاتھوں کو ہوا میں ہلاتی جو یلانڈ کا پورا منظر بنا رہی تھی۔

عاصم صرف مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا، جیسے کوئی بچے کی ضد پر پیار سے حیران ہو۔ اچھا جی۔ لگتا ہے آپ بہت بار وہاں جا چکی ہیں۔ جس پر حوریہ نے فوراً سے سر کونہ میں ہلایا۔ میں تو کبھی نہیں گئی وہ کورین فلم اور ڈراموں میں دیکھا۔

اچھا تو آپ کورین فلم ڈرامے دکھتی ہیں۔ بالکل آپ نے کبھی نہیں دیکھے کتنے ہینڈ سم ہیروں ہوتے ہیں اُن میں میرا تو سب پر ہی کرش (👉) ہے۔ اس کی بات سن عاصم کو اب جیسی ہو رہی ہوتی ہے۔

تبھی اسامہ، مناحل، عمار اور ایشال بھی وہاں آ جاتے ہیں۔ عمار عاصم کے ساتھ کرسی کی بازوؤں پر بیٹھے بولتا ہے ہاں بائی کیا چل رہا ہے۔ کس پر کرش کیا جا رہا ہے حوریہ ایکسائیٹڈ ہوتی بولتی ہے میں بتا رہی تھی کہ مجھے جو یلانڈ بہت پسند ہے۔

جویلانڈ کا نام سنتے ہی اُسامہ اور ایشال بھی ایکسائیٹڈ ہو جاتے ہیں۔ اُسامہ کی ایکسائیٹڈ دیکھ مناحل کو وہ کوئی چھوٹا بچا ہی لگتا ہے۔

اسامہ شرارت سے کہتا ہے:

"میں سب سے پہلے ڈریگن رائیڈ پر جاؤں گا!"

مناحل ہنستے ہوئے کہتی ہے:

"بچے ہو کیا تم؟ تمہیں دیکھ کے لگتا ہے پیمرز بھی ساتھ لانے چاہئیں۔" سب قہقہے لگا کر ہنسنے لگتے ہیں۔

ان سب کی خوشی دیکھ عمار کہتا ہے!

"تو چلو پھر! کیوں نا کل ایک پکنیپ ہی منالیں؟ سب ساتھ چلتے ہیں!"

سب خوشی سے جھوم اٹھتے ہیں۔ اور عاصم بس اپنی حوریہ کے چہرے پر انی رونق میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔



شام کے سائے سب طرف پھیل چکے ہوتے ہیں۔ سفید سنگ مرمر کے محل کے ڈائیننگ ہال میں اس وقت رونق سا سما تھا۔ جب سے عنایہ کو پتا چلا تھا کہ جویلانڈ جانا ہے تو وہ بھی کسی چھوٹی بچی کے جسے ایکسائیٹڈ ہوئی زیدان سے ضد کیے بیٹھی تھی۔

باری باری سب ہی اپنی پسندیدہ جگہ بتاتے ہیں اب دو جگہوں پر لڑائی باقی رہ جاتی ہے جس میں عنایہ حوریہ ایشال اور اسامہ کے جوئلاند کے پلان کا پلڑا بھاری ہوتا ہے۔ آخر سب کی متفقہ رائے سے دو بی مریکال گارڈن کل کی پکنپ کے لئے چن لیا جاتا ہے۔

کھانا ختم کرتے سبھی لڑکیاں کل کے دن کے لیے پلان بنانے بیٹھ جاتی ہیں اور باقی سب لڑکے زیدان کے ساتھ آٹھ کر باہر کی طرف چل پڑتے ہیں۔

انھی خوشیوں میں گھیرے محل کے بیسمنٹ میں کوئی اپنی کھوئی محبت کی یاد میں کھویا ہوا تھا۔ ظفر! وہ جو اُس کے دل کی دھڑکن، اُس کی روح کا سکون، جو



اس کے ہر درد کی دوا تھی۔ ظفر کو اب بیسمنٹ میں بنے سل نما کمرے میں رکھا گیا تھا۔

یہ بھی زیدان نے ہی کروایا تھا کیونکہ زیدان آج بھی اسے اپنے دوست مانتا تھا وہ دونوں آج بھی پہلے کی طرح ایک مضبوط دیوار ہوتی اگر ان میں وہ حادثہ وہ غلط فہمی نہ آتی۔ جس نے دو دوستوں کو بھائیوں کی راہوں کو الگ کر دیا۔

ظفر دیوار سے سر لگائے بیٹھا اپنی پرانی خوشیوں بھری زندگی کی یادوں میں گم تھا۔ اچانک ایک سبز چٹری نظروں کے سامنے لہراتی ہے۔ وہ نظریں جن میں وہ ہمیشہ ڈوب جاتا تھا وہ یا قوتی لب جنہیں ہمیشہ اپنے لبوں سے چھونے کی خواہش تھی۔

وہ مُسکراہٹ جو اُس کی اندھیروں کا اُجالا تھی۔ پھر منظر بدل جاتا ہے اگ کی  
لیپٹون سے گھیرا گھر دھوئیں کے کالے بادل۔ وہ لوکٹ۔۔۔ منظر پھر بدلتا ہے  
اور اب سامنے ایک جلی ہوئی لاش۔۔۔ صنم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ظفر چختا آٹھ بیٹھتا

ہے

کرب سے آنکھیں سُرخ ہو جاتی ہیں۔ کیوں۔۔۔ کیوں۔۔۔ کیوں۔۔۔

زید ان میری ہی محبت کیوں؟ میری ہی صنم کیوں۔۔۔ ظفر ضبط سے اپنے بال

اپنے ہاتھوں کی موٹھی میں پکڑ نوچنے لگتا ہے۔ ظفر کا درد صرف ظفر کا نہیں تھا

اسی بیسمنٹ کے سائے دار ستون کے پیچھے چھپے زید ان کا بھی اُتنا ہی دکھ تھا۔

ماضی۔۔۔

دوبئی کی حسین شام میں سڑک کے پار ایک لڑکی بارش میں بس سٹاپ پر سر پر اپنا بیگ رکھے خود کو بھگینے سے بچنے کی کوشش میں لگی تھی۔

بارش کی بوندیں اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں، اور وہ بے چینی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی، شاید کسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص چمک تھی، جو اس کے دل کی بے قراری کو ظاہر کر رہی تھی۔ اچانک، ایک گاڑی اس کے سامنے آکر رکتی ہے، اور دروازہ کھلتے ہی ایک مانوس آواز اسے اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔

"صنم، جلدی آؤ، بارش تیز ہو رہی ہے!" ظفر کی آواز میں ایک ہلکی سی بے چینی تھی، جیسے وہ چاہتا ہو کہ صنم جلدی سے گاڑی میں آجائے تاکہ وہ دونوں بارش سے بچ سکیں۔

صنم مسکراتے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھتی ہے، اور ظفر کی پیشکش قبول کرتے ہوئے اندر بیٹھ جاتی ہے۔ گاڑی کے اندر گرمائش اور ظفر کی موجودگی اسے ایک عجیب سا سکون دیتی ہے۔

ظفر اسے دیکھ کر مسکراتا ہے، تم کبھی نہیں سودھرو گی ہمیشہ انتظار کرتی ہو بارش ہو تو تم بھگو تو وہ مسکراتی ہے ظفر گاڑی کو گھر کے راستے پر ڈال دیتا ہے۔  
"تمہیں بارش بہت پسند ہے، ہے نا؟" ظفر نے صنم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

صنم نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا، "ہاں، بارش مجھے ہمیشہ خوشی دیتی ہے۔ یہ جیسے میرے دل کی باتیں سن کر آتی ہے۔"

ظفر نے صنم کی بات سن کر سر ہلایا، اور دونوں خاموشی سے بارش کی آواز سنتے ہوئے سفر جاری رکھتے ہیں۔ گاڑی دوپٹی کے ایک نور مل علاقے کے ایک چھوٹے سے گھر کے سامنے روکی۔ یہ گھر ظفر نے ہی صنم کو کے لئے خرید رکھا تھا۔

گاڑی رکنے پر صنم نے ظفر کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا، "شکریہ، ظفر۔ تم ہمیشہ میرے لیے وقت نکالتے ہو۔" ظفر نے جواب دیا، "تمہارے لیے تو ہمیشہ وقت ہے، صنم۔" دونوں گاڑی سے باہر نکلے، اور صنم نے اپنے بیگ کو ٹھیک کرتے ہوئے کہا، "چلو، اندر چلتے ہیں۔"

گھر کے اندر داخل ہوتے ہی صنم نے اپنے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ یہ ایک چھوٹا سا مگر خوبصورت گھر تھا، جس میں ہر چیز سلیقے سے رکھی گئی تھی۔ صنم نے ظفر کی طرف دیکھا اور کہا، "یہ جگہ کتنی خوبصورت ہے، ظفر۔ یہاں آکر ہمیشہ سکون ملتا ہے۔"

ظفر نے مسکراتے ہوئے کہا، "یہ جگہ تمہاری وجہ سے ہی خاص ہے، صنم۔" صنم نے شرماتے ہوئے کہا، "تم ہمیشہ ایسی باتیں کرتے ہو۔" اسے شرماتے دیکھ ظفر اسے بازو سے کھینچ اپنے چہرے کے قریب لے آتا ہے۔

بس کچھ دن صنم کچھ دن اور ایک بار ہم اس دشمن کو ختم کر لیں جسے زیدان نے کہا۔ ہم دونوں پھر شادی کر لیں گے۔ سچ میں۔۔۔ ظفر اس کے گالوں پر لب رکھتا ہے۔ جی! میری جان۔۔۔ سچ میں۔۔۔



صنم اس کے اس عمل سے تھوڑا شرماتی ہے ظفر اس کا چہرہ اپنی ہاتھ کی انگلی سے اوپر اٹھاتے اپنے لب اس کے لب کے قریب لاتا ہے۔ اس سے پہلے کے دونوں کے لب ٹکراتے ظفر کا فون بجا۔۔

صنم اپنا آپ چھوڑوا کچن میں بھاگ جاتی ہے۔ ظفر مسکراتے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہے فون مسلسل بج رہا ہوتا ہے۔ ظفر سکرین پر زیدان کا نمبر دیکھ منہ بگاڑتا ہے ایک اس کباب کی ہڈی کو اسی ٹائم ہی کال کرنا یاد آتا ہے

فون کٹ کر ایک بار پھر باجنے لگا تھا ظفر نے گہرا سانس لیا اور فون کان سے لگائے بولا اٹھا رہا ہوں میرے باپ۔۔۔۔۔!

ظفر کی بات پر زید ان کی ہنسی کی آواز فون کے دوسری طرف سے سنائی دیتی ہے۔ "کباب کی ہڈی؟ واقعی، ظفر! تیری باتیں کبھی نہیں بدلتی۔" ظفر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، "کیا کروں، یار! تو ہمیشہ ایسے وقت پر کال کرتا ہے جب میں کچھ خاص لمحوں میں ہوتا ہوں۔"

توسیدھی طرح بول تو نوٹس کی کرنے میں بیزی تھا۔ ظفر۔۔۔ بھڑک اٹھتا ہے تو اور کیا کروں سالیئے کب سے تو میری شادی لٹکی ہوئی ہے صرف اُس کمینے سردار کی وجہ سے۔ ورنہ اب تک دونہ سہی ایک تو بچہ ہو ہی چکا ہوتا میرا۔۔۔

ظفر کی بات پر زید ان کی ہنسی گو نجی ہے فکر کیوں کرتا ہے میں ہوں نہ جلدی کرو اتا ہوں تیری شادی۔۔۔ ظفر زید ان کی بات پر تپ کر کہتا ہے۔۔۔ ہاں ہاں

Click On The Link Above To Read More Novels / ☎ / ✉ [0344 4499420](https://www.zubinovelzone.com/)

<https://www.zubinovelzone.com/>

کمنے تو ہی کروے گا جو دیپل مجھے اُس کے پاس بیٹھنے نہیں دیتا دھرا بھی  
فلم شروع بھی نہیں ہوتی اور تیری وجہ سے ختم بھی ہو جاتی جسے ابھی ہوئی۔

زید ان اس کی باتوں کا مطلب سمجھ نہتا ہی چلا جاتا ہے۔ تو ہنس اور ہنس وہ دن  
دور نہیں ہے جب تیری بھی ایسی ہی حالت ہوگی۔ پھر باری میری ہوگی۔  
زید ان سنجیدہ ہو جاتا ہے اچھا بس! میں کھانے پر انتظار کر رہا ہوں تیرا آجا۔ اچھا  
آیا۔۔۔ اور فون بند ہو جاتا ہے۔

... پھر منظر دھندلانے لگتا ہے۔ وہ یادیں ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ ظفر کی  
آنکھوں سے ایک خاموش آنسو نکل کر گال پر بہہ جاتا ہے۔  
"صنم"...

بس یہی ایک نام تھا جو اس کے لبوں سے آہستہ سے نکلتا ہے۔ ایک درد، ایک  
پکار... جو شاید اُس کے دل سے نہیں، روح سے نکلی تھی۔

اسی لمحے بیسمنٹ کا دروازہ آہستہ سے کھلتا ہے۔ ہلکی سی روشنی اندر داخل ہوتی  
ہے۔ قدموں کی آہٹ سن کر ظفر فوراً سیدھا ہو کر بیٹھتا ہے۔ سایہ جیسے اس کی  
طرف بڑھ رہا ہو۔

"کون ہے؟" وہ مدھم آواز میں کہتا ہے۔

اور سامنے زیدان کھڑا ہوتا ہے، ہاتھ میں فائل، چہرے پر گہری سنجیدگی۔

"میں آج بھی چاہتا ہوں ہمارے درمیان یہ غلط فہمی دُور ہو جائے ہم دشمن نہیں

تھے، ظفر... وقت نے بس ہمیں دھوکہ دیا۔"

زیدان کی آواز میں وہی شدت تھی جو ایک وقت میں ان کی دوستی کا وصف  
تھی۔

ظفر اس کی طرف دیکھے بغیر کہتا ہے:

"دوستی وہ ہوتی ہے، جو غلط فہمیوں کی دیواریں توڑ دے، زیدان... تم نے مجھے

قید کر دیا۔"

زیدان تھوڑا قریب آکر فائل اس کے سامنے رکھتا ہے:

"یہ تمھاری رہائی کی فائل ہے... لیکن اس کے بدلے مجھے تمھاری سچائی

چاہیے۔ تم نے اُس رات کیا دیکھا تھا؟"

ظفر کی سانسیں تیز ہو جاتی ہیں، وہ خاموش ہو کر فائل کو گھورتا ہے۔ "سچ؟ تم سچ

سن سکو گے، زیدان؟ کیونکہ سچ صرف دشمنوں کو نہیں، اپنوں کو بھی جلادیتا

ہے۔"



زیدان کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے لرزش آتی ہے، مگر وہ مضبوطی سے کھڑا

رہتا ہے۔ "تمھارا سچ، مجھے میرے دشمن کا چہرہ دکھا سکتا ہے، ظفر۔ اور میں اب

مزید اندھیرے میں نہیں رہنا چاہتا۔" لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد ظفر دھیرے

سے کہتا ہے:

"ٹھیک ہے، زیدان... سچ وہی ہوگا، جو تمھاری دنیا ہلا دے گا۔ تیار رہنا۔"



صبح کا سورج پورے ابوتاب سے چمک رہا تھا۔ ایک نئی صبح کا آغاز ہو چکا تھا۔  
پیس کے ہال میں اس وقت سبھی لڑکے لڑکیوں کا انتظار کر رہے تھے۔ زیدان  
نے بلیو پولو شرٹ ویدوائٹ جینز پہنی ہوئی تھی۔ وہی بلا کی خوبصورتی ہاتھ میں  
برانڈ ڈواج آنکھوں پر بلیک رے بن لگائے کئی حسیناؤں کو اپنا دیوانہ بنانے کے  
لیے تیار کھڑا تھا۔

عمار سبز قمیض براؤن ٹراؤزر، اُسامہ وائٹ شرٹ بلیو جینز، عاصم وائٹ ہالف  
بازوں ٹی شرٹ سکین براؤن جینز پہنے تباہی مچانے کے لئے تیار تھے۔ یہ اتنی  
تیاری آج صرف اس لیے تھی کیونکہ آج حسینائیں جو ساتھ جانے والی تھیں۔

Click On The Link Above To Read More Novels / [0344 4499420](https://www.zubinovelzone.com/)

<https://www.zubinovelzone.com/>

سبھی کی نظریں دروازے کی طرف تھیں، جہاں سے لڑکیاں آنے والی تھیں۔  
ہر کوئی بے چینی سے انتظار کر رہا تھا کہ کب وہ لمحہ آئے گا جب وہ سب ایک ساتھ  
روانہ ہوں گے۔ کتنی ہی دیر انتظار میں کھڑے اسامہ تنگ آتے بول پڑا۔ یہ  
لڑکیاں اتنا ٹائم کیوں لگا رہی ہیں ہم تو پہلے ہی ان پر فدا ہیں۔ اب کیا مارنے کا ارادہ  
ہے۔

ابھی اسامہ بول ہی رہا تھا کہ لڑکیاں تیار ہوئی نیچے اتر رہی تھیں۔ اُسامہ کو منہ  
کھولے دکھ باقیوں کی نظر بھی اُس طرف اٹھی اور وہیں پر ٹھہر گئیں۔

زیدان کے لئے تو جسے وقت تھم گیا ہو۔ عنایہ پیچ پنک کلر کافل لینٹھ فراک  
جس پر در کپنک بڑے بڑے پھول بہت خوبصورتی سے بنے ہوئے تھے۔  
لائٹ سے ماکپ میں وہ کوئی گڑیا ہی معلوم ہوتی تھی۔

لڑکوں کو ان کی تیاری اور جوش و خروش دیکھ کر یہ واضح تھا کہ آج کا دن  
خاص ہونے والا تھا۔ جیسے ہی لڑکیاں ہال میں داخل ہوئیں، سب کی توجہ ان کی  
طرف مبذول ہو گئی۔ ان کی موجودگی نے ماحول کو اور بھی پرکشش بنا دیا۔

زیدان، عمار، اسامہ، اور عاصم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور مسکراتے  
ہوئے آگے ہوتے اپنی اپنی حسینہ کا ہاتھ تھامے آج کے خوبصورت سفر کے لئے  
نکل پڑے۔ اب گاڑی کا رخ دوبئی میرکل گارڈن کی طرف تھا۔

پکنک کی اجازت تو زید ان نے دے دی تھی پر خطرہ ابھی ٹالا نہیں تھا اس لیے ان سب کی گاڑیوں کے ساتھ ساتھ فل پر وٹو کول کے ساتھ سکیورٹی بھی موجود تھی جن کو گاڑیوں سے فاصلے پر رہنے کے آرڈرز تھے۔

گاڑیوں کا قافلہ دھیمے سے رُکا۔

پہلی گاڑی سے زید ان خانزادہ اور عنایہ اترے، دروازہ کھولتے ہی اُس کی سرد اور پرکشش شخصیت نے ماحول پر گرفت جمالی۔

اس کے پیچھے عمار، عاصم اور اسامہ کی گاڑیاں رُکیں۔

جن کی دوسری طرف سے، ایشال، مناحل اور حوریہ گاڑیوں سے اتریں،  
رنگوں میں ڈوبے خوشگوار لباس، ہنستی مسکراتی چہروں کے ساتھ۔

اسامہ نے جلدی سے اپنی جیب سے چشمہ نکالا، لگایا اور نخری سے بولا:

"بھائیو! تیار ہو جاؤ، دبئی کی لڑکیاں ہمیں دیکھ دل دینے والی ہیں۔"



عاصم نے مسکراتے ہوئے اسامہ کی بات کا جواب دیا، "بس تمہاری یہ خود

اعتمادی قائم رہے، دبئی کی لڑکیاں تو کیا، یہاں کی حسینائیں بھی تم پر فدا ہو جائیں

گی۔ میرے بھائی!۔۔"

سب لڑکے ہنستے ہوئے آگے بڑھے اور دبئی میر کل گارڈن کے داخلی دروازے کی طرف چلنے لگے۔ وہاں پہنچ کر سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر باغ کی خوبصورتی میں کھو گئے۔

دبئی میر کل گارڈن کا منظر واقعی دلکش تھا۔ ہر طرف رنگ برنگے پھولوں کی بہار تھی، جو دیکھنے والوں کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ عنایہ کے لئے یہ ایک الگ ہی دنیا تھی۔

عنایہ نے زیدان کا ہاتھ تھام کر کہا، "زیدی! یہ جگہ واقعی حیرت انگیز ہے، ایسا لگتا ہے جیسے ہم کسی خوابوں کی دنیا میں آگئے ہیں۔" پر تم سے زیادہ نہیں۔"

زیدان اپنے ہی جذبات میں بھکا عنایہ کو دیکھتے بولا۔ عنایہ مسکرا دی۔



عمار نے عاصم کی طرف دیکھ کر کہا، "یہاں کی خوبصورتی کو دیکھ کر دل کرتا ہے کہ وقت یہیں ختم جائے اور ہم بس اس لمحے کو جیتے رہیں۔" اُسامہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا، "بلکل، اور اس خوبصورتی کے ساتھ ہماری حسینائیں بھی ہیں، جو اس لمحے کو اور بھی خاص بنا رہی ہیں۔"

حوریہ باغ کی خوبصورتی میں گم عاصم کا ہاتھ پکڑ بچوں کی طرح اچھل رہی تھی۔ اس کی خوشی دیکھ عاصم بھی مسکرا رہا تھا۔ اس کا دل حوریہ کی ان مصوم اداؤں میں ڈھرک ڈھرک کر سینے سے باہر آنے کو تیار تھا۔

دبئی کا مشہور "میریگل گارڈن" اپنی ساری خوبصورتی کے ساتھ آج ان سب کا منتظر تھا۔ پھولوں کی مہک، رنگوں کا طوفان، تتلیوں کی اڑان اور ہوا میں گھلی تازگی ہر دل کو چھو رہی تھی۔

ایک دلکش راہ پر چلتے ہوئے اچانک سب کی نظریں ایک طرف جا کر رُک گئیں۔ "ارے واہ! سائیکلیں!" حوریہ نے خوش ہو کر شور مچایا۔ سامنے ایک کارنر پر رنگ برنگی سائیکلیں ترتیب سے کھڑی تھیں۔ سنگل سیٹ، ڈبل سیٹ، بڑی، چھوٹی، ہر طرح کی۔

"چلو! ایک زبردست ریس ہونی چاہیے!" اسامہ نے مسکراتے ہوئے اعلان کیا۔ "اور جیتے گا کون؟ ظاہر ہے میں!" مناحل نے اکڑ کر کہا اور سب سے پہلے دوڑتی ہوئی سائیکل کی طرف بڑھی۔ ہر کسی نے اپنی اپنی پسند کی سائیکل لی۔ عمار نے ایشال کے لیے گلابی سائیکل نکالی، عاصم نے حوریہ کے لیے سبز رنگ کی، اور اسامہ نے مناہل کے لیے نیلی رنگ کی۔

لیکن زیدان اور عنایہ کی نظر ایک خوبصورت سفید اور سنہری رنگ کی ڈبل سیٹ سائیکل پر جاڑ کی۔ عنایہ نے دھیمی آواز میں پوچھا، "مجھے تو چلانی نہیں آتی میں کیا کروں۔؟" زیدان کی آنکھوں میں نرمی سی اتر آئی، وہ مسکرایا "تمہارے بغیر کوئی سفر مکمل نہیں ہوتا... اور جب میں ساتھ ہوں تو پھر کس بات کی فکر آگے بیٹھو، تم ہی میری منزل ہو۔"

عنایہ شرما کر اگتے بھرتی زیدان کی سیٹ اور ہینڈل کے بیچ لگے رڈ پر بیٹھ گئی، اور زیدان نے پیچھے سے ہینڈل تھام لیا۔ اس کی نظریں عنایہ کی زلفوں میں الجھی ہوئی تھیں۔ "ریڈی... سیٹ... گو!" عمار نے زور سے کہا۔ اور سب اپنی سائیکلوں کو ہوا کی رفتار سے چلانے لگے۔

مناہل اور اسامہ ساتھ ساتھ بھاگ رہے تھے۔ اور اسامہ بار بار مناہل کو ڈرانے کے لیے سائیکل کو گرانے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔ "اسامہ! تمہاری نوٹنکی کی وجہ سے ہم ہار جائیں گے!" مناہل نے جھنجھلا کر کہا۔

اسامہ ہنستے ہوئے بولا، "میں ہارنے والوں میں سے نہیں! میں تو تمہارے لیے جیت کے لاؤں گا، چاہے سائیکل الٹ ہی کیوں نہ جائے!" مناہل نے چڑ کر کہا، "اور ایکٹنگ بند کرو... کہیں واقعی نہ گر جاؤ!"

حوریہ اور عاصم اپنی ہی دنیا میں تھے۔ حوریہ بچوں کی طرح پوری اوپر جھکی سائیکل چلا رہی تھی۔ حوریہ نے زور سے پیڈل مارتے ہوئے کہا، "میں تم سے آگے نکلوں گی!"

عاصم نے شرارت سے کہا، "پہلے پیچھے تو رہنے دو، پھر آگے نکلو گی!" "حوریہ نے غصے سے سائیکل روک دی، اتری، اور ایک ہاتھ سے سائیکل کو گھسیٹ کر دوڑنے لگی۔ عاصم نے مڑ کر دیکھا اور قہقہہ لگا کر سائیکل روک لی، "یار یہ لڑکی تو سائیکل کے ساتھ ریس لگا رہی ہے!" عاصم کا تو ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا تھا۔

ایشال نے عمار کو آنکھوں میں دیکھ کر کہا، "میں جیتوں گی آپ دیکھتے ہی رہ جائیں گے..." "عمار نے سینے پر ہاتھ رکھ کر مسکرا کر کہا، "آپ نے تو ہمیں پہلے ہی جیت لیا ہے، یہ سائیکل کی ریس کیا چیز ہے..."

ایشال نے شرما کر نظر جھکالی، اور دونوں خاموشی سے مگر محبت بھری نظروں کے ساتھ سائیکل چلاتے رہے۔

زیدان نے عنایہ کے کان کے قریب جھک کر کہا، "تم اتنی ہلکی ہو کہ سائیکل ہوا میں اڑنے لگی ہے۔"

عنایہ نے ہنستے ہوئے کہا، "اور تمہاری باتیں دل کی دھڑکن بڑھا رہی ہیں..."

زیدان نے ہلکی بریک لگائی، "ڈر صرف مجھ سے ہونا چاہیے... اور تم تو میری ہو۔"

عنایہ نے پیچھے مڑ کر اس کے سینے پر دل کے مقام پر ہاتھ رکھا، "تو پھر چلیے... سب سے پہلے جیتے ہیں۔"

اور وہ واقعی سب کو پیچھے چھوڑتے ہوئے ریس جیت گئے۔ سب نے تالیاں بجائیں، قہقہے لگے، خوشی کی آوازیں گونج اٹھیں۔ "چیٹنگ ہے یہ!" اسامہ نے



چیخ کر کہا، "یہ تو لووانجن لگا کر آئے تھے!" عاصم نے ہنستے ہوئے کہا، "اصل جیت دل سے ہوتی ہے، سائیکل سے نہیں!"

زیدان نے عنایہ کی طرف دیکھ کر دھیرے سے کہا، "پہلی ریس جیت گئی... اور میں تو ہر ریس تمہارے ساتھ ہی جیتنا چاہتا ہوں۔" عنایہ نے ہنستے ہوئے نظریں جھکا لیں، "اور میں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہوں..."

دبئی کی شام اپنی شفاف روشنی اور نرم ہوا کے ساتھ دلوں کو لبھانے لگی تھی۔ سب گھوم گھم کر گارڈن کے کیفے شپ کی ٹیبل پر بیٹھے پیٹ پوجا میں لگے ہوئے تھے۔

اُسامہ جو بہت سارا کھانا کھانے کے بعد ایسے بیٹھا تھا کہ بس ابھی سو جائے گا۔  
اسے ایسے دیکھ حور یہ فوراً بولی اسامہ بھائی سونامت ابھی جھولے بھی لینے ہیں  
۔ آپ کی تو ابھی سے ہی بتی گل ہو گئی۔

اُسامہ آنکھیں بند کیے ہی بولا گڑیا ابھی تو میں خود کو ریچارج کر رہا ہوں تمہاری  
بہن کو بھی تو ابھی ہرانا ہے تم بس دکھتی جاؤ۔۔ اور یوں وہ سب "گارڈن کے  
جوائے لینڈ" کی طرف نکلے۔

جوائے لینڈ کی رنگ برنگی روشنیاں، بچوں کی ہنسی، پاپ کارن کی خوشبو، اور  
جھولوں کی چیخیں فضا میں گونج رہی تھیں۔

زیدان یہ سب دیکھ اپنے فیصلے پر پشتمن رہا تھا۔ اسے اب عنایہ کی سچی فکر ہوئی۔

"میں سب سے پہلے جھولالوں گی!" حوریہ کی آواز بلند ہوئی۔ وہ بچوں کی طرح اچھلتی ہوئی "ریڈ ڈرگن" کی طرف بھاگی۔

عاصم اُس کے پیچھے پیچھے تھا، "یار آہستہ! ابھی تو انٹری لی ہے، تم تو ریس لگا رہی ہو!"

ہنسی کا پہلا قہقہہ اُسامہ کی طرف سے آیا، جو مناہل کے ساتھ کھڑا تھا۔ "یار یہ حوریہ تو جھولے میں بیٹھے بیٹھے چاند تک جائے گی آج!"

مناہل نے ناک چڑھائی، "اُسامہ پلیز! تمہاری فضول باتوں سے میرا دماغ خراب ہوتا ہے۔ مجھے حوریہ کی فکر لگی ہوئی ہے۔" "تمہارا دماغ تو ٹھنڈے پانی سے بھی نہیں ٹھنڈا ہوتا، میری باتیں تو پھر بھی مزاحیہ ہیں! اُس کی فکر نہیں کرو اپنا ہیرو اس کے ساتھ ہے" اُسامہ نے مصنوعی دکھ سے کہا۔

دوسری طرف ایماں اور ایشال خاموشی سے ایک طرف کھڑے جھولوں کا جائزہ لے رہے تھے۔

"ایشال، یہ والا جھولا زیادہ مزے کا لگ رہا ہے، چلیں؟"

"ہاں، اگر گر گئے تو ساتھ مریں گے!" ایشال نے کندھے اچکا کر مسکرا کر کہا۔

جھولوں کا میلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے حوریہ اور عاصم "ریڈ ڈریگن" پر

چڑھے۔

"عاصم بچا لو دو!" حوریہ کی چیخ سنائی دی۔

"میں خود مر رہا ہوں! تمہیں ہی شوق تھا؟" عاصم ہنستے ہنستے جھولا جھولتے جھولتے آنکھیں بند کر بیٹھا۔ نیچے کھڑے اسامہ نے قہقہہ لگایا، "یار یہ جوڑے جھولوں میں نہیں، جہاز میں بیٹھے لگ رہے ہیں!"

زیدان اور عنایہ پیچھے سے سب کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ عنایہ نے آہستگی سے کہا، "یہ سب کتنے خوش ہیں، زیدان... اور آپ... کا کیا ارادہ ہے؟"

پھر وہ عنایہ کے ساتھ "کریزی کارز" کی طرف بڑھے۔ دونوں نے اپنی اپنی کار لی، اور جیسے ہی جھولا شروع ہوا، عنایہ نے جان بوجھ کر زیدان کی گاڑی میں ٹکڑ ماری۔

"بیچ کے کہاں جاؤ گے، مسٹر کراؤن؟" اُس نے شرارتی انداز میں کہا۔ زیدان نے قہقہہ لگایا جو دل کی گہرائی سے نکلا۔ اُسامہ نے فوراً آواز لگائی، "اوتے مناہل! یہ محبتوں کی ریس ہے، آؤ ہم بھی کچھ کر دکھائیں!" مناہل نے آنکھیں گھمائیں،

"تمہاری ان۔ لو فرانا باتوں سے الٹی ارہی ہے اُسامہ، تم نے اگر مجھے ٹکرماری تو میں جھولا بند کروادوں گی!" عثمان نے ڈرامائی انداز میں کہا، "محبت میں بندش قبول ہے، ٹکر نہیں!"

اس کے بعد سب نے "فنی شیشے" والے ہال میں داخل ہو کر قہقہوں کا طوفان برپا کر دیا۔ حوریہ شیشے میں اپنے آپ کو دیکھ کر زور سے چیخی، "اوتے میری ناک کیوں اتنی بڑی لگ رہی ہے!"



عثمان شیشے کے آگے آیا اور بولا، "میری تو ٹانگیں پتلی ہو گئیں، لگ رہا ہوں  
رونوے پر ہوں!" مناہل نے شیشہ دیکھا اور بولی، "میں تو پہلے ہی ماڈل لگتی  
ہوں، یہ شیشہ میری عزت کر رہا ہے۔"

ہر ایک لمحہ قہقہوں سے گونج رہا تھا۔ عنایہ نے زید ان کا ہاتھ تھاما اور کہا: "یہ لمحے  
ہمیشہ کے لیے یاد رکھیں گے ہم نا؟" زید ان نے اُسے دیکھا، "جب بھی بھولنے  
لگوں گا... تم مجھے یاد دلا دینا۔"

شام کا وقت ہو چکا تھا اور دبئی کی روشنیاں مزید دلکش ہو گئی تھیں۔ سب دوست  
تھک کر ایک کیفے میں بیٹھ گئے، جہاں انہوں نے مزید ارکھانے اور مشروبات کا

لطف اٹھایا۔ گفتگو میں دبئی کی خوبصورتی اور دن بھر کی دلچسپ سرگرمیوں کا ذکر بار بار آ رہا تھا۔

عنایہ نے زیدان کی طرف دیکھ کر کہا، "یہ دن واقعی خاص تھا، میں کبھی نہیں بھولوں گی۔" زیدان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، "یہ دن تو بس شروعات ہے، ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔"

عمار نے سب کی طرف دیکھ کر کہا، "ہمیں دوبارہ یہاں آنا چاہیے، لیکن اگلی بار زیادہ وقت کے لیے۔" اسامہ نے فوراً کہا، "بلکل! اور اگلی بار ہم کچھ نیا کریں گے، شاید کوئی ایڈونچر۔"

سب نے اتفاق کیا اور دبئی کی رات کی خوبصورتی کا لطف اٹھاتے ہوئے واپس جانے کی تیاری شروع کی۔ گاڑی میں زید ان بیٹھے ہی لگا تھا کہ سڑک کے اُس پار کھڑی لڑکی کو دیکھ زید ان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔

یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ ممکن کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ وہ نہیں ہو سکتی۔ ٹریفک کا سگنل زید ان کے چلتے ہی کھل چکا تھا۔ زید ان کسے بھی کر کے اُس تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اسے ایسے بھاگتا دیکھ سبھی پریشانی سے اسے دیکھنے لگے۔ زید ان ٹریفک سے بچتا بچاتا وہاں پہنچا جہاں وہ لڑکی کھڑی تھی۔ پر اب وہ وہاں موجود نہیں تھی۔

عمار بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ کیا ہوا زید ان۔۔۔ عمار صنم... کیا؟؟۔۔۔ ہاں عمار صنم ہماری صنم وہ یہاں ہی تھی۔ زید ان کیا ہو گیا ہے یہ ممکن نہیں ہے۔ تمھے وہم ہوا ہے۔

زیدان کی رگیں تن چکی تھی۔ عمار کی طرف ایک ہی جست میں آیا۔ مجھے مجھے  
وہم ہوا زیدان خانزادہ کو۔ نہیں عمار مجھے وہم نہیں ہو سکتا۔ میری نظر نے دوکھ  
نہیں کھایا۔ وہ تھی وہ تھی یہاں۔۔۔ ڈھونڈو ڈھونڈو اُسے۔۔

عمار نے زیدان کو پر سکون کرنے کی کوشش کی، "زیدان، شاید یہ صرف ایک  
اتفاق تھا۔ دبئی میں بہت سی لڑکیاں ہیں، اور ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور سے  
مشابہت رکھتی ہو۔" زیدان نے گہری سانس لی، لیکن اس کی بے چینی کم نہیں  
ہوئی۔ وہ مسلسل اس لمحے کے بارے میں سوچ رہا تھا جب اس نے صنم کو دیکھا  
تھا۔

"چلو، واپس چلتے ہیں۔" عمار نے زیدان کو گاڑی کی طرف لے جانے کی کوشش کی۔ زیدان نے ایک آخری نظر اس جگہ پر ڈالی جہاں وہ لڑکی کھڑی تھی، پھر گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی عنایہ نے زیدان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا، "سب ٹھیک ہے؟"

زیدان نے سر ہلاتے ہوئے کہا، "ہاں، سب ٹھیک ہے۔ بس ایک لمحے کے لیے لگا کہ میں نے کسی کو دیکھا جسے میں جانتا ہوں۔ جو میرے اور میرے بھائی کی دوستی کی ضمانت ہے" عنایہ نے زیدان کا ہاتھ تھام لیا، "کبھی کبھی آنکھیں ہمیں دھوکہ دے دیتی ہیں، لیکن دل ہمیشہ سچ جانتا ہے۔"

"زیدان نے عنایہ کی طرف دیکھا.. "لیکن میری آنکھیں دھوکہ نہیں کھا سکتی۔" زیدان کو یقین تھا کہ اُس نے آنکھوں نے جو دیکھا وہ جھوٹ نہیں۔ اُس کا

دماغ یہ منے کو راضی ہی نہیں تھا کہ اسے دھوکہ ہوا ہے اگر اسے لگتا ہے کہ وہ صنم تھی تو وہ صنم ہی تھی۔

اور اب جب اس کی نظر میں وہ اچھی ہے تو زیدان خانزادہ کو دو بئی کا کونا کونا بھی پھرنا پڑا تو وہ اسے ڈھونڈ نکالے گا۔ چاہئے وہ کہیں بھی ہو۔۔

زیدان کی بے چینی اور اضطراب واضح تھا۔ دبئی کی روشنیاں اور ہجوم میں صنم کی جھلک دیکھ کر اس کا دل بے قابو ہو گیا تھا۔ عنایہ نے زیدان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس کی فکر کو محسوس کیا، وہ جانتی تھی اُس کا شوہر اپنے دوست کو کھونے کا درد اب بھی نہیں بھولا "زیدان، کبھی کبھی زندگی ہمیں ایسے لمحے دیتی ہے جو ہمیں کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ شاید یہ ایک اشارہ ہے، یا شاید صرف ایک اتفاق۔"



زیدان نے عنایہ کی بات سن کر گہری سانس لی، "شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو،  
لیکن میرے دل کی گہرائیوں میں کچھ ہے جو مجھے چین نہیں لینے دے رہا۔"

پیس کے ہال میں بیٹھتے ہوئے، زیدان نے اپنے خیالات کو جمع کرنے کی  
کوشش کی۔ دبئی کی رات کی خوبصورتی نے بھی اس کی بے چینی کو کم نہیں کیا۔  
اس نے اپنے دوستوں کی طرف دیکھا، جو اس کی حالت کو سمجھنے کی کوشش کر  
رہے تھے۔

عمار نے زیدان کو تسلی دیتے ہوئے کہا، "ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر  
تمہیں لگتا ہے کہ صنم یہاں ہے، تو ہم اسے ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے۔"

زیدان نے مسکرا کر عمار کی طرف دیکھا، "شکریہ، دوست۔ مجھے تم سب کی حمایت کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنا ظفر واپس چاہئے یہ دیوار جو کھڑی ہے صرف صنم کی سچائی ہی گرا سکتی ہے"

سب نے اتفاق کیا کہ وہ دوبارہ دبئی کے مختلف مقامات پر جائیں گے، شاید صنم کی موجودگی کا کوئی سراغ مل جائے۔ دبئی کی رات کی روشنیوں میں زیدان کی امید کی کرنیں بھی چمک رہی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ یہ تلاش آسان نہیں ہوگی، لیکن اس کے دل میں صنم کو دوبارہ دیکھنے کی خواہش مضبوط تھی۔

عنایہ نے زیدان کا ہاتھ تھام کر کہا، "ہم سب مل کر اسے ڈھونڈیں گے۔ کبھی کبھی زندگی ہمیں حیرت انگیز مواقع دیتی ہے، اور شاید یہ بھی ایسا ہی ایک موقع ہے۔"

زیدان نے دل میں عزم کر لیا کہ وہ صنم کو تلاش کرے گا، چاہے اسے دبئی کے ہر گوشے میں جانا پڑے۔ اس کی آنکھوں میں امید کی چمک تھی، اور وہ جانتا تھا کہ اس کے دوست اور عنایہ اس کے ساتھ ہیں، اس سفر میں جو شاید زندگی کو ایک نئی سمت دے سکتا ہے۔

اب زیدان کا رخ بیسمنٹ کی طرف تھا۔ وہ ظفر سے مل کر اسے بتانا چاہتا تھا۔ سچ جانتا چاہتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زیدان کی زندگی کا سب سے بڑا

نقصان اُس کے دوست اُس کے بھائی ظفر کا اُس سے بدگمان ہونا تھا۔ اور اب  
زید ان یہ سب بدگمانی مٹانے کا ارادہ کر چکا تھا۔

زید ان بیسمنٹ کی طرف بڑھتے ہوئے اپنے خیالات میں گم تھا۔ اس کے دل  
میں ظفر سے بات کرنے کی شدید خواہش تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ان کی دوستی میں  
پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کو دور کرنا آسان نہیں ہوگا، لیکن اس نے عزم کر لیا  
تھا کہ وہ ظفر کو حقیقت سے آگاہ کرے گا۔

بیسمنٹ میں پہنچ کر زید ان کی نظر ظفر پر پڑی جو شاید صنم کی ہی یادوں میں گم تھا  
۔ زید ان نے پاس کھڑے اپنے آدمی کو لاک کھولنے کا اشارہ کیا جس پر اُس نے  
جلدی سے لاک کھل دیا۔ ظفر زید ان کو دیکھ منہ پھیر گیا۔

زیدان نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا، "ظفر، ہمیں بات کرنی ہے۔ جو کچھ ہوا، اس کے بارے میں ہمیں کھل کر بات کرنے کی ضرورت ہے۔" اگر اب بھی ہم چپ رہے تو جس نے ہمیں الگ کرنے کے لئے یہ سب کیا وہ کامیاب ہو جائے گا۔ ہمیں قدرت موقع دے رہی ہے۔

ظفر نے مکمل خاموشی رکھی وہ زیدان کو دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس میں اس کا قصور نہیں تھا اسے جو ثبوت ملے تھے وہ زیدان کے خلاف ہی جاتے تھے۔ اسے مسلسل خاموش دیکھ۔ زیدان چکھا۔ وہ زندہ ہے۔۔۔۔۔ ڈیمد۔۔۔۔۔ یہ کہنا تھا کہ ظفر جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ تو تو جھوٹ بول رہا ہے۔۔

نہیں میرے یار۔۔۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا تیرا زیدان جھوٹ نہیں بولتا۔ میں نے خود ان آنکھوں سے اسے دیکھا ہے۔ کہاں ہے وہ اسے کیوں نہیں لیا

کہاں ہے کہاں ہے صنم۔۔۔ ظفر پاگلوں کی طرح زیدان سے پوچھنے لگا۔ اس کی حالت دیکھ زیدان نے اسے اپنے سینے لگا لیا۔

ظفر بولتا ہی جا رہا تھا یار اُس کو بول مجھے معاف کر دے ایک بار صرف ایک بار میں سب بھول جاؤں گا بس واپس آجائے۔ زیدان نے پیچھے ہوتے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں پکرا بس بس ظفر۔۔۔ میں اُسے بہت جلد تجھ تک لے کر آؤں گا۔ ہم مل کر اسے ڈھونڈیں گے۔



پُر کیف دھوپ میں ڈوبادبئی کا آسمان کسی خواب کی مانند روشن تھا، لیکن اُس کے نیچے بیٹھے زیدان خانزادہ کی آنکھوں میں آج بھی ماضی کی پتی ریت اڑ رہی تھی۔ وہ لمحے، وہ مسکراہٹیں، وہ بے لوث دوستی کا سفر... سب کچھ جیسے روح میں چھپی کسی ادھ جلی تحریر کی مانند تھا۔

ظفر فریش ہو کر زیدان کے ساتھ کھانے کی ٹیبل پر بیٹھا ہوا تھا۔ پورے ڈائننگ ہال میں صرف خاموشی چاہی تھی۔ بس سانسوں کی سرگوشی گونج رہی تھی۔ ظفر اور زیدان کی نظروں میں بس ایک دوسرے کے لیے سوالوں کا جہاں تھا۔ جن کے جواب اب جلد ملنے والے تھے۔

ماضی۔۔۔!

یہ لاہور کے ایک انجینئر کالج کا گراؤنڈ تھا۔ سبھی طلباء جمع تھے کیونکہ کالج کے  
دو نہایت اکثر مجاز آمنے سامنے تھے۔ ایک اعلیٰ نسل خاندان سے تھا  
زیدان۔۔۔ اور ایک کاسب ہو کر بھی کچھ نہیں تھا ظفر۔۔۔

ظفر زیدان کے بابا سرکار کے خاص آدمی کا بیٹا تھا۔ اُن کی وفات کے بعد بابا  
سرکار نے ظفر کو بھی زیدان کی طرح بیٹا بنا کر اپنے پاس رکھ لیا۔  
انج کالج کا پہلا دن تھا۔ ظفر اور زیدان اپنا روب اور دبدبہ نہ سب پر حاوی کریں  
۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے اجنبی بنے کھڑے تھے۔ "تو تم وہی ہو  
جو پورے کالج کو ڈرا کے رکھتا ہے؟" ظفر نے شرارتی انداز میں پوچھا

تھا۔ زیدان نے سر دنگا ہوں سے اسے دیکھا، لیکن ظفر کے چہرے پر وہی  
بے خوف مسکراہٹ تھی۔

"اور تم وہ ہو جو ہر وقت لڑکیوں کے آگئے پیچھے دم بن کر پھرتا رہتا ہے؟"  
زیدان نے بے نیازی سے جواب دیا۔

ہاں! تو کیوں نہ گھوموں سبھی تو مجھ پر مرتی ہیں۔

زیدان نے ہستے ہوئے کہا۔۔۔ بلی کو خواب چچاروں کے۔۔۔ ظفر مسکرایا اور پھر  
بھرپور گرم جوشی کے ساتھ ایک دوسرے سے بگال گیر ہوئے۔

زیدان کو یہاں پڑھتے ایک سال ہو چکا تھا اور اب ظفر کا بھی داخلہ اسی کالج میں ہو گیا تھا۔ زیدان گلے لگے خوشی سے بولا کتنا وقت لگا دیا نے میں۔ ہنرہ کی لڑکیاں تیرے بھائی کو جانے ہی نہیں دے رہی تھیں۔

زیدان نے اس کی پسلی میں ایک موکار سید کیا "تو کبھی نہیں صدر رے گا۔۔۔ ہاں کم سے کم چار شادیاں کیے بنا تو نہیں۔ ظفر رر رر رر۔۔۔۔۔ اب ظفر اگئے اگئے تھا اور زیدان اس کے پیچھے پیچھے۔۔۔۔۔"

لاہور کی وہ خنک شاہیں اور کالج کی وہ بے فکریاں... دوستی کے وہ لمحے جب زندگی فقط ہنسی اور بے پرواہ خوشبوؤں سے بھرپور لگتی تھی۔

زیدان اور ظفر، جیسے دو جسم ایک جان، ہر کلاس، ہر محفل، ہر جھگڑے میں ساتھ ساتھ ہوتے۔

کبھی زید ان ظفر کو لڑائیوں سے بچاتا، تو کبھی ظفر زید ان کی بے نیاز طبیعت میں  
مسکراہٹ گھول دیتا۔

ان کی دوستی دیکھ کر اکثر لوگ رشک کرتے، کچھ جلتے، تو کچھ صرف خاموشی سے  
دعا دیتے۔

پھر ایک دن ایسا بھی آیا جس نے ان دونوں کو وحشی درندہ بنے پر مجبور کر دیا۔  
ظفر اور زید ان کو عادت تھی وہ آتے ہی کینٹن کا رخ کرتے تھے۔ آج بھی روز کی  
طرح وہ دونوں سیدھا کینٹن میں آکر بیٹھ گئے۔

ابھی اُن دونوں نے کینٹن کے چھوٹے کو آواز ہی دی تھی کہ کالج میں کچھ حملا اور  
لوگ کالج پر دھاوا بول چکے تھے ہر طرف افراتفری تھی۔ یہ دیکھ زیدان اور ظفر  
بھی سب کی مدد کرنے کے لیے اندر کی طرف بھاگے  
کالج کے مین ہال میں اس وقت لڑکیوں کی کلاس ہو رہی تھی۔

ظفر اور زیدان بچپن سے گن چلانا جانتے تھے پہاڑی علاقوں میں رہنے والوں  
کے لیے یہ عام بات تھی ظفر اور زیدان نے دونوں حملاوروں کو مار گرایا اور اُن  
سے اسلحہ چھین اندر کے ہال کی طرف بھاگے۔

پر وہ اتنی طاقت نہیں رکھتے تھے کہ ان کا مقابلہ کر پاتے۔ کسے بھی کر کے وہ اس  
ہال تک پہنچے پر وہاں اگئے منظر دونوں کی روح جھنجھوڑ چکا تھا۔



بہت سی لڑکیوں کو اپنی درندگی کا نشانہ بنا رہے تھے۔ اُن کی دردناک چیخوں سے پورے ہال کی درودیوار لرز چکے تھے۔ سامنے قیامت سا منظر تھا۔

یہ منظر اُن میں موجود جانور کو زندہ کر گیا ظفر اور زیدان نے پھر وہاں موجود کسی درندے کو زندہ نہیں چھوڑا۔ انہی کے اسلحے سے اُن سب کو جہنم واصل کر دیا۔

وہ دونوں بھاگتے اُن لڑکیوں کو دیکھنے آگئے اے پر دونوں کو نظروں کو پھیرنا پڑا۔ ظفر اور زیدان نے اپنے آگئے پیچھے اُنھیں ڈھانپنے کے لئے کچھ تلاش کرنے کی کوششیں کی۔ اُن کے دور پڑے دوپٹے آٹھ کر اُن پر ڈال دیا کئی لڑکیوں کو حقیقی دنیا حاصل ہو چکی تھی اور جو بچی تھی وہ بے بسی کا مجسمہ بن کر رہا گی تھیں۔

وہ دن تو گزر گیا پر اس دن کے بعد سے ظفر اور زید ان کی زندگی کا مقصد صرف ایک تھا۔ اس سرزمین سے ان درندوں کو خاتما۔۔۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ دونوں دوبئی کی دنیا کے بے تاج بادشاہ بن گئے۔

وقت پر لگا کر آٹھ گیا اور ان دونوں کو اس کھیل میں گھسے کئی سال گزر گئے۔

دبئی کی ایک ہلکی سی سردشام تھی۔ آسمان پر ہلکے بادل چھائے تھے، اور روشنیوں سے جگمگاتا ہوا شہر ایک نئے خواب کی مانند لگ رہا تھا۔ ظفر خانزادہ، کالج کے دنوں کا وہی شوخ، بے پرواہ لیکن اب ایک سنجیدہ اور وفادار جنگجو، اپنے کام سے فارغ ہو کر دوستوں کے ساتھ ایک مشہور بک کیفے میں آیا تھا۔

کینے کی فضاء میں ہلکی موسیقی گونج رہی تھی، مگر ظفر کا دھیان کچھ بکھرا بکھرا تھا۔ وہ جب بھی زیدان کی خاموشی دیکھتا، دل میں کہیں ایک خلا سا محسوس کرتا۔ وہ ہنسی، وہ دوستی، وہ ماضی کی آگ... اب سب کچھ بوجھ بن چکا تھا۔

تبھی... وہ آئی۔

سفید کرتا پا جامہ، نیلے دوپٹے سے سچی، ہاتھوں میں کتابیں تھامے، جیسے وہ اس جدید شہر کی نہیں بلکہ کسی پرانی کتاب سے نکل کر آئی ہو۔ اس کی آنکھیں... نیلے جھیل جیسے گہرے رنگ کی، اور چہرے پر وہی بے خبری جس میں حسن چھپا ہوتا ہے۔ وہ کتابوں کی ریک کے سامنے کھڑی، "میر" اور "فیض" کے درمیان الجھی ہوئی تھی۔

ظفر نے جیسے کوئی خواب دیکھ لیا ہو۔

اس کے ترتیب سے لگی کتابوں پر چلتے ہاتھ دیکھ Excuse me... "آپ شاید اردو شاعری کی دیوانی ہیں؟" ظفر نے پہلی بار سنجیدگی سے پوچھا، مگر انداز میں وہی شرارت چھپی تھی۔

لڑکی نے چونک کر دیکھا، پھر ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی،  
"جی... دیوانی کہہ لیں یا... پناہ گزین؟ شاعری ہی ہے جو دنیا سے بچا کر رکھتی ہے۔"

ظفر کا دل ایک پل کو رک گیا۔ ایسا مکالمہ، ایسی گہرائی؟

"تو پھر میں ظفر ہوں... وہ جو شاعری کی کتاب میں کبھی بھی نہیں آیا، مگر آج شاید تمہاری لائنوں میں جگہ لینے آیا ہے۔"

لڑکی ہنسی، وہ ہنسی جیسے برسات میں پہلی بار کھلتی ہو...

"اور میں ہوں... صنم۔"

ظفر نے نظریں جھکا کر دل میں دہرایا... صنم؟ واہ رے قسمت!

اور یہاں سے ظفر کی اُس ادھوری محبت کا آغاز ہوا جو اُس کی زندگی کا ناسور زخم بننے والی تھی۔

حال۔۔۔!

دھوپ کے نرم سائے اب کمرے کی دیواروں پر ریٹنگ لگے تھے۔ دبئی کی اس  
پر تعیش کو ٹھی کے ڈائننگ ہال میں، گرم چائے کی خوشبو اور ناشتے کی میز پر سچی  
خامشی، جیسے ماضی کے کسی دکھ بھرے منظر کی عکاسی کر رہی تھی۔

ظفر نے چائے کا آخری گھونٹ بھرا اور گہری سانس کھینچی... جیسے کسی بہت بھاری  
یاد سے خود کو آزاد کر رہا ہو۔ لمحے بھر کی خامشی کے بعد اُس نے زیدان کی طرف  
دیکھا۔

"ایک بات پوچھوں؟" اُس کی آواز میں تھکن تھی، درد تھا... اور کہیں نہ کہیں  
وہی پرانی دوستی کی روشنی بھی زیدان نے سر ہلایا۔ وہ جانتا تھا آج کچھ ان کہی  
باتیں زبان پر آنے والی تھیں۔



"تم کھاتے ہو زیدان... پر تم اُس دن دبئی میں نہیں تھے نا؟" ظفر کی نظریں زیدان پر جمی تھیں۔ "پھر... پھر تمہاری وہ چین، وہ چین تمہارے اُس گھر سے کیسے ملی؟ اور وہ سب... وہ CCTV فوٹیجز...؟"

ظفر بولتے بولتے یکدم چپ ہو گیا۔ اُس کی سانسیں بے ربط ہو گئیں اور آنکھیں کسی انجانے خوف سے بھر آئیں۔ ماضی کے زخم ایک بار پھر تروتازہ ہو چکے تھے۔

پھر جیسے اس کا وجود لرز گیا۔ وہ رونے لگا... وہ رو رہا تھا، زور زور سے... ایسا گریہ جس میں کئی برسوں کا صبر دفن تھا۔ اس کا رونا کمرے کی فضا کو ہلا گیا۔ ارد گرد بیٹھے سب فرشتے جیسے خاموشی سے تعظیم میں کھڑے ہو گئے ہوں۔

عنایہ وہیں قریب بیٹھی تھی، اُس کا دل ٹوٹ رہا تھا۔ اُس نے آہستہ سے اپنا نرم ہاتھ زیدان کے ہاتھ پر رکھا۔ اُس کے لمس میں التجا تھی... کہ اب وقت ہے، اب تمہیں ظفر کو سنبھالنا ہو گا۔

زیدان کی آنکھیں لمحے بھر کو بند ہوئیں، جیسے اندر ہی اندر کچھ ٹوٹا ہو۔ وہ اٹھا اور خاموشی سے ظفر کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا، پھر آہستہ سے بولا:

"ایک سچ ہے ظفر... جو تمہیں جان لینا چاہیے۔ اُس دن... جب یہ سب کچھ ہوا، میں دبئی میں نہیں تھا۔"

ظفر کی سسکیاں تھم گئیں، مگر آنکھوں میں حیرت کا طوفان تھا۔

"میں... میں ہنزہ گیا تھا، بابا سرکار کی وصیت جیسے ہی ملی، میں فوراً نکلا... تم سے ملنے۔ تمہارے اس گھر ضرور آیا تھا... پر ظفر، وہ چین وہاں کیسے پہنچی؟ یہ میں آج تک نہیں جانتا۔"

زیدان کی آواز میں ایک چھپی ہوئی افیت تھی۔ وہ پلکیں جھکائے کہہ رہا تھا،  
"کاش... کاش میں اُس دن نہ جاتا... کاش میں یہاں ہوتا... تو یہ سب کبھی نہ ہوتا...  
کبھی بھی نہیں۔"

ظفر جیسے اندر سے ٹوٹ گیا۔ وہ تڑپ کر مڑا، اور زیدان کے سینے سے لگ کر  
بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ "زیدان... بھائی... ہم نے کیا کھو دیا..."

ہم نے سب کھو دیا... "زیدان کی بانہوں میں اُسے تھامے ضبط بھی رو رہا تھا، دوستی بھی، اور وہ ماضی بھی... جس کی راکھ میں اب صرف درد سلگ رہا تھا۔

زیدان نے ایک فائل ظفر کے اگتے لا کر رکھی ظفر نے نا سمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں سوال دیکھ زیدان نے کہنا شروع کیا۔ جب میں واپس آیا تھا تو سب سے پہلے میں نے اس گھر کی تلاشی لی تھی۔

میڈیکل رپورٹ کے مطابق جس کی ہمیں تلاش ہے وہ ایک اچھی خاصی عمر کا ہے اور جہاں تک میں خود کے بارے جانتا ہوں ابھی میں چالیس بھی نہیں کروں کر سکا۔ اور صرف یہ ہے نہیں کچھ ثبوت اور ہیں میرے پاس جو یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ سوچی سمجھی سازش تھی۔

تو کیا کہنا چاہتا ہے۔ ظفر پریشانی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ حادثے سے پہلے کچھ ہفتوں پہلے کی ریکارڈنگ میں ایک گاڑی کو مسلسل صنم کے گھر کے باہر دیکھا جاسکتا ہے۔

ہونہ ہو کچھ ایسا ضرور ہے جو ہم دونوں کی نظروں سے اوچھل ہو گیا۔ جس کا فائدہ اٹھایا گیا۔ ظفر سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ یاد آنے پر زیدان نے پوچھا یاد ہے تم نے بتایا تھا کہ صنم کچھ دنوں سے بہت الگ سا بہوے کر رہی ہے۔

ظفر ایک دم بولا ہاں میں نے نوٹس کیا تھا وہ کافی ڈری ڈری سی رہنے لگی تھی۔ میں نے بہت بار پوچھا بھی تو اسٹڈی کی پریشانی کا بول کر بات تل دیتی تھی۔

ظفر کی بات سن کر زید ان نے گہری سانس لی اور کہا، "یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے ہمیں دوبارہ شروع کرنا ہوگا۔ صنم کا رویہ اور وہ گاڑی، دونوں ہی اشارہ کرتے ہیں کہ کچھ بڑا ہونے والا تھا، اور شاید وہ جانتی تھی۔ ہمیں یہ پتہ لگانا ہوگا کہ وہ کس سے ڈر رہی تھی۔"

ظفر نے سر ہلایا، "لیکن کیسے؟ سب کچھ تو بکھر چکا ہے، اور وہ بھی..." اس کی آواز میں بے بسی تھی۔

زید ان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، ہم اسے ڈھونڈیں گے میری آنکھوں نے دھوکہ نہیں کھایا وہ زندہ ہے اور ہم اسے ڈھونڈیں گے "ہمیں ان چھوٹے چھوٹے اشاروں کو جوڑنا ہوگا۔ وہ لوگ جو صنم کے قریب تھے، ان سے بات



کرنی ہوگی۔ ہمیں اس گاڑی کے مالک کا پتہ لگانا ہوگا۔ اور سب سے بڑھ کر،  
ہمیں اپنے اندر کے خوف کو شکست دینی ہوگی۔"

وہ جو کوئی بھی تھا ہم پر مکمل نظر رکھے ہوئے تھا بہت سوچ سمجھ کر جال بونا گیا  
ہمیں الگ کرنے کے لیے اور وہ جو بھی ہو گا اب وہ میرے عتاب کے نشانے پر  
ہے۔

ظفر نے گہری سانس لی، "ٹھیک ہے، زیدان۔ ہم یہ کریں گے۔ ہم اس راز کو  
کھولیں گے، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ مجھے میری صنم واپس چاہئے"

زیدان کے دماغ میں اب بھی ایک سوال اُسے پریشان کیے ہوا تھا۔ کہ ظفر کو  
صرف اسی پر ہی کیوں شک ہو ا زیدان کو سوچ میں ڈوبادیکھ اپنی جیب میں سے

کچھ نکال زیدان کے سامنے کیا اور ظفر بولا۔ شاید یہ ہمیں اُس آدمی تک پہنچنے میں مدد دے۔

ظفر کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی۔ زیدان نے وہ انگوٹھی ہاتھ میں لے کر نظر کے سامنے کی عنایہ پاس کھڑی تھی انگوٹھی پر جسے ہی نظریہ عنایہ پر تو مانو محل کی چھت سر پر آگری۔

عنایہ نے جھٹکے سے وہ انگوٹھی پکڑی یہ آپ کو کہاں سے ملی۔ کیا مطلب عنایہ زیدان نے عنایہ سے پوچھا۔ یہ یہ انگوٹھی میرے دادا جان کی جو دادا جان نے بابا کو دی تھی۔ اور تب سے۔۔۔ عنایہ کہتے کہتے روکی۔۔۔

زیدان کو کچھ سمجھ نہ آیا عنایہ تم اس انگوٹھی کو کسے جانتی ہو کیا تمہیں یقین ہے یہ آپ کے بابا کی انگوٹھی ہے۔ میں اس کو کیسے بھول سکتی ہوں زیدی بچپن سے دادا کے ہاتھ میں تھی اور آخری بار یہ انگوٹھی ہاتھ میں تھی جس سے میری ماں کے لئے گولی چلائی گئی۔

ظفر کو کچھ سمجھ نہ آیا آخر عنایہ کا انگوٹھی سے کیا تعلق۔۔۔ اسے سمجھ نہیں رہا تھا آخر ہر چیز اتنی اُلجھ کیوں رہی ہے۔ لیکن زیدان کی ساری گوٹھیوں کو سلجھانے کے جواب مل گئے تھے۔

زیدان کے اعصاب تن چُکے تھے۔ زیدان نے طیش میں میز پر ہاتھ مار کر سب زمین بوس کر دیا اور غصے سے چکھاسر دار رر رر رر۔۔۔ اس کی دھاڑ اس قدر خوفناک تھی وہاں موجود سب ہی لرز گئے تھے۔

زیدان کی دھاڑنے کمرے کی خاموشی کو چیر دیا، اور ہر کوئی حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ظفر نے زیدان کے چہرے پر ابھرتے جذبات کو محسوس کیا اور سمجھ گیا کہ کچھ بہت بڑا انکشاف ہونے والا ہے۔

"سردار؟" ظفر نے آہستہ سے پوچھا، "کیا تم واقعی سمجھتے ہو کہ یہ سب کس کا کھیل ہے؟"

زیدان نے گہری سانس لی، "ہاں، ظفر۔ یہ انگوٹھی اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارے دشمن کوئی اور نہیں، بلکہ وہی سردار ہے جس نے ہماری زندگیوں کو برباد کرنے کی کوشش کی۔"

عنایہ نے زیدان کی طرف دیکھا، "اگر یہ انگوٹھی سردار کے پاس تھی، تو اس کا مطلب ہے کہ سردار نے ہی یہ کھیل رچایا ہے۔"

مجھے صرف یہ جانا ہے سردار کا صنم سے کیا لنک ہے اور اس کے لیے صنم کو اب ڈھونڈ کر نکالنا ضروری ہے اب وہی بتا سکتی ہے۔ اُس کا چھپنا بہت سے سوالوں کو پیدا کر رہا ہے۔ اگر صنم زندہ ہے تو دید بوڑی کس کی تھی یعنی وہاں ایک نہیں دو گناہ ہوئے تھے۔

ظفر نے گہری سانس لی، "ہمیں صنم کو تلاش کرنا ہو گا۔ وہی اس گتھی کو سلجھا سکتی ہے۔ سردار کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے، یہ جاننا ضروری ہے۔"

زیدان نے اثبات میں سر ہلایا، "ہمیں ان تمام اشاروں کو جوڑنا ہوگا۔ صنم کے قریب رہنے والے لوگوں سے بات کرنی ہوگی، اور سردار کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنی ہوں گی۔"

عنایہ نے اپنی آنکھوں میں عزم کی چمک کے ساتھ کہا، "ہم مل کر یہ کریں گے۔ ہمیں صنم کو تلاش کرنا ہوگا اور اس راز کو کھولنا ہوگا، چاہے کچھ بھی ہو جائے۔"

ظفر نے زیدان کی طرف دیکھا، "ہم اس لڑائی میں اکیلے نہیں ہیں۔ ہمیں اپنی دوستی، اپنے عزم، اور اپنے دل کی طاقت پر بھروسہ کرنا ہوگا۔"



زیدان نے ظفر کے کندھے پر ہاتھ رکھا، "ہم یہ کر سکتے ہیں، ظفر۔ ہم اس راز کو کھولیں گے اور ان درندوں کو ان کے انجام تک پہنچائیں گے۔"

تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، ان کی آنکھوں میں ایک نئی امید کی چمک تھی۔ وہ جانتے تھے کہ یہ سفر آسان نہیں ہوگا، لیکن وہ تیار تھے۔ ان کی دوستی، ان کا عزم، اور ان کی محبت انہیں اس لڑائی میں کامیاب بنائے گی۔

Zubi Novels Zone

شام کے سائے ہر طرف پھیل چکے تھے ہر طرف گہری خاموشی کا راج تھا اس بیچ دو بی کے ایک مزدور طبقہ علاقے (سٹیزن ٹاؤن) میں پرانے بوسیدہ حال گھر

کے کمرے کی کھڑکی میں بیٹھی لڑکی باہر کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظریں  
دور افق پر جمی تھیں،

جہاں دن کا اجالہ رات کی تاریکی میں بدل رہا تھا۔ اس کے دل میں بے چینی تھی،  
ایسا اندھیرا جہاں روشنی ہو کر بھی سب سیاہ تھا کمرے کی خاموشی اس کے خیالات  
کی گونج کو اور بھی بڑھا رہی تھی۔

اچانک، دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ ہر بار کی طرح اس دستک نے دل تک  
دھلا دیا۔ وہ ایسے ہی ہر اہٹ پر خوفزدہ ہو جاتی تھی۔ اُس کے دل دماغ پر بیٹھی  
ماضی کی وہ بھیانک چھاپ ہر بار اُس پر حاوی ہو جاتی۔ ابھی بھی دستک سے وہ  
خوفزدہ ہو رہی تھی۔ جسم ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

خود میں ہمت بناتی خود کو حوصلہ دیتی اٹھی۔ خوف سے بدن کپکپانے لگا تھا قدم ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ وہ اپنے خوف کے سائے میں آگئے بھری کہ جانی پہچانی آواز میں دروازے کے اس پار خود کا نام سنا... صنم!....

وہ بھاگتی ہوئی دروازے کی جانب بھری اور دروازہ کھول اپنی خالہ کے سینے لگ گئی۔ اسے ایسے ڈرتا دیکھ وہ بھی گھبرا گئی۔ اسے سنبھالتی وہ دروازہ بند کر اندر لے آئیں۔

دروازے کے پیچھے کھڑی خالہ نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اسے اندر لے آئیں۔ صنم کی آنکھوں میں سوالوں کا سمندر تھا، لیکن خالہ کی موجودگی نے اسے کچھ سکون دیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی خالہ نے صنم کو ایک کرسی پر بٹھایا اور خود بھی اس کے سامنے بیٹھ گئیں۔

"صنم، تمہیں معلوم ہے کہ زندگی میں کبھی کبھی ہمارا سامنا ایسی چیزوں سے ہوتا ہے جن سے لڑنا مشکل ضرور ہوتا ہے پر ناممکن نہیں ہوتا،" خالہ نے نرمی سے کہا۔ "لیکن یاد رکھو، گنہگار کے لئے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی لائٹھی بے آواز ہوتی ہے۔"

صنم کو خالہ کی باتوں سے کچھ حوصلہ ہوا تو وہ بولی۔ اُس نے مجھے شاید دیکھ لیا۔ خالہ پریشان ہو جاتی ہے کس نے صنم۔۔۔۔۔ کس نے دیکھا ہے تمھے۔۔۔۔۔ وہی جس کے سامنے جانے کے لئے اب کچھ باقی نہیں بچا۔

خالہ نے صنم کی بات سن کر گہری سانس لی اور اس کی طرف ہمدردی سے دیکھا۔ "صنم، کبھی کبھی ہمیں اپنے خوف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ ہم اس سے بھاگ نہیں سکتے، بلکہ ہمیں اسے سمجھنا اور اس کا سامنا کرنا سیکھنا ہو گا۔"

صنم نے خالہ کی باتوں کو غور سے سنا اور اس کے دل میں ایک نئی امید کی کرن جاگی۔ "لیکن خالہ، اگر وہ واقعی مجھے پہچان گیا تو؟" صنم کی آواز میں اب بھی تھوڑی سی ہچکچاہٹ تھی۔

خالہ نے اس کے ہاتھوں کو مضبوطی سے تھام لیا۔ "بیٹا، یاد رکھو، جب تک تم خوف کو خد پر حاوی رکھو گئی تم اسی گزرے کل میں پھسی رہو گی۔ تمہیں اُن کا سامنا کرنا چاہئے تم اُسے کس بات کی سزا دے رہی ہو۔ بنا اس کی مرضی اس کا فیصلہ جانے تم چلی آئی۔ ایک بار بھی اُس سے رابطہ نہیں کیا۔ جو کچھ ہو اوہ قسمت میں لکھا تھا۔ تم اپنے ساتھ ساتھ اُسے بھی سزا دے رہی ہو جو سہی نہیں ہے۔"

صنم کی آنکھوں سے انسوؤں اُس کے رخسار پر بہانے لگے۔ "آپ کو کیا لگتا ہے  
کیا میں اس کے پاس واپس نہیں جانا چاہتی کیا میں نہیں چاہتی کہ سب کچھ پہلے  
جیسا ہو جائے۔ وہی محبت وہی تحفظ وہی احساس پھر سے مجھے نصیب ہو جائیں۔

"----- اُس کے گلے میں

انسوؤں کا پھندہ سہ بن گیا۔۔۔۔۔

میں یہ بھی جانتی ہوں وہ سب جان کر بھی مجھے قبول کر لے گا۔ اف تک نہیں  
کرے گا۔۔۔۔۔ وہ روکی۔۔۔۔۔ خود کی ہمت بندھائی۔۔۔

پر۔۔۔۔۔ اپنے ضمیر کا کیا کروں۔۔۔۔۔ اُن۔۔۔۔۔ اُن۔۔۔۔۔ خوابوں۔۔۔۔۔ کا۔۔۔۔۔

کیا۔۔۔۔۔ کروں۔۔۔۔۔ جو۔۔۔۔۔ ہم۔۔۔۔۔ نے۔۔۔۔۔ دیکھے تھے۔۔۔۔۔ میرے

پاس اسے دینے کو بچا ہی کیا ہے۔ وہ چلائی۔۔۔۔۔ کہ گلے میں خراشیں پڑنے لگی۔



خالہ اٹھی اور پانی کا گلاس اس کے منہ سے لگایا جسے وہ ایک ہی سانس میں پی گئی۔  
 صنم کے کچھ سنبھالنے پر خالہ بولی!.. صنم۔۔۔ بیٹا ظفر کی محبت اتنی کم ظرف  
 نہیں ہے مجھے یقین ہے وہ اپنی محبت سے تمہارے سارے زخم بھر دے گا۔  
 ۔۔۔ پلرز۔۔۔ بیٹا۔۔۔ خود کو اور اسے آور سزا مت دو چلی جاؤ اُس کے پاس۔۔۔  
 اسی میں تمہاری بہتری ہے۔

صنم نے ایک پال کے لئے آنکھیں بند کی اور چھان سے ظفر کا چہرہ اُس کی  
 آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ لبوں نے بے ساخت اُس دشمن جان کا نام پوکرا  
 ۔۔۔۔۔ ظفر۔۔۔۔۔

(ماضی۔۔۔ کچھ ماہ پہلے)

رات کی گہری خاموشی میں سانس لینا بھی جرم لگ رہا تھا۔ سڑکیں سنسان تھیں، آسمان پر بجلیاں گرج رہی تھیں، جیسے قدرت بھی اُس رات کے سچ پر چیخ رہی ہو۔

صنم اپنے کمرے میں بیٹھی تھی، ظفر کے بھیجے شادی کے سرخ لباس کو لیے خاموشی سے۔ ظفر کے دیے ہوئے اُس گھر میں جہاں ہر کونے میں اُس کی محبت کی مہک بسی تھی، اُس گھر کے در و دیوار بھی اب ہونے والے ظلم سے خوف زدہ تھے۔

کل کی شام وہ اسی سُرخ عروسی لباس میں اُس کی دولہن بنے گی۔ خود پر وہ ستاروں کی زمین سے سجاد و پٹہ سر پر لیے آئینے میں کھڑی آنے والی حسین زندگی کے خواب دیکھ رہی تھی۔ پر دُور کھڑی قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

اچانک دروازہ زور سے کھلا...

پہلے اُس نے سمجھا شاید ظفر آیا ہے...

مگر جو چہرہ سامنے تھا، وہ... وہ ظفر نہیں تھا، وہ سچ کا بھیانک روپ تھا...

"زید ان بھائی...؟" اُس کی آواز کانپ گئی۔ میں تو ڈر ہی گ۔۔۔ اس کے لفظ ادا ہونے سے انکاری تھے۔ کیونکہ حقیقت نقاب اُتار سامنے کھڑی تھی۔

"نہیں... میں ہوں تمہارا سچ، تمہارا انجام... تمہاری آخری محبت سردار

عبید اللہ!"

اُس کے لہجے میں وحشت تھی، چہرے پر شیطانی مسکراہٹ۔

صنم نے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی مگر دروازہ بند ہو چکا تھا۔

اُس کے ہاتھ پاؤں جیسے شل ہو چکے تھے۔

چہرے پر ظفر کا نقاب پہن کر، وہ درندہ اُس کی روح کو نوچنے آیا تھا۔

"تو نے مجھ سے منہ موڑا... پر اب تجھے میرا بننا ہی ہو گا تجھے لگا تو یہاں اپنا عاشق  
کے گھر میں چُپ جاے گی تو مجھ سے بچ جاے گی۔۔۔۔۔ یہ کہتے ہی سردار نے  
وحشی قہقہہ لگایا!"

اس کے قہقہوں سے خوف کھاتی صنم خود کو بچانے کے لیے واشروم کی طرف  
بھاگی۔ اس وقت اُسے صرف اتنا وقت چاہئے تھا کہ وہ ظفر کو بتا سکے پر بے سود

سردار کے اشارے پر اُس کے آدمی صنم کو اپنی گرفت میں لے اس کا فون دیوار میں مار کر کئی حصے کر چکے تھے۔۔۔ صنم پرندے کی طرح پھر فرانے لگی۔۔۔ سردار کے حکم پر صنم کو گھسیٹتے لے جا کر بیڈ پر پٹھکا گیا۔

سردار کے آدمی صنم کو پھلتے خود کمرے سے باہر نکلتے چلے گئے۔ صنم نے ایک آخری کوشش کی پر اُس سے پہلے ہی سردار صنم کو پکڑا اُس پر حیوان کی طرح حاوی ہو چکا تھا۔

کمرے کی خاموشی ظفر کے نام کی چیخوں میں بدل گئی...

بستر پر پڑی وہ لڑکی صرف صنم نہ رہی... وہ اب ایک جسم تھا جس سے روح چھن چکی تھی۔ وہ بے جان سی ایسے ہی پرئی رہی اس کے جسم میں کوئی حرکت نہیں تھی۔ اُس کی حالت چیخ چیخ کر خود سے ہوئے ظلم کا ماتم کر رہی تھی۔

Click On The Link Above To Read More Novels / [0344 4499420](https://www.zubinovelszone.com/)

<https://www.zubinovelszone.com/>

سردار کے حکم پر سردار کے آدمی پیٹرول سے بھرے گلابی اندرے۔  
اُس کے حکم پر گھر کے ہر کونے پر تیل ڈالا جانے لگا۔ سردار آگئے بھرتا صنم کو  
ہاتھ سے پکڑ بیڈ سے نیچے اترا صنم کٹی ڈال کے جسے کھینچتی چلی گئی۔ سردار نے صنم  
کو لا کر اپنے آدمی کے حوالے کیا۔

پھر ایک لاش اور لی گئی صنم اُس لاش کی حالت دیکھ سکتے سے باہر آئی۔ عبداللہ  
اُسے کچھ کہا رہا تھا پر وہ سن ہی کہاں رہی تھی۔ بس اتنے الفاظ صنم کے کانوں میں  
پڑنے کی دیر تھی "اب سے تم ہر رات میرے ساتھ رہو گی تمہیں دنیا کی  
نظروں میں مار کر میں ہمیشہ کے لیے اپنے پاس قید کر لوں گا"



بس یہ سنا تھا کہ صنم نے پاس پڑے شوپیس کو اٹھا کر سردار کے سر میں دے مارا  
جس سے سردار تکلف سے بلبلتہ زمین پر گر گیا اور صنم سب چھوڑ وہاں سے  
بھاگ گئی۔

وہ گھر سے نکلے کے بعد کہاں جا رہی تھی اسے کوئی ہوش نہیں تھا لہو لہان جسم  
کے ساتھ، چادر لپیٹے، وہ اندھیری گلیوں میں بھاگ رہی تھی۔  
بارش اُس کے آنسوؤں سے مل کر زمین پر گری جا رہی تھی۔ بدن پر لگے درندگی  
کے زخموں میں بارش کا پانی نمک چھڑکنے کا کام کر رہا تھا۔

وہ بھاگتے اپنے بدن سے بار بار ہاتھ رگڑ کر اُس ناپاک لمس کو مٹاتی چیخ رہی  
تھی "نہیں... نہیں... میں اُسے نہیں بتا سکتی... نہیں..."

اُس کے قدم ڈمگ رہے تھے، مگر دل میں صرف ایک بات تھی... اب  
کچھ۔۔۔۔۔ نہیں بچا۔۔۔۔۔ سب۔۔۔۔۔ ختم ہو گیا۔۔۔۔۔"

اُس طوفانی بارش میں بھی اُس کی چیخوں کو خود میں جذب کرنے کی طاقت نہ  
رہی۔ بھاگتے ہوئے وہ پاؤں مرتے وہ لڑکھڑاتی زمین پر گری۔۔۔ وہ روتے  
ہوئے چیخ رہی تھی۔

"میں ظفر کو کیسے بتاؤں کہ... اُس کے دیے گئے تحفظ میں میری عصمت لٹ  
گئی؟ میں کیا منہ لے کر جاؤں"

وہ ہمت کرتی کھڑی ہوئی ابھی سنبھلی بھی نہیں تھی کہ سامنے سے آتی گاڑی نے  
سے ٹکراتی وہ دُور جا گری۔۔۔۔۔ جو آخری چہرہ آنکھوں کی پلکوں کی جھال پر لہرایا  
وہ ظفر کا تھا۔۔۔۔۔ اور اُس کے بعد وہ ہوش حواس سے بیگانہ ہو گئی۔

---

اگلی صبح ظفر پر قیامت کی تھی۔ اُس کے سامنے سر راکھ کا ڈھیر پڑا تھا۔ پر ظفر کے لئے اُس کے اور صنم کے خوابوں کی راکھ کا ڈھیر تھا۔

اور اُسی گھر سے، جو ظفر نے صنم کو محبت میں دیا تھا۔

ایک اور لڑکی کی جلی ہوئی لاش ملی۔

چہرہ جھلسا ہوا، جسم لہو میں لت پت۔ جسے دیکھ کر بھی ظفر مانے سے انکاری تھا کہ وہ اس کی صنم ہے۔

سردار نے اپنے کسی اور شکار کی لاش لا کر وہاں رکھی تھی،

اور آگ لگادی تھی...

تاکہ دنیا سمجھے صنم مرچکی ہے۔

(حال۔ صنم کی یادیں)

"تمہاری محبت نہیں مری ظفر... میری روح مری ہے، پر میں زندہ ہوں..."

صرف اس لیے کہ اُس کا چہرہ دیکھ سکوں، ایک بار... بس ایک بار..."

صنم کا جسم کانپ رہا تھا، پر آنکھوں میں صرف ایک تصویر تھی... ظفر کی

محبت...

دوسری جانب زیدان نے اپنے بہت سے لوگ صنم کی تلاش میں لگا دیے تھے۔

وہ ہر جگہ کو پھر سے دیکھنا چاہتا تھا۔ جو سرائے اسے ملے تھے سردار کی ہستی مٹانے

کے لیے وہ کافی تھے پر اب بھی زید ان کے دماغ میں بہت سے سوال تھے۔ جن کا جواب ڈھونڈ کر ہی وہ دم لے گا۔

اُسامہ کے ذمے اس ہسپتال کا سارا ڈیٹا ہیک کرنا تھا جن کی بنائی رپورٹ کے مطابق وہ ڈیڈ باڈی صنم کی بتائی گئی تھی۔ زید ان کے یہاں نہ ہونے اور ظفر کے اپنے ہوش میں نہ ہونے کی وجہ سے سردار کو سب ثبوت مٹانے کا موقع مل گیا تھا۔ پر سچ کبھی نہیں چھپتا۔۔۔ اور سردار کی گرمی انگوٹھی اُس کی موت کا سبب بنے والی تھی۔

صنم کی آنکھوں میں ماضی کی تلخ یادیں اب بھی تازہ تھیں، لیکن خالہ کی موجودگی نے اسے کچھ سکون دیا۔ وہ جانتی تھی کہ زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے اسے

اپنے خوف کا سامنا کرنا ہو گا۔ خالہ کی باتوں نے صنم کو ایک نئی امید دی تھی، اور وہ دل میں یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ ظفر سے دوبارہ ملنے کی کوشش کرے گی۔

خالہ نے صنم کو حوصلہ دیا، "بیٹا، زندگی میں کبھی کبھی ہمیں اپنی تقدیر کو قبول کرنا پڑتا ہے، چاہے وہ کتنی ہی مشکل کیوں نہ ہو۔ ظفر تمہیں سمجھ لے گا، اور تم دونوں مل کر اس درد کو ماضی کا حصہ بنا سکتے ہو۔"

صنم نے خالہ کی باتوں کو غور سے سنا، اور دل میں ایک نئی امید کی کرن جگلی۔ وہ جانتی تھی کہ ظفر کی محبت اتنی کمزور نہیں تھی کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ لیکن اس کے دل میں ابھی بھی کچھ ہچکچاہٹ تھی، اور وہ جانتی تھی کہ اسے اپنے ضمیر کے ساتھ بھی لڑنا ہو گا۔



"خالہ، کیا آپ واقعی یقین کرتی ہیں کہ ظفر مجھے قبول کر لے گا؟" صنم کی آواز میں اب بھی تھوڑی سی ہچکچاہٹ تھی۔

خالہ نے اس کے ہاتھوں کو مضبوطی سے تھام لیا۔ "بیٹا، محبت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ اگر ظفر واقعی تم سے محبت کرتا ہے، تو وہ تمہاری ہر تکلیف کو سمجھنے کی کوشش کرے گا۔"



صنم نے ایک پل کے لیے آنکھیں بند کیں اور ظفر کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ اور انج دل دماغ پر قابض ہو چکا تھا کہ وہ ظفر سے ملے گی اور خود پر گزری قیامت اس کے سامنے رکھے گی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ آسان نہیں ہوگا، لیکن خالہ کی باتوں نے اسے حوصلہ دیا تھا۔

کمرہ نیم اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ بڑی سکرین پر CCTV کی فوٹیجز چل رہی تھیں، اور چار لوگ زیدان کے ساتھ ٹیبل کے گرد بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک ظفر تھا، جس کی آنکھوں میں غصے اور دکھ کا طوفان تھا۔ وہ چار لوگ زیدان کے وہ خاص لوگ تھے۔ جن کے ذریعے زیدان سردار کے سارے بزنس کو خریدنے والا تھا۔

زیدان کا ارادہ سردار کو چاروں خانے چیت کرنا تھا۔ زیدان کی ٹیم سردار کی لگائی شطرنج کے سبھی مہروں کی موت لکھنے نکل چکی تھی۔ زیدان کے دیئے حکم کے مطابق کل شام تک اسے وہ سبھی لوگ اپنے بیسمنٹ میں چاہئے تھے۔

زیدان سنجیدگی سے بولا:

"یہ واردات ایک عام حادثہ نہیں تھی، ظفر۔ سردار نے پوری پلاننگ کے ساتھ کیا یہ سب... اور مقصد صرف صنم کو توڑنا نہیں تھا... کچھ چھپایا جا رہا ہے۔"

ظفر دانت پیستے غصے سے بولا:

"اور اب وہ سب ہم سامنے لائیں گے... جو حقیقت چھپ گئی تھی، اب وہ چیخ چیخ کر اپنا سچ بولے گی۔"

زیدان نے اپنی فائل کھولی۔ اس میں پانچ مشکوک ناموں کی لسٹ تھی—وہ لوگ جو اس کیس کے دوران ہر بار نظروں سے بچتے رہے۔

زیدان:

"میں نے AUM کے اپنے تین خاص بندے لگا دیے ہیں۔ اور تم

CID سے ہو، تمہاری اپنی سوز سوز ہیں... ہمیں ہر زاویہ کھولنا ہے۔"

ظفر:

"ہمیں وہ لوگ چاہیں جنہوں نے اس رات صنم کی ڈیٹیل کے خلاف گواہی

دی، اور وہ جو اُس لڑکی کو وہاں لے کر آئے۔"



ان کی گفتگو میں وہ وحشت، اور ظلم کی جھلک تھی، اور وہ جانتے تھے کہ سچائی کو

سامنے لانے کے لیے انہیں ہر ممکن کوشش کرنی ہوگی۔ صنم کی زندگی میں جو

کچھ ہوا تھا، جو طوفان آن کی زندگی میں لایا گیا وہ اس کا حق تھا کہ وہ انصاف پائے،

اور اپنے انجام کو اُس دشمن کو پہنچے۔ ظفر اور زید ان اس کے لیے ہر حد تک جانے

کو تیار تھے۔

شام کے سائے دھل رہے تھے۔ اپنے گودام پر بیٹھا سردار کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ سگار کے کش لیتے دھوئیں کے بادل ارہر تا وہ خباثت سے مسکرایا۔ ذہین کسی معصوم کی سسکیوں اہوں کو یاد کر گہرا مسکرایا۔ مہمہمہم۔۔۔۔۔ کافی وقت ہوا تم سے لذت لیے جو مزاحم میں ہے وہ کسی اور میں نہیں ملا۔

سردار نے سوچتے اپنے آدمی کو اشارہ کیا۔ اس کے حکم پر اس کا خاص آدمی اندر آیا۔ صنم کو ڈھونڈو اور میرے پاس لے کر آؤ بہت وقت ہوا سکون حاصل کیے۔ کل شام وہ میرے پاس ہو۔ وہ آدمی ادب سے سر ہلاتا باہر چلا گیا۔ سردار غلاظت بھری سوچ سوچتے بولا۔۔۔ کل شام پھر خاص ہوگی جان سردار۔۔۔ مزہ آئے گا۔ اور یہ کہتے وہ قہقہہ لگاتا چلا گیا۔

یہ منظر ایک بیسمنٹ کا ہے جہاں چار ایسے لوگ موجود تھے جنہیں زنجیروں سے ہاتھ اوپر کی طرف باندھ کر برف کے بلاکس پر کھڑا کیا ہوا تھا۔ برف سے اُن کا جسم سن ہو رہا تھا وہ بار بار پاؤں اوپر اٹھنے کی کوشش کرتے پر نہ کر پاتے کیونکہ اُن کے گالوں میں رسی کا پھندا ڈال کر باندھا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ جب اوپر اٹھنے کی کوشش کرتے تو اُن میں ڈالا پھندا ٹائٹ ہو جاتا جن سے اُنہیں سانس لینے میں مشکل ہوتی۔

بیسمنٹ کا دروازہ کھلا اور اپنی پوری شان اور وحشت بھری حبات کے ساتھ زیدان خانزادہ بیسمنٹ میں داخل ہوا۔ اُس کے آدمی اس کے دیے ٹائم میں ہی اُن سب لوگوں کو اٹھا لیے تھے جواب تک سردار کاہر گناہ قانونی طور پر چھپا رہے تھے۔ اِنج ان کی موت کا دن تھا۔



زیدان کے ساتھ ظفر بھی آیا آخر اُس کی زندگی کی سانسوں کو انھی لوگوں کی  
وجہ سے آگ لگی تھی۔ زیدان کُرسی کھینچتے ان چاروں کے سامنے بیٹھ گیا۔  
زیدان کے اشارے پر عمار نے پاس کھڑے آدمی کو ان میں سے ایک کو اُتار کر  
سامنے والی کرسی پر بیٹھا کر باندھ دیا۔

یہ آدمی ایک پولیس افسر تھا جس نے اس غور میں ہونے والے کسی بھی عمل پر  
کوئی ایکشن نہیں لیا تھا بلکہ اسے ایک حادثہ بتا کر کیس ختم کر دیا تھا۔ اب زیدان  
خانزادہ کی عدالت میں وہ کیس کھولا تھا حساب تو اب ہونا ہی تھا۔

پولیس افسر کو برف سے اُتار کر اب زیدان کے سامنے موجود میز اور کرسی پر بیٹھا کر باندھا گیا تھا اس شخص کے ہاتھ میز پر رکھ کر میز میں لگی ہند کف سے لوک کر دیئے گئے تھے۔ زیدان نے پھر اشارہ کیا تو اسامہ اس کا وہی بریف کیس اٹھا لیا اور زیدان کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ جسے دیکھ باقی سب کھڑے آدمیوں کی جان ہوا ہو چکی تھی وہ سب جانتے تھے اب یہاں کیا ہونے والا ہے۔

ظفر نے زیدان کے اشارے پر اُس کے ہاتھ میں ایک فائل تھمائی۔ زیدان نے وہ فائل کھول کر پولیس افسر کے سامنے رکھی۔ آفسر کو فائل دیکھ کچھ سمجھ نہ آیا۔ وہ دن میں کتنے ہی کیس اسی طرح پیسے لے کر رد فادفعہ کر دیتا تھا ایسے میں کسی ایک کیس کو وہ کیسے یاد رکھتا۔

فائل دیکھ اُس نے زیدان کی طرف دیکھا اور اٹکتے ہوئے بولا "تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ تمہیں اگر یہ کیس بند کروانا ہے تو تم مجھ سے ویسے ہی کہا دیتے کچھ لے دے کر معاملہ ختم ہو جاتا اس کے لیے مجھے اٹھا کر کیوں لے۔"

زیدان نے بھوایوں اونچی کر اپنی روبرو آواز میں پوچھا تو تم نہیں جانتے یہ فائل کس کی ہے۔ جس پر آفسر نے جلدی سے نہ میں سر ہلایا۔ تو زیدان نے اس کے سامنے بر فکس کھلا جس میں موجود آلات دیکھ پولیس آفسر کی توجہ پر واز کرنے کو تھی۔

وہ حکلتے ہوئے بولا۔ "ت۔۔ تم ایک۔۔ اؤن ڈیوٹی۔۔ آفیسر کے۔۔ ساتھ۔۔۔ ایسے۔۔۔ نہیں۔۔۔ کر۔۔۔ سکتے۔"

زیدان نے زور سے قہقہہ لگایا۔۔۔ "آؤں ڈیوٹی اور وہ بھی تم۔ ہا ہا ہا۔۔۔"  
تیرے سارے کارناموں کی لسٹ تیرے آفسیر تک جا چکی ہے ابھی تک تو تیرا  
ڈسمس لیٹر بھی ٹائپ ہو چکا ہو گا۔۔۔"

اس کی اس بات پر آفسیر کی اب سی معنوں میں جان ہوا ہوئی تھی۔ زیدان آگے  
جھکتے بولا۔ "میں تجھے یہاں پوچھنے کے لئے نہیں لایا کہ تو نے یہ سب کیا ہے یا  
نہیں۔۔۔ کتنے گناہ گاروں کو تو نے بچایا ہے۔۔۔ تجھے تو یہاں تیرے آخری سفر پر  
بھجنے کے لئے لایا ہوں۔"

اس کی اس بات پر آفسیر زیدان کے آگے معافی کی بھیگ مانگنے لگا۔ اسے معافی  
مانگتے دیکھ زیدان نے اپنے بریفکس سے ڈرلنگ مشین نکال لی۔ جس کو چلتے

زیدان نے آفسر کی آنکھوں کے سامنے لہرانا شروع کیا۔ آفسر کی تو آواز ہی بند ہو گئی تھی اُس کی زبان تالو سے ہی چپک گئی۔

زیدان نے اگلے لمحے وہ ڈریل اس افسر کے ہاتھ پر چلا دی جس سے خون فوارے کی طرح بہانے لگا آفسر کی چیخوں سے بیسمنٹ گونج رہا تھا۔ زیدان نے بیدردی سے ہاتھ سے نکال کر وہی ڈریل اس آفسر کی ٹانگ میں چلا دی آفسر تکلیف سے بلبلا اٹھا۔

زیدان نے اٹھا کر ایک ہی جھٹکے سے اس کے بالوں کو پکڑ جھٹکا دیا۔ یہ تکلیف اُس تکلیف کے آگے کچھ بھی نہیں ہے جو تم جیسے بچ آفسر کے ہوتے سردار جیسے درندے اُن مصوم عورتوں کو دیتے ہیں۔ زیدان نے یہ کہتے دوسری ٹانگ میں بھی اسی طرح ڈریل گھسا دی۔

اس قدر تکلیف کی وجہ سے آفسر نیم بیہوش ہونے لگا۔ اب زید ان آٹھ باقی کے باندھے آدمیوں کے پاس آیا۔ تم میں سے کوئی بھی شریف نہیں تم سب نے بھی ان معصوم بچیوں کو نوچا ہے۔ جسم کے حصے کے جس لذت کے لئے اُن معصوموں کو تم لوگوں نے اپنی اور بہت سے جانوروں کی درندگی کا نشانہ اور بنے دیا میں وہ حصہ ہی اب ختم کر دوں گا۔

وہ سب ہی جان بخشی کی بھیگ مانگنے لگے پر سامنے زید ان خانزادہ تھا۔ جس کی دنیا میں عزت اجاڑنے والوں کے لیے صرف موت ہی معافی تھی ایک دردناک موت۔۔۔ زید ان کے اشارے پر اُن باقی کے تینوں آدمیوں کو زمین پر لیٹا کر اُن کی ٹانگوں کو کھول کر لیٹا گیا۔



اور دیکھتے ہی دیکھتے زیدان نے تینوں کی ٹانگوں کے درمیان کے حصے میں ڈریل  
چلا دی۔

ان چاروں کی سزایہاں ختم نہیں ہوئی تھی۔ اب زیدان کے حکم پر انہیں لوہے  
کی کرسیوں پر بندھا گیا تھا۔ زیدان اطمینان سے سامنے اپنی کرسی پر جا بیٹھا پھر  
زیدان کے اشارے پر ان کے پاؤں جن پانی کے ٹب میں رکھے گئے تھے اُن میں  
بجلی کی نگی تاریں ڈال دی گئی۔ اور پھر اُن آدمیوں کے پورے جسم میں کرنٹ  
دھرنے لگا۔

بجلی کے جھٹکے اتنے زوردار تھے کہ وہ اپنی جگہ سے کئی انچ اُپر اٹھتے اب زیدان  
اپنی جیب سے سگریٹ نکال کر لبوں سے لگائے اب گہرے کش لے رہا تھا۔ ان  
کی چیخوں سے اُسے سکون مل رہا تھا۔ یہ سب دیکھ کر ایک بار تو ظفر کے بھی ہوش

ٹھکانے لگ گئے تھے۔ وہ یہ ضرور جانتا تھا کہ زید ان سخت سزا دیتا ہے پر اس حد تک آج پہلی بار اُس نے دیکھا تھا۔

کچھ ہی لمحوں میں اُن چاروں کی سانسوں کا ختم ہو گیا اور روح پرواز کر چکی تھی۔ اب زید ان اپنے آدمیوں کو یہ سب صاف کرنے کا اشارہ کرتا لمبے لمبے دگ بھرتا بیسمنٹ سے باہر نکلتا چلا گیا۔

اب اس کا رخ اپنے سکون کی طرف تھا۔ وہ سکون جس کے لئے وہ کب سے ترسا تھا۔ دوسری طرف عنایہ

نہانے گئی ہوئی تھی جلد بازی میں وہ کپڑے ساتھ لے جانا بھول گئی۔ اب وہ اس کشمکش میں تھی کہ باہر کیسے جائے۔

پھر خود کو سمجھاتی وہ تولیہ باندھ کر باہر آگئی اُسے یہ ہی پتا تھا کہ زید ان ابھی گھر پر نہیں ہے۔ پر کون جانتا تھا کہ عنایہ خود چل کر سوئے شیر کو جگانے والے کام کر رہی تھی۔

عنایہ اب اپنے تولیہ پکڑ الماری کے سامنے کھڑی کپڑے ڈھونڈ رہی تھی۔ اسے کچھ پسند ہی نہیں آرہا تھا۔ عنایہ اتنی خود میں مگن تھی کہ اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ کب زید ان کمرے میں آکر اس کے پیچھے کھڑا اسے نہا رہا تھا۔

عنایہ کو ایسے دیکھ زید ان کی آنکھوں میں خمار کی سُرخ بھر گئی۔ عنایہ مسلسل اپنے کپڑوں میں الجھی ہوئی تھی۔ زید ان نے عنایہ کو الجھے دیکھا تو اگتے جھکتا عنایہ کے کان کے پاس سرگوشی کرتے بولا۔ "میں کچھ ہیلپ کروں"

زیدان کی سرگوشی میں ایسا گہرا خمار اور سنسناہٹ تھی کہ عنایہ کا وجود جیسے لرز اٹھا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا تولیہ ہلکا سا ڈھلکا، اور وہ ایک دم پیچھے گھومی۔ "ز۔۔۔ زیدان!" اُس کی آواز ہولے سے نکلی، نظروں میں خوف، شرم اور حیرت کا امتزاج تھا۔

زیدان کی نظریں اس کے بھینگے وجود پر مرکوز تھیں۔ اُس کی سانسیں بھاری ہو رہی تھیں اور نگاہیں مزید گہری۔

اپنے اتنے قریب سے آواز سن عنایہ بوکھلائے موری پر زیدان اتنا قریب کھڑا تھا کہ عنایہ کا بدن زیدان کے جسم سے ٹکرا گیا۔ اس سے پہلے عنایہ گرتی زیدان نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال اسے اپنی باہوں میں لے لیا۔

ڈر اور تیزی سے مرنے کی وجہ سے عنایہ کے ہاتھ سے اُس کا تولیہ چھوٹ گیا تھا۔  
اور تولیہ اب زیدان اور عنایہ کے بھیج اٹکا ہوا تھا۔ عنایہ نے تو شرم کے مارے  
آنکھیں ہی میچ لیں۔ اُس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ زیدان اس وقت گھرا سکتا ہے

اسے اپنی باہوں میں سرخ ہوتا دیکھ زیدان کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ عنایہ نے  
زیدان کو شرٹ کے کالر سے پکڑا ہوا تھا اُسے ڈر تھا اگر زیدان اُس سے پیچھے ہوا تو  
تولیہ گر جائے گا۔ اسی ڈر سے عنایہ زیدان سے اور شدت سے لپٹی۔

زیدان سمجھ گیا تھا کہ عنایہ تولیہ گر جانے کے ڈر سے اُس سے مزید پاس آرہی  
ہے۔ زیدان کو عنایہ کو تنگ کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ زیدان نے ہلکے سے خود کو

عنایہ سے دُور کرنے کی کوشش کی تو عنایہ ایک دم چیخی دُور نہیں ہونا پلزا اور مزید زیدان کے قریب ہوئی۔

زیدان کے لئے اس کی حالت دیکھ اپنا قہقہہ روکنا مشکل ہو رہا تھا۔ عنایہ کے سینے کے اوپر بہت بری طرح زیدان کے سینے سے مسک ہو رہے تھے جس سے زیدان کو اپنے جذبات پر باندھ باندھنا مشکل ہو رہا تھا۔

زیدان نے عنایہ کو کمر میں ہاتھ ڈال اوپر اٹھا کر اپنے چہرے کے بالکل قریب کر لیا اس کی گردن میں اپنا چہرہ چھپا کر اس کے کان کی لہو کو اپنے لبوں سے سک کرنے لگا۔ اس کے اس عمل سے عنایہ کے پورے جسم میں سنسنی سی دھور گئی۔

عنایہ نے اس کی گردن کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار بنا خود کو تھوڑا اور اوپر اٹھایا۔ اس کے اس عمل سے زیدان اور عنایہ کے چہرے ایک دوسرے کے آمنے



سامنے تھے اتنے قریب کہ دونوں ایک دوسرے کے چہرے پر گرم سانسوں کی  
تپش کو محسوس کر سکتے تھے۔

یہاں زیدان کی بس ہوئی تھی وہ اسی طرح عنایہ کو اپنی باہوں میں اٹھائے دیوار  
کے ساتھ لگا پیں کر گیا۔ اب عنایہ کا آدھا سہارا دیوار اور آدھا زیدان تھا۔ اسے  
دیوار سے پین کر زیدان تھوڑا ہلاتا تو لیہ دونوں کے درمیان سے نکلتا زمین بوس  
ہو گیا۔

زیدان کی نظر عنایہ کو مکمل دیکھتی عنایہ نے اُس سے پہلے ہی زیدان کی آنکھوں  
پر ہاتھ رکھ اس کا نظارہ روک دیا زیدان کے لب مسکرائے۔ جان ہاتھ ہٹائیں۔  
عنایہ نے زور زور سے نفی میں سر ہلایا۔ عنایہ میں کہار ہا ہوں ہٹائیں ہاتھ۔۔۔

عنایہ پھر بھی نہ مانی۔۔۔ عنایہ ہاتھ ہٹالیں میں نے ہتائے تو آپ کو پسند نہیں  
اے گا۔

عنایہ نے تھوک نگہ اور بولی! آپ پہلے آنکھیں بند کریں پھر ہی ہٹاؤں گی...  
عنایہ اااااا۔۔۔ زیدان کی آواز میں تنبھی تھی۔ تو عنایہ نے آہستہ سے اپنے ہاتھ  
ہٹالے۔ زیدان کی آنکھوں میں خمار کی سُرخی بہت زیادہ بھر چکی تھی۔ اس کی  
آنکھوں سے نظر اتنا پیغام دیکھ عنایہ کو اپنی جان ہوا ہوتی لگی۔

زیدان عنایہ کے اور قریب ہوا اپنے لب عنایہ کے لبوں پر رکھ پیچھے ہوا پھر وہ  
اس کے لبوں پر اپنی زبان پھرنے لگا۔ اب زیدان کے لئے روکنا مشکل تھا ابھی وہ  
عنایہ کے لبوں پر ٹوٹا اس سے پہلے اس کا فون رنگ ہوا۔ جو زیدان کے موڈ کو  
بدمزہ کر گیا۔

عنایہ نے سکھ کا سانس لیا۔ اسے پر سکون ہوتے دیکھ زیدان بولا۔ زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے جان تو آپ کی آج سولی پر ٹانگ کر ہی دم لوں گا بہت تڑپا ہوا ہے آپ نے مجھے اب اور نہیں۔۔۔ آج رات تیار رہنا میں اپنا حق لیے بنا سونے نہیں دوں گا۔ یہ کہتے اس نے اگے ہوتے عنایہ کے ماتھے پر اپنے لب رکھے پھر ایسے ہی اسے اٹھائے بیڈ پر لا کر بیٹھیا اور بنا مکمل نظر ڈالنے اُس پر بلنکٹ ڈال کر روم سے نکلتا چلا گیا۔ پیچھے عنایہ اپنے ہاتھوں میں چہرہ چھپائے شرم رہی تھی۔

زیدان نے روم سے باہر آتے اپنے فون جو مسلسل بج رہا تھا اٹھا کر کان سے لگایا اور جو خبر اسے ملی وہ زیدان کے چہرے پر ایک سکون کی لہر دوڑا گئی۔ تم سب وہاں پہنچو اس بار کوئی غلطی نہیں ہونی چاہئے ورنہ تم سب کا انجام موت ہوگا۔

دوبئی کے ایک چھوٹے ریستورینٹ سے صنم اپنے لیے کچھ کھانے کو خریدتی باہر  
اٹی۔ اور ساتھ بنے فوٹپت پر چلانے لگی۔ دوبئی کا یہ حصہ زیادہ گنجان آباد نہیں تھا  
۔ گلیاں سنسان تھیں۔ اچانک صنم کو محسوس ہوا جیسے کوئی اُس کے پیچھے چل رہا  
ہو۔

صنم نے گھبرا کر اپنے قدم تیز تیز رکھئے شروع کر دیا۔ جب صنم کو محسوس ہوا کہ  
وہ اور قریب آرہا ہے تو صنم اپنے ہاتھ میں پکڑا کھانے کا بیگ وہیں پھکتی پوری  
طاقت کا زور لگا بھاگنے لگی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ سردار کے لوگ ہیں جو کافی دن  
سے اُس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔

صنم جتنی طاقت لگا کر بھاگ سکتی تھی وہ بھاگ رہی تھی۔ اس کے پیچھے تین  
لڑکے بھاگ رہے تھے۔ بھاگتے بھاگتے وہ سڑک پر نکال آئے تھے۔ ایک بھاگتا

صنم کے قریب پہنچاؤ سے پکڑنا چاہا پر اُس کے ہاتھ صنم کا صرف سٹولور ہی آیا صنم بنادیکھے آگئے کو بھاگ رہی تھی۔

کہ اچانک موڑنے پر سامنے سے آتی بلیک SUV گاڑی کے بونٹ سے ٹکرائی۔ صنم نے سراٹھا کر دیکھا تو گاڑی میں موجود زیدان کو خون ٹپکتی آنکھوں سے بیٹھے دیکھ اور ظفر جو ساتھ کی سیٹ پر بیٹھ تھا صنم کو اپنے سامنے دیکھ وہ تو فریز ہی ہو گیا۔

اتنے میں وہ لڑکے بھاگتے صنم تک آئے اس سے پہلے وہ صنم کو ہاتھ لگاتے آگئے بھرنے والے لڑکے کے دماغ سے زیدان کی چلائی گولی آر پار ہو گئی۔ زیدان اور ظفر اس کے پیچھے اتنے لڑکے دیکھ گاڑی سے باہر نکل آئے۔ باہر نکلتے زیدان نے صنم کو اپنی پشت کے پیچھے کیا۔

ایک لڑکا آگئے آیا جو نہیں جانتا تھا کہ سامنے موت یعنی زیدان خانزادہ کھڑا ہے۔ آگئے بھرتے اُس نے زیدان کا کو لر پکڑ بولا۔ لڑکی ہمارے حوالے کرو۔

زیدان کی آنکھوں میں وحشت اُترائی اس کی رگیں تن چکی تھیں۔ ضبط سے چہرہ لال سرخ ہو چکا تھا۔ زیدان نے ایک اگلے لمحے اُس لڑکے کی گردن ہی 360 کے اینگل پر موڑ ڈالی اور وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

یہ دیکھ باقی سب بھی ڈر گئے پر اُنھیں صنم کو ہر حال میں سردار کے پاس لے کر جانا تھا۔ اُن کا لیڈر ہوائی فائر کرتا بولا لڑکی کو اٹھالو۔ وہ سب ہی زیدان پر ایک ساتھ ٹوٹے پر وہ بھول گئے سامنے زیدان خانزادہ تھا۔ ظفر کو اشارہ کرتے اُس نے صنم کو گاڑی میں بیٹھنے کو کہا اور اس کے بعد وہ سب پر ٹوٹ پڑا۔

ظفر صنم کو گاڑی میں بٹھا خود بھی زیدان کا ساتھ دینے آگئے بھر گیا۔ آخر کو وہ اس کا دوست تھا بھائی تھا اور اب تو اُس سے نفرت کی وجہ بھی زندہ سامنے موجود



تھی۔ زیدان کے گارڈز نے اگتے ہوتے اُن سب کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ اور  
گاڑی میں ڈال اُنھیں اپنے ساتھ لے گئے۔

زیدان اپنا کولر کھٹکتا ایک ادہ سے چلتا کر اپنی گاڑی میں بیٹھ اور زن سے گاڑی  
بھگا کر لی گئی۔ پورے راستے گاڑی میں خاموشی چھائی رہی۔ ظفر تو بس اپنے  
ساتھ بیٹھی اُس دُشمن جاں کو دیکھ رہا تھا۔ جونہ جانے اسے زندہ ہوتے ہوئے بھی  
کس بات کی سزا دے رہی تھی۔

ظفر کو یوں بناپلک جھپکے صنم کو دیکھنے پر زیدان نے گلہ کھنگرا اور بولا تیری ہی ہے  
گھر جا کر گھور لینا۔ تو ظفر کی آنکھ سے ایک انسوؤں ٹوٹ کر گالوں پر بھاگیا۔ زیدان  
نفی میں سر ہلاتا گاڑی گھر کے راستے پر ڈال گیا۔

گھر پہنچ کر گاڑی کے ٹائروں کی آواز سے پورچ کی دیواریں بھی لرز گئی۔ زیدان گاڑی سے نکل باہر آ کر کھڑا ہو گیا۔ ظفر کو سٹل ایسے ہی صنم کو دیکھنے پر زیدان پہلے تو مسکرایا پھر آگئے ہوتا گاڑی کی ونڈو سے اندر ہاتھ ڈال گاڑی کے ہورن پر ہاتھ رکھ کر بھول گیا۔

جس پر وہ دونوں بوکھلا کر فوراً سے گاڑی سے باہر آئے۔ ظفر نے زیدان کی طرف دیکھا تو زیدان اسے گھورتا بولا تجھے اسے ہی ہوش انا تھا یہ کہتے وہ اندر کی طرف چل پڑا۔ صنم ظفر کے اشارے پر آگئے بھرتے اندر کی جانب چلانے لگی۔

یہ منظر زیدان پیلس کے مین ہال کا ہے جہاں اس وقت سب ہی جمع ہیں۔

زیدان پیلس کے وسیع و عریض مین ہال میں آج ایک غیر معمولی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سب ہی موجود تھے۔ لیکن الفاظ نہیں، صرف نظریں بول رہی تھیں۔ صنم نظریں جھکائے بیٹھی تھی، جیسے اپنے اندر ٹوٹے حوصلے سمیٹنے کی کوشش کر رہی ہو۔ عنایہ صنم کے ساتھ بیٹھی اسے حوصلہ دے رہی تھی۔

ایک لمبی خاموشی کے بعد زیدان نے صنم کو مخاطب کیا۔ صنم اگر تم بہتر محسوس کر رہی ہو تو کیا میں تم سے کچھ پوچھ سکتا ہوں۔

صنم اپنے انسوؤں صاف کرتی صرف ہاں میں سر ہلایا۔ ظفر بھی سامنے زیدان کے ساتھ ہی بیٹھا صنم کو دیکھ رہا تھا بہت سے سوال اس کے ذہن میں سانپ کے جسے ڈنک مار رہے تھے۔ زیدان نے ایک گہرا سانس کھینچا اور بولا۔ "صنم میں تم سے سیدھا سیدھا پوچھوں گا اس رات کیا ہوا تھا۔"

میں سچ جانتا ہوں پر تمہارے منہ سے سنا کسی کے دماغ کے ڈھیلے سکر وٹاٹ  
 کرنے کے لئے ضروری ہے۔ زید ان نے یہ کہتے ظفر کو گھورا ظفر بیچارہ پہلو ہی  
 بدلتا رہا گیا اسے اب صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ بیٹنے والا ہے۔ ظفر نے تھوک نکلے اور  
 صنم کی طرف دیکھا۔

اب وہ ہی تھی جو اسے بچا سکتی تھی۔ زید ان نے اسے مسلسل خاموش دیکھ پھر  
 پوچھا۔ عنایہ نے صنم کے کندھے پر ہاتھ رکھ اُسے حوصلہ دیا۔ تو صنم ہمت کرتی  
 بولنا شروع ہوئی۔

"اُس رات جب میں ظفر کا بھجڑا ریس دیکھ رہی تھی تبھی کوئی گھر میں دندناتا  
 داخل ہوا۔ پہلے مجھے لگا وہ ظفر ہیں۔ پر۔۔۔ صنم کے گلے میں انسوؤں کا پھندہ  
 پھس گیا۔۔۔ عنایہ نے اس کی کمر پر ہاتھ رکھ اسے سنبھالا۔

بھائی جو چہرہ سامنے آیا وہ آپ کا تھا جب میں نے پوچھا تو اُس نے اپنا نقاب اُتر دیا  
میں گھبرا گئی تھی بھائی۔ صنم ہچکیوں سے رونے لگی۔ زید ان نے کچھ دیر اسے  
دیکھا پھر بولا۔۔۔ صنم یہ سب مجھے یہاں موجود ہر شخص کو پتہ ہے۔۔۔ سب دم  
سادے صنم کو ہی دیکھ رہے تھے۔

مجھے صرف یہ جانتا ہے سردار تم تک کیسے پہنچا کیونکہ جو سی سی ٹی وی فوٹیج میں  
نے دیکھی ہیں اُن میں صاف دیکھا جاسکتا ہے کہ وہ تم پر نظر رکھے ہوئے تھا۔  
صنم اور زور سے رونے لگی۔ بھائی مجھے معاف کر دیں مجھے اسی دن آپ کو بتا دینا  
چاہئے تھا۔

ظفر کو اب پریشانی ہونے لگی تھی اُسے سب قصور اپنا لگ رہا تھا نہ وہ اُس دن صنم کے جھوٹ پر یقین کرتا نہ سردار کی اتنی ہمت بھرتی۔ صنم خود کو سنبھالتی بولی۔  
میں لبریلی سے بوس لے کر بس سٹاپ پر بس کا انتظار کر رہی تھی۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ کوئی مجھ پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ جب میں بس سے اتر گھر کی طرف چلنے لگی تو ایک گاڑی میرے پیچھے پیچھے چلانے لگی۔ میں ڈر کر بھاگتی گھر میں گھس گئی پر سردار سامنے گھر میں ہی بیٹھا ہوا تھا۔ "صنم رو کی گھر اسانس لیا۔"

وہ مجھے۔۔ اپنے۔۔ کام۔۔ پر۔۔ بیٹھنا۔۔ چاہتا۔۔ تھا۔۔ اُس۔۔ اُس۔۔  
نے۔۔ کہا۔۔ کہ۔۔ اگر۔۔ میں۔۔ نہ۔۔ مانی۔۔ تو۔۔ وہ۔۔



میرے۔۔۔ سب۔۔۔ اپنوں۔۔۔ کو۔۔۔ مار۔۔۔ دے۔۔۔ گا۔۔۔ صنم پر  
سردار کا ڈر پھر حاوی ہو رہا تھا۔

ظفر ایک دم چیخ اٹھا تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا میں نے تم سے کتنا پوچھا پر تم نے  
سچ نہیں بتایا کیا تمھے مجھ پر یقین نہیں تھا کہ میں تمہاری حفاظت نہیں کر سکوں گا  
۔ ظفر کو زید ان نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا! "بیٹھ جاؤ ظفر۔۔۔ اگر اس کی  
غلطی ہے تو غلطی تمہاری بھی تھی۔ کیا تم نہیں جانتے تھے ہمارے کتنے دشمن  
ہیں جس دن تمھے لگا صنم پریشان ہے تمہیں اس پریشانی کی طہ تک جانا چاہئے تھا  
۔" ظفر کا سر جھک گیا یہ سچ ہی تو تھا اُس نے کیوں نہیں ایسے سوچا۔۔۔

صنم زید ان سے کہتی ہے اس میں ان کا کوئی قصور نہیں بھائی میں ہی ڈر گی تھی  
اُس نے دھمکی دی تھی کہ وہ ظفر کو مار دے گا میں ڈر گی تھی۔ میرے پاس۔۔۔

واحد رشتہ ظفر ہی تو تھے میں انہیں نہیں کھوسکتی تھی۔ اور وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔

زید ان کچھ سوچتے پھر بولا اس کا مطلب صاف ہے کہ اس نے تمہارا بہت ہی ہشیاری سے مجھے اور ظفر کو آپس میں لڑوانے کے لئے استعمال کیا ہے۔ وہ تمہارے ذریعے ہم دونوں کو لڑوانا چاہتا تھا۔ جس میں وہ کامیاب بھی ہو گیا ظفر بولا۔

زید ان نے صرف اسے گھورتے ہنکار بھرا اور دانت پیستے بولا۔ "تم سے تو میں بعد میں حساب پورے کرتا ہوں۔"

پھر وہ صنم کی طرف متوجہ ہوا۔ "صنم تم اب سے محفوظ ہو اس لیے کسی سے بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم میرے لیے تب بھی میری بہن تھی اور

اج بھی میری بہن ہو ہمیشہ رہو گی۔ "صنم مسکراتی ہے زید ان آٹھ اس کے سر پر ہاتھ رکھ ظفر کو باہر انے کا اشارہ کرتا خود باہر نکلتا چلا جاتا ہے۔

اب اس کی مروت بھی تو ضروری تھی جس کے جذباتی پن میں اتنا کچھ خراب ہوا اور دشمن کو اتنا عرصہ مہلت ملی۔ زید ان کو اس پر ایسی بات کا غصہ تھا جو اپنے جذبات میں آکر دماغ کا استعمال ہی بند کر دیتا تھا۔

ظفر کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اب اس کی خیر نہیں۔ عنایہ صنم کو لیے اس کے روم کی طرف چلی جاتی ہے ظفر ہمت کرتا باہر چلا جاتا ہے۔ زید ان باغ میں کھڑا اسی کے انتظار میں تھا۔

جسے ہی ظفر نے اکرا سے بولا خان۔۔۔ زید ان ایک موکا اس کے منہ پر رسید کیا۔  
یہ مجھ پر اعتبار نہ کرنے کے لیے تھا۔ زید ان نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ تم نے  
مجھے چھوڑ کر جانے کے بارے سوچا بھی کسے تجھے نہیں پتہ تو میرا بھائی ہے۔ ظفر  
مُسکرا دیا اس کی آنکھوں میں انسو تھے۔ زید ان نے اس کی آنکھوں میں انسو  
دیکھ بولا خبردار جو یہ ہمیشہ والا ڈراما شروع کیا۔"

ظفر نم آنکھوں سے ہستے اُس کے سینے لگ گیا۔ مجھے معاف کر دو بھائی میں پاگل  
ہو گیا تھا کچھ سمجھ ہی نہیں سکا مجھے معاف کر دو۔ میں آپ کے بنا بہت تکلیف میں  
رہا ہوں۔ میرا دل دماغ یقین نہیں کرنا چاہتا تھا پر ان آنکھوں کا کیا کرتا

زیدان نے اسے خود سے دُور کیا مجھ سے آکر پوچھتا میں تجھے سب بتاتا جہاں  
تک جانا پڑتا میں جاتا پر بنا پوچھے خودی سب فیصلے کرتا تو میرے ہی خلاف ہو گیا تو  
نے سوچا بھی کیسے۔۔۔ ظفر کی نظریں جھک گئی۔

زیدان نے اپنے بالوں میں ہاتھ مارتا اس کے برابر آکھرا ہوا۔ میری طرف دیکھو  
۔۔۔ ظفر کا سرا بھی بھی جھک ہوا تھا۔ زیدان نے پھر کہا تجھے پتہ ہے میں بات  
نہیں دہراتا۔ اس کی تانبھی بھری آواز پر ظفر نے سراٹھا اس کی طرف دیکھا!  
"ظفر آئندہ کچھ بھی ہو جائے کچھ بھی تو سیدھا میرے پاس اے گا خود سے کوئی  
فیصلہ نہیں کرے گا۔ تو میرا بھائی ہے تجھ پر اتنی سی خراش بھی میں کسی کو معاف  
نہیں کروں گا۔"

ظفر نم آنکھوں سے مسکراتا زید ان کو دیکھ رہا تھا زید ان نے آگئے ہوتے اس اپنے سینے سے لگالیا "چل اب سینٹی ہونے کی ضرورت نہیں تیار ہو جا مل کر اب دونوں بھائی سردار کی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بچا دیں گے۔" ہاں بھائی اب ہم اس کو دکھا دیں گے ہمیں کوئی الگ نہیں کر سکتا۔" یہ کہتے ہی ان دونوں نے ایک دوسرے سے کندھا جوڑا ظفر ہنستے ہوئے بولا میرا شیر بھائی۔۔۔ تو دونوں ہنستے ہوئے اندر کی طرف چل پڑے۔

سامنے ہی مین دروازے پر کھرے سب ان کو دیکھ کر مسکرا دیئے۔ انج زید ان خانزادہ کے بازو پورے ہو گئے ایک بار پھر اور اب سردار کے لئے یہ زمین تنگ ہونے والی تھی۔ اُس کی ایک ایک سانس اُس پر بھری پر نے والی تھی۔



سردار کو خبر مل چکی تھی کہ صنم زیدان تک پہنچ چکی ہے۔ اب سردار کو ایک ہی فکر تھی کہ زیدان اُس کا کیا حال کر دے گا۔ سردار کو اب فل وقت غائب ہونا ہی بہتر راستہ نظر آیا۔ جسے تسبیہ کر کے سردار دوبئی سے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا وہ جانتا تھا وہ یہاں رہا تو زیدان اُسے زندہ نہیں رہنے دیے گا۔

یہ سردار کی غلط فہمی تھی کہ وہ بھاگ کر بچ جائے گا وہ زیدان خانزادہ تھا آخر مرغیے کی ماں کب تک خیر مانے گی۔ موت تو اُسے زیدان کے ہاتھوں ہی نصیب ہونی ہے۔

زیدان اب پہلے سے بہتر محسوس کر رہا تھا اُس کا دوست اُس کا بھائی پھر اُس کو مل گیا تھا اور اس پر لگا الزام ہت گیا تھا۔ زیدان کی نظریں عنایہ کو تلاش رہی تھیں پر پتہ نہیں وہ کہاں چپ کر بیٹھی تھی۔ اس نے اپنے کمرے سے جوڑا سا راحصہ

چھان لیا پر وہ کہیں نہ ملی ملتی بھی کیسے وہ تو چھپی بیٹھی تھی لڑکیوں کے کمرے میں  
۔ اُسے زیدان سے بے حد شرم آرہی تھی۔

عنایہ کب سے اس انتظار میں بیٹھی تھی کب زیدان سو جائے اور پھر ہی وہ اپنے  
کمرے میں جائے۔ کچھ وقت اور سرکہ تو عنایہ ہمت کرتی اپنے کمرے کی جانب  
چل پڑی دل میں مسلسل دعا گو تھی کہ زیدان سو گئے ہوں۔ زیدان تب سے ہی  
عنایہ کو لیپٹاپ پر بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی بیوی کی سوچ کہاں تک جائے گی اچھی  
طرح جانتا تھا۔

اب جب وہ جانتا تھا کہ وہ اسے سویا ہوا پا کر کمرے کی جانب آرہی ہے تو زیدان  
نے جلدی سے آنکھیں بند کر سونے کی اداکاری شروع کر دی۔ عنایہ جب

دروازے پر پہنچی تو روک کر ایک سانس ہوا کے سپرد کی اور آہستہ سے دروازہ کھولتی پہلے اندر جھانک کر تسلی کی کے زید ان سو گیا ہے یا نہیں۔

زید ان اپنے سونے کی بھرپور اداکاری جاری رکھتے لیٹا رہا۔ اب عنایہ پنچوں کے بل پاؤں رکھتی کمرے میں آگئی۔ اب اسے چینج بھی کرنا تھا۔ بہت ہی احتیاط کے ساتھ بنا کوئی آواز کیے عنایہ واشروم میں گھس گئی۔

زید ان کے لئے اپنی ہنسی کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا۔ وہ آٹھ بیٹھا جتنا بچنا ہے بچ لیں عنایہ نورانا تو آپ کو اپنے زیدی کے پاس ہی ہے۔ پھر میں دیکھتا ہوں کسے بھاگتی ہیں آپ۔۔ اب تو اپنی پناہوں سے آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گا۔

دروازے کی کلک کی آواز پر زید ان جلدی سے دوبارہ لیٹ سو گیا۔ عنایہ اس سٹل سوتا دیکھ سکون کا سانس لیتی بہت مزے سے اپنا لوشن اٹھتی بیڈ پر اکر ٹانگوں کو اوپر کر بیٹھی۔ زید ان کے چہرہ اسی کی طرف تھا۔

عنایہ اپنے ہاتھوں پر لوشن لگتی بار بار زید ان کو دیکھ رہی تھی۔ عنایہ جلدی سے بس لوشن لگا کر لیٹ گئی۔ عنایہ کا رخ دوسری طرف تھا۔ زید ان کی طرف اُس کی کمر تھی۔ عنایہ جسے ہی لیٹی زید ان نے جھٹکے سے عنایہ کو پیٹ سے پکڑ اپنی طرف کھینچا تو عنایہ بوکھلا گئی۔

زید ان بالکل اسے اپنے قریب کرتا اس کی گردن میں اپنا چہرہ چھپا کر اس کی جان لیوا خوشبو کو اپنے اندر اتارنے لگا اس کی گرم سانسوں سے عنایہ کو اپنی گردن پر

جلن کا احساس ہوا۔ زیدان نے اپنے دہکتے لب عنایہ کی گردن پر رکھ اس کی سکن سک کرنے لگا۔ عنایہ کی تو مانو جان ہوا ہو گئی تھی۔

عنایہ نے اپنے پیٹ سے اس کے ہاتھ بٹانا چاہیے تو زیدان نے ہمیم۔۔۔۔۔ مجھے تنگ مت کریں اپنا کام کرنے دیں۔ میں نے کہا تھا میں اسے نہیں بخشوں گا آپ کو۔۔۔ یہ کہتے ہی زیدان نے عنایہ کی گردن پر اپنے دانت گھڑ اپنی جنونیت کا نشان چھوڑا۔ عنایہ سسکی۔۔۔۔۔

زیدی مجھے نیندائی ہے۔ زیدان نے خمار سے بھری آنکھیں کھول اسے دیکھا جو بہت معصومیت چہرے پر لے بول رہی تھی۔ پروہ بھی زیدان تھا اپنے نام کا ایک ایسے کسے اُسے جانے دیتا۔ زیدان جھکے عنایہ کو نیچے کر خود اس پر گھٹا بن کر چھا گیا۔

اسے اپنے اوپر دیکھ عنایہ کی دھڑکن ڈھول کی طرح بجتی زیدان کو اپنے سینے میں بجتی محسوس ہوئی۔ زیدان کی آنکھیں خمار کی سُرخ سے کسی نشے میں ڈوبے شخص جیسی لگ رہی تھیں۔ عنایہ کو اپنا آپ زیدان کی آنکھوں میں ڈوبتا نظر آیا۔ زیدان جھوکا اور عنایہ کے ماتھے پر لب رکھ بوسا دیا جسے عنایہ نے آنکھیں بند کر اپنی روح میں اترتا محسوس کیا۔ اس کے بعد زیدان اپنے لبوں سے عنایہ کے چہرے پر جا بجا اپنا لمس چھوڑ رہا تھا اور عنایہ اس کے لمس کی شدت میں بھیگ رہی تھی۔

زیدان کی نظر عنایہ کے خشک پڑتے ہونٹوں پر پڑی جیہن عنایہ دانتوں میں لئے کھانے میں لگی تھی۔ زیدان نے اپنے ہاتھ کے انگوٹھے سے اس کے ہونٹ



دانتوں سے آزاد کروائے اور بولا۔ انہیں تکلیف دینے کا حق صرف میرا ہے آپ خود بھی انہیں تکلف نہیں دے سکتی۔

عنایہ، سنکو بنی منہ کھولے اس کا جنونی انداز دیکھ رہی تھی یہ زیدان کا آج کون سا روپ تھا جو اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ عنایہ کو خود میں گم دیکھ زیدان اس کے لبوں کو شدت سے اپنی دسترت میں لے کر اپنے دانتوں سے کاٹنے لگا۔

اس کے جنون میں شدت تھی جسے وہ بھرتا ہی جا رہا تھا۔ عنایہ کے لئے اُسے برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا عنایہ کے ہاتھ خود بخود زیدان کے بالوں میں سفر کرنے لگے۔ یہ محسوس کر زیدان کی آنکھیں مسکرائی۔ اس کے ہاتھ عنایہ کے ہاتھوں میں الجھ رہے تھے۔

کتنی ہی دیر اپنی دیوانگی اس کے ہونٹوں پر اُتارنے کے بعد وہ پیچھے ہوا تو عنایہ منہ کھول گھیرے سانس لینے لگی۔ زیدان کو اس کی حالت دیکھ ترس آیا بھی آپ کا میرے اتنے سے جنون سے یہ حال ہوا ہے جس دن میں مکمل آپ پر دسترت حاصل کروں گا اُس دن آپ کا کیا بنے گا۔

عنایہ شرماتی اُس کے سینے میں منہ چھپانے لگی زیدان وہیں عنایہ کے سینے پر سر رکھ پر سکون ہوتا نیند کی وادیوں میں اُتر گیا۔ عنایہ بھی اس کی سانسوں کی تپش سہتے سو گئی۔

ظفر جلنے بلی کے پیروں کی طرح نیچے مین ہال میں چکر کاٹ رہا تھا صنم تب سے لڑکیوں کے روم میں تھی اُسے صنم کو ملنا تھا بات کرنی تھی پرو تھی کہ اندر سے باہر ہی نہیں آرہی تھی۔

اتنے میں حور یہ کمرے سے نکلتی نیچے آئی ارے ظفر بھائی کچھ چاہئے آپ کو جس پر ظفر نے چھوٹوسہ منہ بنا کر کہا نہیں چھوڑوں کچھ نہیں چاہیے حور یہ اس کی حالت دیکھ بولی اچھا اچھا سمجھ گئی بھجبتی ہوں تھوڑا صابر رکھیں۔

تو ظفر اپنے بالوں میں ہاتھ مارتا مسکرا دیا اور حور یہ یہ کہتی اوپر کمرے میں واپس چلی گئی اور ظفر ایک بار پھر انتظار کی سولی پر لٹکا گیا۔



ظفر کب سے ہال میں بیٹھا صنم کا انتظار کر رہا تھا پر صنم نہیں آئی ظفر اُس سے بات کر کے اُن کے بھینچ اس خلا کو ختم کرنا چاہتا تھا پر صنم سے ابھی تک بات نہیں ہو سکی جب ظفر کو لگا وہ نیچے نہیں آئے گی تو اس نے سوچا اگر وہ نہیں آرہی تو میں چلا جاتا ہوں۔

اور پھر ظفر بنا کوئی آواز کیے اوپر لڑکیوں کے کمرے کی جانب چل پڑا۔ اسے کیسے بھی کر کے صنم سے بات کرنی تھی۔ ظفر اس سے پہلے دروازہ کھولتا عصم بھی اپنے دل کے ہاتھوں مجبور حوریہ کے پاس جانے کے لئے کمرے سے باہر چکر لگا رہا تھا۔

یہ لڑکیاں شام سے کمرے میں تھیں کتنی بار تو عصم نے حوریہ کو باہر بولیا پر وہ نہ آئی یہ ہی حال ظفر کا بھی تھا۔ وہ صنم سے بات کرنا چاہتا تھا پر صنم اُس کو موقع ہی نہیں دے رہی تھی۔ اس لیے اب دونوں نے ہی اپنی اپنی بندی کو اٹھانے کا فیصلہ کیا۔

ظفر وہیں روک عاصم کے جانے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا تو حوریہ آنکھوں کو ملتی باہرائی اپنے سامنے عاصم کو دیکھ اس کی چیخ نکالنے ہی والی تھی کہ اس سے پہلے ہی عاصم نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ اس کی چیخ کا گلا گھونٹ دیا۔

چیخنا نہیں میں کیا بھوت ہوں جسے دیکھ کر چیخنے لگی تھی۔ حوریہ آنکھیں پھرے اسے دیکھ رہی تھی۔ حوریہ نے انگلی اوپر اٹھا کر ہاتھ نیچے کرنے کا اشارہ کیا۔ عاصم مسکراتی آنکھوں سے دیکھتے اشارہ کرتے بولا کہ پہلے باہر چلو۔ شور مچایا تو اٹھا کر لے جاؤں گا۔ حوریہ ہنسکو بنی اس کے انداز دیکھ رہی تھی۔

عاصم حوریہ کے منہ پر اسی طرح ہاتھ رکھے اسے باہر کی طرف لے گیا اب ظفر کا راستہ صاف تھا وہ آہستہ سے دروازہ کھولتا اندر داخل ہوا۔ صنم نہ جانے کتنے ہی وقتوں کے بعد سکون کی نیند سو رہی تھی۔ ظفر کو اسے سوتے دیکھ اس پر خوب

پیار آیا۔ پھر یاد آنے پر کہ وہ یہاں کرنے کیا آیا ہے صنم کے کان کے قریب  
ہوتے اسے آواز دی۔

صنم کسمکسائی ظفر اس کی اتنی گہری نیند دیکھ سوچ میں پڑ گیا۔ پھر اٹھانے کی  
کوشش کی تو صنم کروٹ لیتی دوسری طرف منہ کر گئی۔ صنم اب ظفر کا صبر آزما  
رہی تھی۔ پھر کچھ سوچ کر ظفر نے صنم کے پاؤں میں انگلی سے گد گودیا جس سے  
صنم جھٹ سے اٹھ بیٹھی۔

ظفر کو دیکھ کر پہلے وہ گھبرائی تو ظفر نے آنکھیں دکھائیں صنم ظفر کی گھوری پر  
چپ چاپ بیڈ سے اتر اپنا دوپٹہ لیتی کمرے سے باہر آ گئی۔ ظفر صنم کو لیے اپنے  
کمرے کی طرف چلا گیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی ظفر نے دروازہ بند کر صنم  
کو خود میں بیچ لیا۔



کتنے مہینوں کی تڑپ پر اج ٹھندی بارش برسی تھی۔ صنم بھی ظفر کے گرد ہاتھ بندھ اُس کے سینے میں منہ چھپائے رونے لگی۔ اپنے سینے پر نمی محسوس کر ظفر اس سے پیچھے ہوا اور اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھر کر اس کے ماتھے پر اپنے لب رکھ شدت بھر ا بوسا دیا۔

اس عقیدت بھرے احساس سے صنم نے آنکھیں بند کر لی ظفر کی آنکھیں بھی نم ہو چکی تھیں۔ ظفر صنم کو لیٹے سامنے پڑے ٹوسیٹر صوفے پر آ بیٹھا اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ صنم کچھ بولنا چاہتی تھی۔ پر ظفر نے روک دیا۔ کچھ نہیں کہا وجوہیت گیا وہ بیت گیا بھول جاؤ۔

صنم ظفر کے سینے سے اپنے چہرہ نکال ظفر کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ میں بہت ڈر گئی تھی مجھے لگا اب ہم کبھی نہیں مل سکیں گے میں کبھی آپ کو نہیں دیکھ پاؤں

گئی۔ صنم روتے ہوئے اپنے دل کا حال بیان کر رہی تھی اس کا ایک ایک انسو  
ظفر کو اپنے دل پر گرتا محسوس ہوا۔

میں تو سمجھیں میں نے آپ کو ہمیشہ کے لئے کھو دیا۔ ششسس۔۔۔ تمہیں  
مجھ سے کوئی الگ نہیں کر سکتا۔ صنم تم ایک بار میرا انتظار تو کرتی میں سارے  
زخم بھر دیتا تم نے مجھے تنہا چھوڑ کر بہت سخت سزا دی۔ دماغ کہتا ہے تمہیں  
معاف نہ کروں اس کی بات پر صنم تڑپ اٹھی  
ایسے مت کہو۔ میں نے آپ کو سزا نہیں دی آپ سے دُور رہنا میرے لئے سزا  
تھی۔ پر مجھے لگا میں۔۔۔ اب۔۔۔ صنم کچھ بولتی اُس سے پہلے ظفر نے اُس کے  
لبوں پر جھک کر اس کے الفاظوں کو اپنے لبوں میں چن لیا۔ صنم کی آنکھیں پھٹنے کی  
حد تک کھول گئی۔ اُسے ظفر سے یہ توقع نہیں تھی۔ کتنی ہی دیر بعد اُس کے  
ہونٹوں کا جم پی کر وہ پیچھے ہٹا صنم گہرے گہرے سانس بھر رہی تھی۔

ظفر نے اُس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھرا اور دنیا جہان کی محبت اپنے جذبات میں لیئے بولا۔ اج کے بعد اُس رات اُس دن اُس شخص سے جوڑا تم کچھ بھی یاد نہیں رکھو گی۔ میں تمہیں اتنی محبت دوں گا ہر زخم بھر جائے گا۔ صنم کی آنکھوں سے آنسوؤں بہنے لگے۔ جنس ظفر نے اپنے لبوں سے چن لیا۔

میں اب اور انتظار نہیں کر سکتا میں کل ہی بھائی سے ہمارے نکاح کی بات کروں گا۔ پھر صرف تم میں اور ہماری محبت ہو گی۔ جو غلطیاں مجھ سے پہلے ہوئی انہیں اب دوبارہ کبھی نہیں دہراؤں گا تمہیں بھی مجھ سے وعدہ کرنا ہو گا کچھ بھی ہو جائے کچھ بھی تم مجھ سے کبھی نہیں چھپاؤ گئی وعدہ۔۔۔

صنم کی آنکھیں انسوؤں سے دھندلا گئی بچوں کی طرح اُس نے اپنے ہاتھوں سے انسوؤں صاف کیے اور ظفر کے بھرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ وعدہ کیا میں وعدہ کرتی ہوں کچھ بھی نہیں چھپاؤں گئی صنم کی اب ہچکیاں بندھ گئی تھی ظفر نے اسے سینے سے لگا کر اس کی کمر سلائی۔ کتنی ہی دیر صنم اُس کے سینے لگے روتی رہی جب دل کا بوجھ ہلکا ہوا تو ظفر اور صنم ایک دوسرے کی آغوش میں ہی سو گئے۔

عاصم حوریہ کو لیے دو بی کی پرانی فوڈ سٹریٹ میں آیا۔ اج شام میں حوریہ اُسے بتایا تھا کہ اسے سٹریٹ فوڈ کا کھانا بہت پسند ہے پھر کیا تھا عاصم اب اُس کی خواہش پوری کرنے اُسے لیے سٹریٹ فوڈ لے آیا تھا۔ ان چند دنوں میں ہی حوریہ گہرے رنگ کی طرح عاصم کے دل میں گھر کر چکی تھی۔ اس کی چھوٹی سے چھوٹی خواہش کو وہ پورا کرنا چاہتا تھا۔

حور یہ میں اسے اپنا برسوں سے کھویا سکون ملنے لگا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ ابھی بہت چھوٹی ہے یہ محبت کی باتیں اس کے بس کی نہیں پھر بھی وہ بس اس کا ہو کر رہنا چاہتا تھا۔ بچپن سے سب اس سے ہمیشہ چھین لیا گیا ہر رشتے کے لئے وہ تڑپتا رہا اب جب حور یہ اس کا سکون بن گئی تو اس کے برسوں سے خالی دل میں اب پھر اُمید جگی تھیں۔

حور یہ جب سے انی تھی تب سے سٹریٹ فوڈ کی رونق دیکھ خوش ہو رہی تھی۔ عاصم کے لئے اس کا یہ کھلتا چہرہ اس کے خالی پن وہ مرہم تھا جس سے حور یہ انجان تھی۔ عاصم مجھے نہ وہ مرچی والا برگر کھانا ہے وہ بہت تیز ہوتا ہے حور یہ عاصم نے اُسے سمجھنا چاہا پر حور یہ کہاں مانے والی تھی۔

آخر اس نے عاصم کو مانا ہی لیا عاصم نے ویٹر کو ہاتھ کے اشارے سے بولیا عاصم یہاں اکثر آتا تھا۔ یہ اس کی تنہائی بانٹنے کی سب سے بہترین جگہ تھی۔ یہاں کے کافی دوکان دار اسے جانتے تھے۔ آج اس کے ساتھ پیاری سی گڑیا دیکھ سب مُسکرا رہے تھے۔

حوریہ نے جب یہ بات نوٹ کی تو پوچھے بنانہ رہا سکی عاصم یہ سب ہمیں ایسے دیکھ کر مُسکرا کیوں رہے ہیں۔ ابھی عاصم کچھ کہتا اس سے پہلے ایک بزرگ برگ کی ٹرے لئے اے اور بولے کیسے ہو بیٹا۔ جس پر عاصم کرسی سے اٹھتا اُن کے بگل گیر ہوا۔ میں ٹھیک ہوں انکل آپ کیسے ہیں۔ میں تو ٹھیک ہوں تم سناؤ اور یہ پیاری سی گڑیا کون ہے؟



عاصم نے مسکراتے ہوئے حور یہ کو دیکھا اور بولا یہ زید ان بھائی کی چھوٹی بہن ہے اچھا  
 ماشاء اللہ ماشاء اللہ۔۔۔ حور یہ بس اُنھیں دیکھے جارہی تھی جو شاید سب ہی کے  
 بارے میں جانتے تھے۔ مزید کچھ باتیں ہوئی تو انکل نے عاصم سے سرگوشی سے  
 پوچھا شادی پر کب بولا رہے ہو ان کی بات پر عاصم جو بوتل کو منہ لگے پی رہا تھا  
 بری طرح گوتا لگ گیا۔

حور یہ گھبراتی اٹھی اور اس کی کمر پر ہاتھ پھرتی اسے پر سکون کرنے لگی خود کے  
 لئے پہلی بار کسی کو ایسے پریشان ہوتے دیکھ عاصم کی آنکھیں بھر آئیں جس اس  
 نے ہاتھ سے جھٹک چھپا لیا۔ اسے کی کھنسی روکتی دیکھ حور یہ اس کا چہرہ ہاتھ سے  
 اوپر اٹھا پوچھا آپ ٹھیک ہونہ۔۔۔۔ جس پر عاصم صرف سر ہاں میں ہلا سکا۔

وہ انکل حوریہ کو عاصم کی اتنی فکر کرتا دیکھ عاصم اور حوریہ کو ہمیشہ ساتھ رہنے اور مزید پیار بھرے کی دعاء دیتے واپس چلے گئے۔ حوریہ نے کچھ خاص اُن کی بات پر دھیان نہ دیا۔ حوریہ کا سارا دھیان عاصم میں جو تھا۔ حوریہ کو عاصم کے گلے کی ڈوبتی ہڈی بہت اٹریکٹ کر رہی تھی۔

عاصم نے جب اس کی موہت نوٹ کی تو وہ بے اختیار مُسکرا دیا۔ حوریہ کو نہ جانے کیا ہوا وہ ٹرنس سی کیفیت میں ہاتھ اگتے بھراتی عاصم کی ڈوبتی گلے کی ہڈی پر ہاتھ رکھ گی۔ عاصم کا تو مانوسانس ہی اٹک گیا۔ عاصم کو حوریہ سے ایسی اُمید نہیں تھی اسے مسلسل اپنے گلے پر ہاتھ رکھے دیکھ عاصم نے گلا کھنگھرا۔۔۔ جس پر حوریہ ہوش میں آتی بوکھلا کر پیچھے ہٹی۔

وہ۔۔۔وہ۔۔۔حوریہ کو کوئی بہانہ نہیں سونج رہا تھا اپنی کی حرکت پر اسے شرم بھی بہت ارہی تھی اور عاصم تو بس شرم کے رنگوں سے بھرا اس کے چہرے پر ہی نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ پھر اس کی شرمنگی کم کرنے کے لیے عاصم بولا چلو جلدی یہ ختم کرو پھر آئسکریم بھی کھانی ہے۔

آئسکریم کا نام سنتے حوریہ تو ساری شرمندگی بھول گئی اور جلدی سے زور زور سے ہاں میں سر ہلانے لگی۔ عاصم نے اس کے سر کے بالوں میں ہاتھ پھرتے بولا چلو پھر جلدی پہلے اسے ختم کرو پھر کیا تھا حوریہ تھی اور حوریہ کی کھانے کی سپیڈ تھی جسے دیکھ عاصم ہنستا ہی چلا گیا۔

عنایہ اناج کچھ گم صم سی اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس بیٹھی تھی زیدان نے کروٹ لیتے جب عنایہ کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے ہاتھ پھیلا تو عنایہ کو وہاں نہ پا

کروہ جھٹ سے آنکھیں کھول اٹھا نظر کمرے میں گھمائی تو اس کے روح کا سکون  
سامنے کھڑکی پر بے سکون کھڑا نظر آیا۔

زیدان بیڈ سے اتر عنایہ کے پاس آیا اور کمرے سے کھنچ اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ جس  
پر عنایہ ایک دم چیخی کیا کر رہے ہیں ڈرا دیا۔ زیدان نے عنایہ کے بال ہٹا اس کی  
گردن پر اپنا چہرہ ٹکا لیا۔ اس کے سانسوں کی تپش عنایہ کی گردن جھلسا رہی تھی  
عنایہ نے اس کے چہرے پر ہاتھ رکھ پوچھا آپ کب اٹھے تو زیدان خمار سے ڈوبی  
آواز میں بولا جب میرا سکون اپنے پاس نہیں ملا۔

عنایہ مری اور دونوں کی آنکھیں ٹکرائیں زیدان کی خمار بھری آنکھوں کا پیغام  
دیکھ جھٹ سے اپنی آنکھوں کی پلکوں کی جھالر گرا لی زیدان کو یہ لمحہ اس قدر دل

کو چھو گیا کہ ایک جھٹکے سے اُس نے عنایہ کی گردن میں ہاتھ ڈال اس کے لبوں پر جھک گیا۔

زیدان کا ایک ہاتھ عنایہ کی گردن اور دوسرا اس کی کمر کے گرد حائل تھا جس سے وہ حل بھی نہیں پار ہی تھی۔ عنایہ اپنا سانس بند ہوتا دیکھ اپنے ہاتھ میں زیدان کے بالوں کو موٹھی میں بھر جھٹکا دیا۔ پر وہ کہاں پیچھے ہونے والا تھا۔

زیدان نے عنایہ کی کمر ہاتھ کی موٹھی میں بھر دباو ڈال جس کا مطلب رسپانس کرنا تھا۔ عنایہ کے لئے اب پیروں پر کھڑا ہونا مشکل لگا تو عنایہ نے زیدان کی گردن میں ہاتھوں کا ہار بنا کر خود کو گرنے سے سنبھالا۔

کافی دیر بعد اپنی تشنگی مٹاتا وہ عنایہ سے پیچھے ہوا۔ دونوں گہرے گہرے سانس لے رہے تھے۔ عنایہ کا اس قدر شدت پر پورا بدن کانپ رہا تھا جسے محسوس کر زیدان نے اسے اپنی باہوں میں اٹھالیا تو عنایہ نے بنا کوئی مذمت کیے اُس کے کندھے پر اپنے سر رکھ اُس کی گردن میں اپنی باہوں کا ہار ڈال لیا۔

زیدان گہرا مسکرایا اور عنایہ کو لیے بیڈ پر لاتے اپنی گود میں بیٹھتا بیڈ پر بیٹھ گیا۔ عنایہ نے آج زیدان کی ضد پر ٹروسر شرٹ کانٹ سوٹ پہن رکھا تھا۔ جس کا ٹروزر عنایہ کی دودھیا پنڈلیوں تک با مشکل آ رہا تھا۔

عنایہ بار بار ہاتھ سے اُسے کھینچ نیچے کر اپنی ٹانگوں کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی اچانک زیدان نے اس کا ہاتھ روک دیا جان زیدی اس سب کا کوئی فائدہ نہیں



- آپ کے پور پور پر میرا حق ہے اپ ایسے خود کو مجھ سے کب تک چھپائیں پائیں گی۔

عنایہ نے زید ان کی بات پر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کاٹنے لگی اس کی اس حرکت کو دیکھ زید ان بولا کتنی بار سمجھنا پڑے گا آپ انہیں تکلیف نہیں دے سکتی۔ اور یہ کہتے ہی وہ دوبارہ سے عنایہ کے لبوں پر جھک گیا اب کی بار عنایہ نے کوئی مذمت نہیں کی وہ جانتی تھی اب اپنی پیاس بوجھا کر ہی پیچھے ہٹے گا۔

دوسری طرف مناہل کو جب ہوش آیا تو اپنے پاس لیٹی حوریہ کو نہ پا کر وہ پریشان ہو گئی۔ اُس کے لیے وہ چھوٹی بچی ہی تو تھی کمرے میں غور کرنے پر مناہل کو صنم بھی نہیں ملی یہ سوچ کر کہ وہ دونوں شاید باہر ہیں مناہل بھی کمرے سے باہر نکل آئی اور ان دونوں کو ڈھونڈنے لگی۔ پر وہ اُسے تب ملتی جب وہ وہاں ہوتی۔

مناہل دونوں کو ڈھونڈتی باہر باغ تک چلی آئی پر اُسے دونوں نہیں ملی مناہل ابھی واپس جانے کے لیے مری ہی تھی کہ اسے کسی کے رونے کی آواز محسوس ہوئی باغ کی خاموشی میں صرف ایک ہچکیوں بھری آواز گونج رہی تھی...

مناہل دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اُس طرف بڑھی، دل کسی انجانے خوف سے دہل رہا تھا۔ جب وہ ایک بڑے درخت کے پاس پہنچی، تو اُسے زمین پر بیٹھا اُسامہ نظر آیا...

چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے، جیسے صدیوں کا بوجھ کندھوں پر ہو۔

"اُسامہ؟"

مناہل کی آواز کانپ رہی تھی... جیسے وہ خود بھی حیرت کے سمندر میں ڈوبی ہوئی ہو۔

اُسامہ نے چہرہ نہیں اٹھایا، لیکن ہچکیوں کی شدت بڑھ گئی۔ وہ اپنے انسوؤں صاف کرنے لگا وہ کسی کو اپنے انسوؤں نہیں دیکھنا چاہتا تھا مناہل کے قدم خود بخود اُس کے قریب چلے گئے۔

وہ اُس کے سامنے جھکی، اور نرمی سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کیا ہوا ہے؟... کیوں رو رہے ہو؟"

اُسامہ نے آہستہ سے چہرہ اٹھایا... آنکھیں سرخ تھیں، چہرے پر نمکین آنسوؤں کی لکیریں۔

اُسامہ نے ہمت کر اُسے تالا کچھ نہیں تم جاؤ  
اُسامہ بولو تو سہی کیا ہوا ہے تم تو ایسے نہیں ہو۔

اُسامہ نے انسوؤں سے بھری آنکھیں اٹھا مناہل کو دیکھ  
"سب چھوڑ کے چلے جاتے ہیں مناہل..."

اُس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا...

"پہلے امی... پھر حور... اب میں بس خالی رہ گیا ہوں..."

مناہل کا دل لرز گیا۔ وہ جو ہمیشہ اُسے شرارتی، ضدی اور جھلا لگا تھا، آج کسی بچے  
کی طرح ٹوٹا ہوا اُس کے سامنے بیٹھا تھا۔ مناہل نے خاموشی سے ہاتھ بڑھا کر اُس  
کا چہرہ تھاما...

"تم خالی نہیں ہو اُسامہ... میں یہاں ہوں۔"

اُسامہ اُسے حیرت سے دیکھنے لگا... وہ مناہل جو کبھی اُس کے قریب آنا پسند نہ کرتی تھی، آج اُس کے زخموں پر مرہم رکھ رہی تھی۔

"مجھے نہیں پتہ تمہیں کیسے سنبھالوں... پر میں یہاں ہوں... اور رہوں گی... جب تک تم ٹھیک نہیں ہو جاتے۔"

یہ الفاظ نہیں تھے، یہ پہلی بار کسی نے اُس کے دکھ کو اپنایا تھا۔

اُسامہ نے دھیرے سے اپنا سر مناہل کے کندھے پر رکھ دیا... اور پہلی بار مناہل نے اُس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے، اُسے سینے سے لگالیا۔

خود سے بھی زیادہ کسی کو تھا منا... شاید یہی محبت کا پہلا قدم ہوتا ہے۔

مناہل کے کندھے پر اُسامہ سر رکھے بیٹھا تھا، جب اچانک اُسامہ کی آواز پھر سے لرز نے لگی۔

"اج کا وہ دن ہے جب میں بالکل اکیلا ہو گیا تھا ایک ہی پل میں میری دنیا خالی ہو گئی"

اس نے نظریں آسمان کی طرف اٹھا دیں۔

"کاش میں بھی اُن کے ساتھ ہی چلا جاتا تو آج تنہائی میرا مقدر نہیں ہوتی"

مناہل خاموشی سے اسے دیکھتی رہی، اور نرمی سے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔



"جب جب روتا تھا تو بابا... جب شام کو تھکے ہارے آتے تھے اور میں دوڑ کر اُن کے گلے لگ جاتا تھا... آج وہ سب یاد آرہا ہے... سچ کہوں مناہل، میں تھک گیا ہوں... بہت تھک گیا ہوں سب کچھ اپنے اندر دفن کرتے کرتے۔"

مناہل نے اُس کی طرف دیکھا، اُس کی پلکیں بھیگ چکی تھیں، پر چہرے پر ایک نرمی اور احساس آگیا تھا۔

"تھکنے کا حق ہوتا ہے... ہر انسان کو... پر ہارنے کا نہیں اسامہ... اور تم تو ویسے بھی بہت ضدی ہو۔"

اسامہ نے ہلکا سا مسکرا نے کی کوشش کی...

"کبھی کبھی سوچتا ہوں، کیا واقعی اتنا ضدی ہوں؟"

مناہل نے اس کی طرف تھوڑا سا جھک کر ناک چڑھاتے ہوئے کہا:

"ضدی؟ تم تو ضد کے سلطان ہو، بادشاہ سلامت!"

اسامہ نے چونک کر اُسے دیکھا... پھر ہنسی دبا کر بولا:

"اوہ ہو، تو اب القابات بھی دیے جا رہے ہیں؟ کیا اگلی ایوارڈ تقریب میں تم

میزبان بھی بنو گی؟"



مناہل نے آنکھیں گھمائیں:

"نہیں، میں تو ایوارڈ لینے آئی تھی سب سے زیادہ برداشت کرنے والی بیچاری

بیوی کا..." یہ کہتے ہی مناہل نے اپنی زبان دانتوں میں دبالی۔

اسامہ نے ایک قہقہہ لگایا... وہ پہلا سچا قہقہہ تھا جو اُس کے لبوں پر آیا تھا بہت

دنوں بعد۔

"بس مناہل... تم مجھے برداشت کر لو... باقی دنیا کی فکر نہیں..."

وہ آہستہ سے بولا۔

مناہل نے اُسے حیرت سے دیکھا... اور پھر ہنستے ہوئے اُس کے بازو پر ایک ہلکی سی چپت ماری۔

"بس اتنا جذبہ ہونا منع ہے!... ورنہ میں پھر سے وہی اٹیتود کوین بن جاؤں گی... اور پھر تم مجھے پیٹنے کے لیے آئس کریم لینے بھاگو گے!"

اسامہ نے آنکھیں سکیرٹے ہوئے کہا:

"آئس کریم صرف تمہارے لیے؟ مجھے کیا ملے گا؟"

مناہل شرارتی انداز میں بولی:

"ایک موکا... وہ بھی اٹیٹیوٹر کوین والا!"

دونوں کی ہنسی گونجی... اور باغ کی خاموشی میں پہلی بار زندگی کی آہٹ سنائی دی۔

اُسامہ اب پہلے سے کافی بہتر محسوس کر رہا تھا۔

اب دونوں خاموشی سے چہل قدمی کر رہے تھے

۔ یاد آنے پر اُسامہ نے مناہل سے پوچھا۔

تم اتنی رات اس طرف کیا کرنے آئی تھی جس پر مناہل کو یاد آیا کہ وہ تو حوریہ کو  
ڈھونڈ رہی تھی۔

اپنے سر پر ہاتھ سے چیٹ لگتی بولی میں تو حوریہ کو ڈھونڈ رہی تھی۔

کیا مطلب ڈھونڈ رہی تھی وہ تمہارے کمرے میں ہی

تو سوتی ہے ہاں پر جب میری آنکھ کھلی تو صنم

اور حوریہ کمرے میں نہیں تھیں اسی لیے تو

اُنھیں ڈھونڈتی ادھر تک چلی آئی۔ تمہارے کہنے

کا مطلب تمہیں پورے خان پیلس میں وہ دونوں

نہیں ملی۔

جس پر مناہل ایک دم پریشان ہوگی اسامہ پتہ

کرو اُنھیں ڈھونڈو کچھ نہیں ہونا چاہئے حوریہ

کو مناہل ریلکس یہاں ہی ہوں گی کہاں جائیں گی

وہ۔ نہیں تم ڈھونڈو پلزم مجھے بہت ٹینشن ہو رہی

ہے۔ اچانک مناہل کو شک ہوا عاصم اسامہ عاصم  
کو پوچھو حوریہ اسی کے ساتھ ہوگی۔

مناہل نے شام اُن دونوں کی باتیں سن لی تھیں  
کہ عاصم اُسے باہر لے کر جائے گا اسامہ اس  
کی پریشانی دیکھ فوراً سے اپنا فون نکلا عاصم کو  
کال ملائی جو پہلی ہی بل پر اٹھالی گئی۔ اُسامہ  
اس وقت خیر سے کال کی حوریہ تمہارے ساتھ  
ہے۔ ابھی عاصم جواب دیتا مناہل نے اُس کے ہاتھ  
سے فون لیا حوریہ کو لا کر گھراؤا بھی۔



ٹھیک ہے لے آتا ہوں وہ آنسکریم کہارہی ہے یہاں  
میری سانس سولی پر لٹکا گئی ہے اور اسے  
اسکریم کی پری ہے تمہیں سمجھ نہیں آیا بھی  
اسی وقت اسے واپس لے کراؤ۔

اور فون بند کر دیا۔ مناہل کیا ہو گیا ہے وہ عاصم  
کے ساتھ ہی تو ہے اتنی گھبرا کیوں رہی ہو۔

کچھ نہیں بس اُس کا ایسے بھائی کو بن بتاے  
باہر جانا سف نہیں ہے ایسا بھی کیا ہے کچھ نہیں  
ہے کہانہ مناہل کوئی تو بات ہے نہ بتاؤ گی نہیں  
تو مسئلہ حل کیسے ہو گا۔ اُسامہ تم بس اتنا سمجھ

لو حوریہ کا بھائی کو بتائے بنا ایسے باہر جانا  
خطرے سے خالی نہیں ہے۔

اُسامہ کئے دماغ کو فوراً کچھ کلک ہوا اُس  
نے سکیورٹی کی گاڑی عاصم کے پیچھے بھیجی  
اور عاصم کو دوبارہ کال کی۔ عاصم اس وقت  
گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور حوریہ مزے سے ساتھ  
سیٹ پر بیٹھی ایسیکریم کھانے میں مگن تھی۔  
عاصم کو محسوس ہوا جیسے کوئی اُن کو فالو کر رہا ہو۔

حوریہ سیٹ بیلٹ لگاؤ کیوں کیا ہوا جو میں کہا

رہا ہوں وہ کرو سیٹ بیلٹ لگاؤ جلدی حوریہ نے

گھبراتے جلدی سے سیٹ بیلٹ لگائی عاصم نے

حوریہ کے بیلٹ لگتے ہی گاڑی کی سپیڈ بڑھا

دی۔ عاصم کیا ہوا آہستہ چالو۔ ابھی حوریہ بول ہی رہی تھی کہ پیچھے سے آتی گاڑی

حوریہ کی

سائڈ پر اگئے اتی۔



گاڑی میں بیٹھے شخص نے گاڑی کا شیشہ نیچے

کیا تو حوریہ کے تو طوطے ہے اٹھ گئے۔ وہ شخص نہایت خباثت سے بولا ہیلو لٹل

بیوٹی اتنی رات

عاشق کے ساتھ کہا جا رہی ہو۔ عاصم کا غصے

سے چہرہ لال ہو چکا تھا اس نے حوریہ کی  
سائڈ سے شیشہ اوپر کر دیا اور مزید رفتار تیز  
کر دی۔

حوریہ ڈر کر کانپ رہی تھی اس کے ہونٹ مسلسل  
دعا گو تھے عاصم۔۔۔ جلدی۔۔۔ جلدی گھر چلو۔۔۔

ابھی حوریہ بول رہی تھی کہ اُس گاڑی نے پیچھے

سے ان کی گاڑی کو ہٹ کیا جس سے حوریہ کا

سر ڈاش بورڈ پر لگنے سے عاصم کے بازو نے بچا

لیا تم ٹھیک ہو۔ حوریہ بہت ڈر گئی تھی

صرف ہاں میں سر ہلا سکی۔

عاصم نے ڈریو کرتے اُسامہ کو کال ملائی۔  
مناہل بہت پریشان ہو گئی اس لیے بنا سوچے سمجھے  
وہ زیدان کو بتانے چلی گئی اُسامہ اسے روکتا بھی  
رہا پر وہ نہ روکی۔ مناہل نے ابھی زیدان کے کمرے  
کا دروازہ بجانے ہی لگی تھی کہ عاصم کی کال  
اُسامہ کو آئی جس کو اُسامہ نے فوراً اٹھایا عاصم  
کی آواز گونج سیکورٹی  
بھجوا اُسامہ لو کیشن جھج رہا ہوں۔

اُسامہ کچھ پوچھتا اُس سے پہلے ہی مناہل اُسامہ  
سے بحث پٹری ان دونوں کی بحث کی آواز سُن

اندر سوے زیدان کی آنکھ کھل چکی تھی اور  
ایک جست میں وہ دروازہ کھل باہر نکل آیا یہ  
کیا ہو رہا ہے زیدان کو دیکھتے ہی مناہل روتے  
ہوئے بتانے لگی۔ بھائی حوریہ۔۔۔ حوریہ کے نام پر  
ہی زیدان پریشانی سے بولا کیا ہوا حوریہ ہو۔

بھائی وہ۔۔۔ گوٹ ڈامٹ بولا کیا ہوا حوریہ کو۔۔۔

اُسامہ نے ہمت کر بتایا کہ وہ عاصم کے ساتھ  
فوڈ سٹریٹ گئی تھی اور اس وقت کوئی اُن کی  
گاڑی پر حملا کر رہا ہے یہ سنتے ہی زیدان کا  
غصہ ساتویں آسمان پر جا پہنچا۔ خان میں



نے سکیورٹی کو بھجا ہے اور عاصم ساتھ ہے اُس  
کے۔۔۔ اُسامہ کا گریبان پکڑوہ چیخا حوریہ کو  
خراش بھی نہیں انی چاہئے۔

یہ کہتے زید ان خود اُن کو بچانے کے لئے باہر کی  
طرف چل پڑا۔ عاصم نے راستہ بدل لیا تھا وہ گاڑی بار بار اُن کی گاڑی کو ٹکرامار  
رہی تھی عاصم کا اب

ضبط جواب دے چکا تھا عاصم نے اپنی گن نکالی  
اور شیشہ نیچے کر پیچھے آتی گاڑی پر فائر کھول  
دیا جس سے اُس کی گاڑی کا ٹائر پنچر ہو گیا۔

وہ شخص فائر کرتا اسامہ کی بھی سکیورٹی  
کی گاڑیاں اچکی تھیں اور انہوں نے اس گاڑی پر  
اندھا دھند فائرنگ سٹارٹ کر دی۔ اپنے بچاؤ کے لیے  
وہ شخص ریورس لیتا وہاں سے بھاگ گیا۔ حوریہ  
بہت ڈر گئی تھی۔ عاصم کی گاڑی کو سکیورٹی  
کی گاڑیوں نے کور کر لیا تھا۔

عاصم حوریہ کی طرف جھکا کچھ نہیں ہوا سب  
ٹھیک ہے ریلکس ہو جاؤ۔۔۔ مجھے گھر سے باہر نہیں  
انا چاہئے تھا اپنی بہت غصہ کرے گی کوئی کچھ  
نہیں کہے گا میں ہوں نہ۔ عاصم نے حوریہ کو

سنجھالا اور گاڑی گھر کے راستے پر ڈال دی۔

عاصم نے اسامہ کو کال ملائی جو زیدان نے

اٹھائی۔ عاصم حوریہ کو کچھ بھی ہوا

میں اپنے ہاتھوں سے تمہاری قبر بنوں گا

عاصم نے ایک ٹھنڈا سانس خارج کیا وہ ٹھیک ہے

ہم گھر آرہے ہیں۔ جلدی۔۔۔ اور اگر سیدھ

مجھ سے ملو۔۔۔ ہم۔۔۔

عاصم نے بس اتنا ہی کہا۔۔۔

حوریہ نے اس کی طرف دیکھ پوچھا کیا ہوا

بھائی بہت غصہ ہیں۔ عاصم نے مسکراتے کہا

آپ سے کوئی بھی کچھ بھی پوچھے تو یہ ہی کہنا کہ میں آپ کے منا کرنے کے  
باوجود آپ کو لے کر آیا تھا۔

حوریہ نے آنکھیں گھمائی میں جھوٹ نہیں بولتی

اور میں بھائی کو سچ ہی باتوں گی کہ آپ

مجھے میری ضد پر لئے تھے حوریہ۔۔۔ عاصم نے

حوریہ کو سمجھنا چاہا پر حوریہ نے صاف انکار کر

دیا کہ وہ اسے بالی کا بکرا نہیں بنے دے گی۔

عاصم مسکرا دیا چلو پھر چل کر دونوں دنٹ

کھاتے ہیں۔ ہم ٹھیک ہے منظور ہے۔۔ زیدان

اُسامہ عنایہ مناہل ہال میں موجود اُن کا انتظار  
کر رہے تھے زید ان کا غصے سے براہال تھا۔ اس  
کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کچھ کر دے عاصم  
کو جو بنا کسی کو بتائے حوریہ کو لے گیا  
باہر وہ بھی اس وقت۔



وہ دونوں جسے ہی ہال میں داخل ہوئے تو  
مناہل بھاگتی حوریہ کے پاس آئی اور اس پر ہاتھ  
اٹھا ہی تھا کہ عاصم نے مناہل کا ہاتھ روک دیا  
خبردار جو اس پر ہاتھ اٹھایا۔ تم کون ہوتے ہو  
مجھے روکنے والے یہ بہن ہے میری۔ بہن ہے

اس لئے کہارہا ہوں ہاتھ نہیں اٹھا سکتی۔

حوریہ ڈر کر عاصم کے پیچھے چھپ گئی تھی۔

زیدان نے نظر اٹھا کر دیکھا تو عاصم حوریہ

کو ایک طرف کرتا زیدان کی طرف چلا آیا۔

زیدان بس خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اور عاصم سر جھکائے کھڑا تھا۔

ہال میں مکمل خاموشی چھا چکی تھی۔

زیدان نے گہری سانس لی اور عاصم کی

طرف قدم اٹھائے۔ زیدان کو عاصم کی



طرف جاتے دیکھ حوریہ کو لگا وہ عاصم کو

ماریں گے تو حوریہ بھاگتی ہوئی عاصم

کے آگئے اکھڑی ہوئی اور بولنے لگی ان کا کوئی

قصور نہیں ہے مجھے ہی فوڈ سٹریٹ کھانا تھا

میں نے ہی ضد لگائی تھی آپی مجھے جانے

نہیں دیتی اس لیے ان کے ساتھ چلی گئی۔

عاصم نے حوریہ کو منع کرنا چاہا پر وہ حوریہ

تھی اس کو چابی ایک بار لگ جاے تو پوری ہونے

پر ہی روکتی تھی۔ حوریہ نے زید ان کا ہاتھ

پکڑا اور بولی بھائی سوری نہ میری غلطی ہے

نہ مجھے نہیں جانا چاہئے تھا پر کیا کروں  
پیٹ کو فاسٹ فوڈ کی بہت بھوک لگی تھی  
حوریہ اپنے پیٹ پر گول گول ہاتھ گھماتی  
بتا رہی تھی

جسے دیکھ زیدان بھی مسکرا دیا اور اگر تمہیں  
کچھ ہو جاتا پتا ہے نہ کتنی مشکل سے مناہل  
تمہیں بچا کر یہاں لی تھی حوریہ کمر پر ہاتھ  
رکھ ایک ادا سے بولی "ارے ایسے کیسے کچھ  
ہو جاتا عاصم ساتھ تھے نہ بھلا وہ مجھے  
کچھ ہونے دیتے اس کی اداؤں کو دیکھ

عاصم بھی مسکرا دیا

زیدان نے اس کے سر پر ایک چپت لگائی

دادی اماں خبردار جواب بن بتائے گھر سے

باہر نکلی۔ ہر بار معاف نہیں کروں گا۔ اس کے سر پر ہاتھ رکھتا زیدان مناہل کو

بولا مجھے میرے

سٹڈی میں ملو۔ اُسامہ سمجھ گیا کہ مناہل

کا ایسے ہاتھ اٹھنا زیدان کو اچھا نہیں

لگا اور اب مناہل کی

کلاس ہونی تھی۔

زیدان کے جاتے ہی حوریہ موڑی اور کان  
پکڑ کر مناہل کو سوری بولا جس پر وہ اسے ہاتھ سے پیٹای کا اشارہ کرتی زیدان کی  
سٹڈی کی

طرف چلی گئی۔ اُسامہ آگئے آیا اور عاصم سے

پوچھنے لگا تو ٹھیک ہے نہ ہاں ٹھیک ہوں اسامہ

حوریہ سے مخاطب ہوا تو چھوٹی دنیا

مزہ آیا پھر سٹریٹ فوڈ کہا کر جس پر وہ آگئے

جھکتی ذرور زور سے سر ہلاتی

خوشی کا اظہار کرنے لگی۔

سٹڈی روم کے باہر پہنچ مناہل نے گہرا سانس لیا

اور ہمت کرتی دروازہ کھول اندر چلی گئی۔

زیدان اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا منابل کو آتا

دیکھ نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

کیا میں جان سکتا ہوں اس طرح سب کے سامنے

حوریہ پر ہاتھ اٹھنے کا مطلب۔

بھائی میں ڈر گئی تھی۔



تو اس کا مطلب تم دماغ سے سوچنا بند کر دو۔

نہیں بھائی میرا وہ مطلب نہیں تھا

میں ڈر گئی تھی اسے کچھ ہو جاتا۔

اُسے کچھ نہیں ہوتا مجھے یقین تھا

اسے کچھ نہیں ہوگا عاصم اپنی جان پر کھیل جاتا

اُسے کچھ نہ ہونے دیتا۔ عاصم میرے لئے

بھائیوں کی طرح ہیں اور حوریہ بچی ہے

نادان ہے ابھی وہ بچی ہو کر اس برے انسان

کا ڈر خود پر حاوی نہیں ہونے دیا۔

تمہارے اس طرح کرنے سے

اس کے دماغ پر غلط اثر پڑے گا۔

سوری بھائی اگتے سے ایسا نہیں ہوگا

مناہل تم بڑی ہو اور میں امید کرتا ہوں کہ

تم سمجھداری کا مظاہرہ کرو گی۔ حوریہ کی



ذمداری میری ہے اور میرے ہوتے اُسے کوئی کچھ

نہیں کر سکتا۔ مناہل سر جھکے ہی بولی جی

بھائی آگئے سے خیال کروں گی ٹھیک ہے

جاؤ آرام کرو۔

اُسامہ کو یاد آیا کہ مناہل حوریہ اور صنم کو

ڈھونڈ رہی تھی اس نے حوریہ سے پوچھا صنم

کہاں ہے جس پر عاصم بولا اس کا مجنوں اُس

کو اپنے کمرے میں لے گیا ہے اور اُسامہ کا منہ

کھلا ہی رہ گیا زید ان کو پتا چلا تو پولیس کی

انیٹ سے اینٹ بجا دے گا

عاصم نے اپنے کندھے اٹھا دیے

مناہل کو سٹڈی سے باہر اتادیکھ حوریہ اس کی

جانب بھاگی جس پر مناہل نے غصے سے اسے دیکھا

اور وہیں روک دیا آپی۔۔۔ چپ۔۔۔ اپنے اس عاصم

چیتے کے پاس ہی جاؤ وہ یہ کہتی وہاں سے

واک اوٹ کر گئی حوریہ اُداس ہو گئی تھی

تو اُسامہ سر ہلاتا اس کے پاس آیا تھماری بہن

کا تھوڑا سکر وڈھیلا ہے ٹھیک ہو جائے گی

تو حوریہ اُسامہ کو گھورتی بولی خیال کرنا کہیں

آپ کے سکرو نہ ٹائیٹ کر دے اس کی بات پر

عاصم کا زوردار قہقہہ گونجا جس کو دیکھ اسامہ

اسے مارنے اس کے پیچھے بھاگا۔ سالے تیری وجہ

سے میری ڈیٹ بھی خراب ہو گئی انج تجھے میں

نہیں چھوڑتا۔



زیدان کمرے میں واپس آیا تو نظر بستر پر لیٹی

اپنی بیوی پر گئی تو وہ مسکرا دیا اس کے پاس

بیٹھ عنایہ کے چہرے پر ائی اور ابالوں کو اپنی

انگلی پر لپیٹ کان کے پیچھے کیا زیدان کی نظر

عنایہ کی گردن پر دیئے اپنی سوغاتوں پر پری تو

جھک کر وہاں اپنے لب رکھے

آپ کے بدن کے ہر حصے کو میں اپنی شدتوں سے

مہکنا چاہتا ہوں آپ میری اندھیری دنیا میں

روشنی بن گی ہیں آپ کو خود سے کبھی

جدا نہیں ہونے دوں گا۔ یہ کہتے زیدان نے

جھک کر عنایہ کے لبوں پر ہلکی سی جسارت کی

جس سے عنایہ کسمکی۔ زیدان وہیں اُس کے پاس

لیٹا اُسے اپنے سینے پر منتقل کرتا

خود بھی نیند کی ودی میں اتر گیا۔

اگلی صبح کادن کی کر نیں پھیل چکی تھیں۔ زیدان کی آنکھ کھلی تو اپنے سینے پر سوتی  
عنایہ کو دیکھ اس کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی اس کے ہاتھوں کی انگلیاں عنایہ  
کے بالوں میں اُجھی ہوئی تھیں۔ عنایہ کی مدھم چلتی سانسیں زیدان کی دل  
دھڑکنوں میں طوفان برپا کر رہی تھیں۔

عنایہ نے کروٹ لی تو سورج کی روشنی اس کے چہرے کے رحوں کو بھی واضح  
کر گئی جنہن دیکھ زیدان کا دل ڈوب کر اُبھرا۔ زیدان آگئے جھکتا اس کی بند  
آنکھوں کی پلکوں سے کھیلنے لگا۔ عنایہ کا چہرہ سورج کی روشنی میں اور بھی پور نور  
لگ رہا تھا۔ جیسے دیکھ زیدان کا دل پسلی توڑ کر باہر آنے کو بے چین ہو رہا تھا۔

اپنے چہرے پر مسلسل چلتے انگلیوں کے لمس سے عنایہ نے ہولے سے پلکوں کی جھالر آٹھ اپنے اوپر جھکے زیدان کو دیکھنے لگی۔ اس کو دیکھ عنایہ کو زیدان کی رات والی گیسٹاخیاں یاد آئیں تو عنایہ نے فوراً سے بلا نکت کو کھینچ کر سر تک خود کو شرماتے چھپا لیا۔ اس کی اس مصوم ادا پر زیدان کا دل صدقے وری جا رہا تھا۔

زیدان نے ہاتھ سے اس کے چہرے سے بلا نکت کھینچ دُور کیا ایسے چھپنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اپ کیوں اسی حرکتیں کرتی ہیں کہ میرا دل کرتا ہے اپ کو پورے کا پورا کھا جاؤں۔ اس کی بات سن عنایہ کا چہرہ خون چھلکنے کی حد تک سُرخ ہو گیا۔ اس کے چہرے پر چاہیے شرمات کے رنگ دیکھ زیدان اس پر جھک اس کے لبوں پر ہلکی میٹھی سی جسارت کرتا پیچھے ہوا۔



چالیں میری متاح جان ریڈی آٹھ جائیں اس سے پہلے کے میرا ارادہ بدلے اور  
میں سارے دن کے لیے آپ کو اپنی باہوں میں قید کر لوں جلدی سے ناشتے کے  
لئے تیار ہو جائیں۔ جس پر عنایہ جان بخشی کا پروانہ ملتے ہی پھدک کر بیڈ سے اتر  
واٹر روم میں بھاگ گئی اس کی پھرتی دیکھ زیدان کا زوردار قہقہہ گونجا۔

خان پیلس کے علی شان دینگ ہال میں آج ماحول بہت خوشگوار تھا۔ سب ہی  
کے چہرے تازگی سے چھک رہے تھے۔ روز کی طرح عنایہ زیدان کے لئے کافی  
کا لگ تیار کر رہی تھی۔ زیدان اب صرف اسی کے ہاتھ کی بنی کافی پتا تھا۔ زیدان  
نے عنایہ کی پلیٹ میں بریڈ کا سلیر رکھتے صنم سے پوچھا صنم رات یہاں روکنے  
میں کوئی پریشانی تو پیش نہیں آئی۔

زیدان کے سوال پر ظفر کو تو غوطہ ہی لگ گیا۔ صنم پریشانی سے ظفر کی کمر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ زیدان نے اپنی امڈتی ہنسی کو چھپانے کے لیے کافی کاغذ اپنے لبوں سے لگا لیا۔ وہ رات ہی لڑکیوں کے کمرے کی راہداری کی فوٹیج دیکھ چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ صنم کل رات ظفر کے ساتھ ہی تھی۔

سب اپنی اپنی ہنسی چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ صنم کا تو شرم کے مارے منہ ہی جھک گیا۔ منا حل نے صنم کا شرم سے لال ہوتا چہرہ دیکھ اسے چھیڑا لگتا ہے صنم رات بہت خوبصورت نیندائی ہے۔ جس پر سب ہی ہنستے ہوئے سرگوشی کرنے لگے۔ ان سب کو ایسے بولتے دیکھ زیدان نے میز پر گلاس نوک کرتے سب کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

اب جب سب ہی یہاں موجود ہیں تو میں کچھ باتیں کلیئر کرنا چاہتا ہوں۔ خاص کر ظفر اور عمار یہ بات تم دونوں سے جو رے زید ان کی بات پر سب ہی اب سنجیدگی سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ زید ان نے عنایہ کی طرف دیکھ مسکراتے ظفر کو مخاطب کیا۔ میں سب پر یہ واضح کر دوں میں ناجائز رشتوں کے حق میں کبھی بھی نہیں ہوں۔

اور کل رات جس طرح عاصم اور ظفر تم دونوں لڑکیوں کو اُن کے کمرے سے لے کر گئے یہ بہت ہی نامناسب حرکت تھی۔ اور اپنے گھر میں اس طرح کی کوئی بھی بے ہدا حرکت کو میں برداشت نہیں کروں گا۔ صنم ایشال میں نے تم دونوں کے لیے بڑے بھائی کی حیثیت سے ایک فیصلہ کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ تم دونوں کو اس سے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

زیدان کی بات سن ظفر فوراً بولا کیسا فیصلہ! اس کے سوال پر زیدان نے اسے گھوری سے نوازا۔ ظفر مجھے نہیں پتہ تھا تمہارا دوسرا نام صنم ہے۔ اس کی بات پر سب ہی ہنس پرے۔۔۔۔۔ ظفر کچھ بولتا اس سے پہلے ہی زیدان بول اٹھا میں پہلے بات پوری کر لوں۔

ہاں تو میں یہ کہارہا تھا یہ فیصلہ تم لوگوں پر تھوپا نہیں جا رہا ہاں یا نہ کرنے کا مکمل حق ہے تم دونوں کے پاس پر مجھے ابج فائنل جواب چاہئے۔ اب سب ہی سنجیدہ ہو چکے تھے۔ کچھ لمہوں کی خاموشی کے بعد زیدان بولا۔ میں نے تم دونوں کے لیے عمار اور ظفر کو باحیثیت شوہر چنا ہے کیا تم دونوں کو یہ منظور ہے۔

ظفر اور عمار تو پھولے نہیں سمارہے تھے زیدان نے ان کے دل کی بات بول دی تھی۔ عنایہ مسکراتے ہوئے بولی بولودونوں یہ موقع پھر نہیں ملے گا۔ جس پر

صنم نے ظفر اور ایشال نے عمار کی طرف دیکھا تو زید ان بولا ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے انہیں کیسے سیدھا رکھنا وہ میرا کام ہے مجھے تم دونوں کا فیصلہ جانا ہے۔

جس پر ان دونوں نے آنکھوں میں نمی لیے ہاں میں سر ہلا دیا یہ دیکھ ظفر تو خوشی سے چیخ ہی اٹھا زید ان کی گھوری نے ظفر کو واپس کر سی پر بیٹھیا اور زید ان بولا ٹھیک ہے اگر تم دونوں کو کوئی اعتراض نہیں تو کیا کہتی ہیں آپ اس انے والے جہمہ میں انہیں ایک نکاح میں بندھ دیں زید ان نے عنایہ کا ہاتھ پکڑا اس سے پوچھا۔

تو عنایہ شرارت سے بولی زیدی جب میاں بیوی راضی ہیں تو پھر کیا کرے گا قاضی جس پر فوراً سے حوریہ بولی نکاح کروائے گا۔ عاصم کو حوریہ کی ادا پر جی

جان سے پیار آیا۔ تو پھر ٹھیک ہے اس نے والے جمعہ کو ظفر صنم، عمار ایشال کا نکاح ہے سب خوشی سے تالیاں بجانے لگے تو زید ان کی اگلی بات نے عمار اور ظفر کی خوشی پر پانی پھیر دیا لیکن۔۔۔ لیکن۔۔۔ یہ نکاح ہونے تک میں تم دونوں کا لڑکیوں سے ملنا مننا ہے۔

بھائی، خان دونوں ایک ساتھ ہی بلبلا اٹھے ظفر بولا یہ کیا بات اب تو ایسے کرے گا عمار بولا یہ ظلم ہے۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے جو نہیں مناس کا نکاح کنسس۔۔۔ ابھی زید ان کا لفظ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ دونوں چیخ اٹھے نہیں نہیں۔۔۔ نہیں نہیں۔۔۔ ہمیں منظور ہے گوڈ۔۔۔ چلو پھر لگ جاؤ سب تیاری پر



سب ہی بہت ایکسائٹ ہو گئے تھے بہت وقت بعد خوشیاں اُن کے درپرائی تھیں۔ سب ہی خوش تھے لڑکیوں کی تو شاپنگ کی لسٹ کی چیزیں ابھی سے بھر گئی تھیں۔ عنایہ زیدان کے اس فیصلے پر بہت خوش تھی وہ خود کو دنیا کی خوش نصیب عورت تسلیم کر چکی تھی جس کی جھلی میں اللہ تعالیٰ نے اس کے برسوں کے زخموں کے مرہم کے لئے زیدان کو اُس کی جھلی میں ڈال دیا۔ وہ دل ہی دل میں اپنے رب کا شکر ادا کر رہی تھی۔

ناشتے کے بعد سبھی لڑکے آفس اچکے تھے اگلے جمعہ سے پہلے انہیں کافی کام ختم کرنا تھا۔ تبھی تو اُس دن کی خوشیوں کا لطف اٹھا سکتے تھے۔

آفس کا ماحول بہت ہی سنجیدہ تھا، بڑی بڑی اسکرینز پر سبھی لڑکے سسٹمز پر کام کر رہے تھے۔ زیدان اپنی بلیک لیڈر کرسی پر بیٹھے کسی فائل پر کام کر رہا تھا۔ باتوں

باتوں میں اُسامہ کو اتنا سنجیدہ ماحول کچھ پسند نہیں آتا تو اپنے دماغ میں ائی سوچ وہ سب کو بتاتا ہے۔

میں کیا سوچ رہا تھا ہمارے لڑکوں کو اب قید بامشقت ہونے لگی ہے کیوں نہ اس سے پہلے تھوڑا ہلا گلہ ہو جائے جس پر سب ہی کو لگات بات تو سہی ہے عاصم بولا اُھم --- شکل تو ہونا چاہئے کیوں خان؟...

عاصم کے زیدان سے پوچھنے پر عمار مسکراتے ہوئے بولا "یار مجھے تو لگتا ہے زیدان بھائی اب پہلے والے زیدان نہیں رہے... شادی کے بعد رومانس میں پھنس گئے ہیں۔" عاصم ہنسی روکتے ہوئے بولا۔ "ہاں بھائی... پہلے زیدان خانزادہ کا نام سن کر لوگ کانپتے تھے... اب عنایہ بھابھی کے لیے پھول اور چاکلیٹ لاتے ہیں!"

زیدان انہیں سخت نظروں سے گھور رہا تھا۔

"بہت زیادہ نہیں بول رہے ہو تم لوگ..."

ظفر ہنستے ہوئے بولا:

"اب تو بھائی کے لیے بیچلر پارٹی کا آئیڈیا بھی آؤٹ ڈیٹڈ ہو گیا ہے... شادی شدہ

مرد پارٹی کہاں کرتے ہیں؟"

اُسامہ نے بھی اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھا "ہاں بھائی... آپ اب بوڑھے

ہو گئے ہیں... عنایہ بھابھی نے زیدان خانزادہ کو ریٹائر کر دیا!"

سب لڑکے زور زور سے ہنسنے لگے۔ زیدان ایک لمحہ خاموشی سے ان سب ایک

نظر دیکھتا ہے، پھر آہستہ سے کوٹ اتارتے ہوئے، آستینیں چڑھاتے وہ خاموشی

سے اٹھ کر ان کی طرف اتا ہے... زید ان کے چہرے پر سنجیدہ ہوتی ہے اور لہجے میں حرا نگہ ہوتی ہے

"بوڑھا؟ میں؟ تم سب مجھے بوڑھا کہہ رہے ہو؟"

ظفر تھوڑا گھبرا کر بولتا ہے

"نہیں بھائی... وہ تو بس مذاق تھا... "ٹھہم مذاق اچھا تھا بہت اچھا تھا۔"

زید ان ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گردن اگرتے کہتا ہے

"کئی لڑکیاں آج بھی مجھ پر مرتی ہیں۔ تم سب کی مل کے بھی جتنی فین فالوئنگ

نہیں ہوگی، اتنی تو میری صرف ایک نظر پر پاگل ہو جاتی ہیں!"

عمار زید ان کی اس ادا پر چونکنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے

"تو پھر بھائی... پھر تو آپ کو بچلر پارٹی کا پورا حق ہے۔" زیدان مسکراتے ہوئے

اپنی روح کے سکون کا عکس خیال میں رکھتے بولتے ہے

"مگر مجھے فرق نہیں پڑتا۔ جب میرے دل کی ملکہ صرف ایک ہے... عنایہ

زیدان خانزادہ۔ تو کوئی کتنا ہی مجھ پر مرٹے مجھے اس سے کوئی لینا دینا نہیں"

سب لڑکے کچھ لمحے کے لیے خاموش ہو جاتے ہیں، زیدان کو عزت سے دیکھتے

ہیں۔ فضاء میں ہلکی سی جذباتی کیفیت بھر جاتی ہے۔ پھر زیدان ایک آنکھ مارتے

ہوئے... زیدان چٹکے دار انداز میں کہتا ہے۔

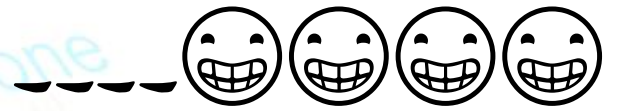
"لیکن پارٹی ہوگی... باس کے لیول کی! ایک دن کے لیے پرانے زیدان کو

واپس بلانا پڑے گا۔ لیکن رولز میں سیٹ کروں گا!"

سب لڑکے پر جوش انداز میں چیختے ہیں

"ہیسیسی باس! یہ ہوئی کی نہ بہترین بات" اب سب ہی اپنی اپنی چوائس اور چیزوں کی ڈیمانڈ زیدان کے آگے رکھتے ہیں ان کی ایکسیٹمنٹ دیکھ زیدان کہتا ہے کول ڈاؤن بوائز! سب ہو گا یہ بچو لار پارٹی یاد گار رہے گی۔

کیوں ریڈرز آپ سب کو تو پتہ ہی ہو گا اب یہ تو وقت ہی بتائے گا یاد گار رہے گی یا سب لڑکیاں رات میں دن کا سورج ان سب کو دیکھا دیں گی۔



اُدھر لڑکیوں نے دے دندان شاپنگ پر کمر کس لی تھی۔ عنایہ اور مناہل کو زیدان نے شادی کی مکمل تیاری کا اختیار دے دیا تھا۔ عنایہ سب کچھ بہت اچھے سے کرنا چاہتی تھی جو خواب وہ اپنی دفعہ پورے نہیں کر سکی وہ اب پورے کرنا چاہتی تھی۔



لڑکیوں نے شاپنگ کے لیے مختلف اسٹورز کا رخ کیا، جہاں عنایہ اور مناہل نے ہر چیز کا باریک بینی سے جائزہ لیا۔ عنایہ کی آنکھوں میں خوشی کی چمک تھی، وہ چاہتی تھی کہ صنم اور ایشال کی شادی کی تقریب ہر لحاظ سے بہترین ہو۔ مناہل نے بھی عنایہ کی مدد کرتے ہوئے مختلف ڈیزائنز اور رنگوں کا انتخاب کیا۔ دونوں نے مل کر اپنی پسند کی چیزیں خریدیں، جس سے ان کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

دوسری جانب، زیدان اور لڑکے اپنی پارٹی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ زیدان نے سب کو مختلف ذمہ داریاں سونپ دی تھیں تاکہ پارٹی کی ہر تفصیل پر خاص توجہ دی جاسکے۔ اس نے لڑکوں کو ہدایت دی کہ پارٹی میں کوئی کمی نہ رہے۔

جائے اور ہر چیز بہترین ہو۔ زیدان کی قیادت میں سب نے مل کر پارٹی کی  
تیار یوں کو حتمی شکل دی۔



یہ منظر دبئی کے ایک پُر کیف حصے کا ہے جہاں آسمان کو چھوتی عمارتوں کے نیچے  
ایک نہایت لگژری کلب ہے۔ کلب کی عمارت ریڈ اور بلیو نیون لائٹس سے  
جگمگاتی خاص لوگوں کی دنیا کی پہچان بتا رہی تھی۔ کلب سے باہر آتی ہلکی بیس پر  
چلتی میوزک کی لہریں، روشنیوں میں نہایا کلب اپنی پہچان کا منہ بولتا ثبوت تھا۔  
ہر کچھ لمحوں بعد مہنگی گاڑیاں کلب کے باہر روکتی اور ان میں سے شہر کے اعلیٰ

پائے کے لوگ سوٹ بوٹ پہنے ریڈ کارپٹ سے گزرتے کلب میں داخل ہو رہے تھے۔

ایک بلیو سپورٹ کار ہوا کو چیرتی کلب کے گیٹ پر رکتی ہے۔ گاڑی کا دروازہ کھولنے پر گرے کلر کی فٹنگ شرٹ جس میں مسلز اپنی خوبصورتی کا منہ بولتا ثبوت تھے، بلیک پینٹ میں اسامہ نے گاڑی سے باہر قدم رکھا۔ گاڑی کی دوسری جانب سے عاصم رویل بلیو شرٹ، بلیک پینٹ، بلیک کوٹ پہنے چمچاتے بوٹوں کے ساتھ کلب کے ریڈ کارپٹ پر قدم رکھتا ہے۔

اسامہ اور عاصم ایک دوسرے کو دیکھ کر دل میں طوفان برپا کر دینے والی مسکراہٹ ایک دوسرے کی جانب اچھالتے ہیں۔ ان کے پیچھے ایک بلیک رینج روور آکر رکتی ہے جس میں سے "مہراں کلر ٹوپس سوٹ وید بلیک شرٹ پہنے

ظفر گاڑی سے نکل کر اپنا کوٹ کا کالر سیٹ کرتا ہے۔ اسی بلیک رینج روور سے عمار  
وائٹ شرٹ وید آسمانی رنگ کا کوٹ اور بلیو جینز پہنے اپنی کلائی پر گھڑی کو گھومتے  
گاڑی کی کیز کار پار کر کی جانب اچھالتا ہے۔

یہ چاروں اپنی گاڑیاں پارکنگ ایریا میں بھینچنے کے بعد اس اعلیٰ شان کلب پارٹی  
کی جان یعنی زیدان خانزادہ کا انتظار کر رہے تھے۔ جب اُسامہ سے انتظار نہ ہو سکا  
تو اپنی کلائی پر پہنی آئی فون واچ کو دیکھتے بولا، "لگتا ہے آج خان کا کلب کی  
لڑکیوں کو خود کے لیے پاگل کرنے کا ارادہ ہے۔"

"ابھی اسامہ بول ہی رہا تھا کہ ایک وائٹ روئل روز کی چمک نے سب کو اپنی  
طرف متوجہ کر لیا۔ گاڑی سے ڈرائیور لمحے کے ہزاروں حصے کی تیزی سے باہر  
آتے گاڑی کی بیک سیٹ کا گیٹ کھلتا ہے۔ گاڑی کا گیٹ کھولنے پر بلیک چمکتے برانڈ

لاگو کے بوٹ کلب کے ریڈ کارپٹ پر اپنی پوری شان سے قدم رکھتا زیدان خانزادہ فل بلیک گریس تھری پیس سوٹ پہنے اپنا کوٹ کا بٹن کھولتا گاڑی سے باہر آتا ہے۔

ہاتھ میں پہنی برانڈ گھڑی اپنی اعلیٰ قیمت کی چمک کے ساتھ اپنے مالک کی روب دارپر سنیلٹی کا پتہ دے رہی تھی۔ چہرے پر وہی مغرور کشش، آنکھوں میں وہی وحشت کی چمک لیے زیدان خانزادہ کلب کے سامنے کھڑا اپنی پر سنیلٹی کی مکمل دھاک بٹھا چکا تھا۔

ہر کسی کی نظر اسی پر جم گئی تھی۔ وہ اونچا قد، بھرپور مردانہ وجود لیے خوبصورتی کے سارے ریکارڈ توڑ چکا تھا۔ اس کی تیاری اور پر سنیلٹی دیکھ سب ہی داد دینے پر مجبور ہو گئے۔

زیدان کے آتے ہی سب لڑکے اس کی سربراہی میں ریڈ کارپٹ سے گزرتے اج کی سجائی شام کا مزہ لینے کلب کے مین گیٹ کی طرف بھرتے ہیں کلب کے اندر قدم رکھتے ہی جیسے ایک نئی دُنیا نے آنکھیں کھول دیں۔

شیشے کی دیواروں سے گھرا، چھت سے جھولتے کر سٹل لیمپ، نیون بلیو اور پریل روشنیوں کی چمک، اور ساؤنڈ سسٹم پر چلتی ڈیپ بیس میوزک کی دھڑکن — پورا ماحول ہوش اُڑانے کو کافی تھا۔

کلب کے درمیان واقع بڑا سا ڈانس فلور، جہاں لڑکے اور لڑکیاں مغربی دھنوں پر جھومتے، ہنستے، قہقہے لگاتے اپنی مست دنیا میں گم تھے۔



فلور کے چاروں طرف لکڑی صوفے، رنگین ٹیبلز اور کریسٹل گلاسز میں  
soft drinks اور juices رکھے تھے۔

DJ booth پر کھڑا مشہور عرب DJ میوزک میں جان ڈال رہا تھا۔ اس  
کی فنگر سلائیڈز اور ٹرن ٹیبل کی گردش سے بیٹ □ کی شدت اور تیزی بڑھتی  
جارہی تھی۔

ہر تھرکتے قدم پر لائٹس کارنگ بدلتا، اور ہر گھومتے وجود کے ساتھ موسیقی کی  
گوںج دلوں کی دھڑکنوں کو بڑھاتی۔

VVIP سیکشن الگ سے گولڈ اور بلیک تھیم پر ڈیزائن کیا گیا تھا۔

لمبے پردے، لیڈر صوفے، سونے کے کٹ ورک والے ٹیبلز، اور ہر کونے میں لگے خوشبو والے diffuser... پورا سیکشن شاہانہ انداز سے سجا تھا۔

اسی VVIP سیکشن کی جانب جیسے ہی زیدان خانزادہ اور اس کے دوست بڑھے، سیکیورٹی نے باقی ہجوم کو سائیڈ میں کر دیا۔

زیدان خانزادہ نے اپنے ہاتھ میں سلگتی سگریٹ تھامی، اور ایک نظر ماحول پر ڈالی۔

اس کے چہرے پر وہی خاموش مغرور مسکراہٹ تھی، جو دلوں کی دھڑکن اور دشمنوں کا خوف بن جاتی تھی۔

اُس کے بیٹھتے ہی ویٹر حاضر ہو گیا، مگر گلاس میں شراب نہیں، صرف ایک imported non-alcoholic energy drink پیش کی گئی۔

زیدان نے دھواں فضا میں چھوڑتے ہوئے ویٹر کو دیکھا اور کہا:

"رکھ دو۔۔ اور لڑکوں کو بیٹھنے کو بولا۔۔"

یہ کہہ کر اُس نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لیا، اور لاؤنج کی چھت کو دیکھتے ہوئے خاموش بیٹھ گیا۔ جیسے ہر چیز پر حکومت صرف اسی کی ہو۔

کلب کے VVIP لاؤنج میں بیٹھے زیدان اور اس کے دوستوں کی ہنسی مذاق جاری تھی۔

"یار زید ان بھائی کی تو آج ویسے ہی انٹری نے دل جیت لیا... اب دیکھنا، آدھی لڑکیاں تو بس انہی کو گھور رہی ہیں!" اسامہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

عمار نے آنکھ مار کے بولا، "بھائی اب ایسی پر سنیلٹی ہو تو کم سے کم دل تو ہل جائے گا ناہر کسی کا!"

ظفر قہقہہ لگا کر بولا، "اور زید ان بھائی تو ویسے بھی نظر مارنے کے قائل نہیں، سیدھا دل پروار کرتے ہیں!"

سب ہنس رہے تھے کہ اچانک عاصم کی فون کی اسکرین چمکی۔ حوریہ کی کال تھی۔

"ایک منٹ یار... کہہ کر عاصم تھوڑا سائیڈ پر آیا، لیکن کلب کے تیز بیس میوزک کی آواز اُس کی پشت سے واضح آرہی تھی۔

"ہیلو؟" حوریہ نے فون پر کہا،

"تم کہاں ہو؟ پیچھے سے یہ شور کس چیز کا ہے؟"

عاصم ہچکچا گیا، زبان لڑکھڑائی،

"بس۔۔۔ ہم سب۔۔۔ کلب آئے ہوئے ہیں۔ کوئی کام تھا"

یہ سننا تھا کہ دوسری طرف حوریہ کا رنگ ہی اڑ گیا۔

"کلب؟!!!"

فون بند ہوتے ہی حوریہ بنا وقت ضائع کیے نیچے ہال میں پہنچی، جہاں سب

لڑکیاں بیٹھ کر شاپنگ کے سامان دیکھ رہی تھیں۔

"بھا بھی! بھا بھی!!!" وہ دوڑتی ہوئی آئی۔

"کیا ہوا حوریہ؟" عنایہ نے چونک کر پوچھا۔

حوریہ ہانپتے ہوئے بولی:

"بھابھی! بھائی۔۔۔ اور سارے لڑکے۔۔۔ ہمیں شاپنگ پر لگا کر خود کلب چلے گئے۔۔۔ لڑکیوں کو گھورنے!"

عنایہ کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔

"نہیں! میرے زید ان ایسے نہیں ہیں۔۔۔ وہ غلط کام نہیں کرتے۔۔۔ کسی اور عورت کو تو چھوڑو، وہ نظریں بھی نہیں اٹھاتے۔"

اسی وقت مناہل نے مسکراہٹ دبا کر جلتی پر تیل ڈالا،

"بھابھی... آپ بہت معصوم ہیں۔ لڑکے تو۔۔۔ بس لڑکے ہوتے ہیں۔ گھر میں بیوی، باہر آٹم!"



عنایہ نے ہونٹ بھینچے، مگر یقین نہیں آیا۔

تبھی عاصم کی طرف سے حوریہ کے فون پر ایک ویڈیو آئی۔

"یہ دیکھیں بھابھی!" حوریہ نے ویڈیو عنایہ کو دکھائی، جس میں کچھ لڑکیاں زیدان اور اُس کے دوستوں کے آس پاس گھوم رہی تھیں، قہقہے لگا رہی تھیں۔ عنایہ کی آنکھوں سے یقین کا رنگ چھن گیا۔

اُس نے لرزتی انگلیوں سے زیدان کو کال ملائی۔

زیدان نے کال اٹھائی، پیچھے سے بیس کی آواز صاف سنائی دی۔

"زیدان۔۔۔ آپ کہاں ہیں؟"

اس کے سوال پر زید ان سوچ میں پڑ گیا وہ اسے سچ نہیں بتا سکتا تھا وہ اس کی بیوی تھی کیا سوچے گی وہ۔۔۔

زید ان نے چہرے کے تاثرات چھپاتے ہوئے جواب دیا:

"میٹنگ میں ہوں۔"

یہ سن کر عنایہ کے ہاتھ سے فون گرا،

وہ صوفے پر گر کر رونے لگی۔۔۔ جیسے اندر کچھ ٹوٹ گیا ہو۔

اتنے میں ایشال آگے آئی،

"بھابھی۔۔۔ ایسے رونے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اگر وہ ہمیں بتا کر نہیں گئے تو ہم

بھی بتائے بغیر جائیں گے!"

عنایہ نے اُسے حیرانی سے دیکھا۔

صنم نے بڑھ کر کہا،

"ہاں عنایہ! آج ہم انہیں بتائیں گے کہ ہم کسی بھی لڑکی سے کم خوبصورت نہیں۔"

منابل نے آنکھ مار کر کہا،

"تو پھر تیار ہو جاؤ... آج کی رات، لڑکیوں کی خوبصورتی اور لڑکوں کی بربادی کے نام!"

پہلے عنایہ ہچکچائی، مگر پھر آنکھوں سے آنسو صاف کرتی، آہستہ سے بولی:

"چلو۔۔ آج ہم بھی چلتے ہیں۔ میں بھی تو دیکھو ایسا کیا ہے وہاں جو گھر کی بیوی میں نہیں ہے۔"

کچھ دیر بعد کلب کی پر شکوہ اور چمکتی روشنیوں میں جب تیز موسیقی کی دھمک گونجی، تو اینٹری ڈور کی طرف نظریں خود بخود اٹھ گئیں۔ سلوموشن میں جیسے وقت تھم گیا ہو... دروازہ کھلا، اور قدموں کی ٹھک ٹھک کے ساتھ ایک نئی طوفانی فضا نے کلب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

آج اینٹری تھی... عنایہ اور اس کی گرلز گینگ کی۔  
فُل ہاٹ ڈریسنگ، بوٹ کسی کا بھی جسم عیاں نہیں تھا آنکھوں پر ماسک، ہائی ہیلز کی دھمک، اور چہرے پر وہ راز جو کسی کو سمجھائی نہ دے... ایک ایک لڑکی حسن کی بالالگ رہی تھی جیسے کسی ماڈلنگ شو سے اتر کر آئی ہو۔ لیکن ان سب میں ایک وجود وہ تھا، جو سحر میں لپٹا ہوا، سب سے الگ تھا۔ عنایہ۔

عناہ دروازے پر کچھ لمحے کے لیے رک گئی۔ نظریں چاروں طرف گئیں۔ دل جیسے ہچکچا گیا ہو۔ دل میں اب بھی اُمید تھی کہ یہ سب جھوٹ ہو لیکن پھر اس نے ایک گہری سانس لی، خود کو سنبھالا، اور لڑکیوں کے ساتھ اندر داخل ہو گئی۔

کلب میں موجود سب نظریں پلٹ کر اُن پر جم گئیں۔

"عناہ نے آج مغربی طرز کا ایک نہایت قیمتی مگر باوقار لباس زیب تن کیا تھا۔ ریشمی آف وائٹ رنگ کے سلک فارمل شرٹ جس کی تراش خراش میں سادگی تھی مگر وقار بھی۔

اس کے دامن تک آتے لمبے اسکرٹ نے اس کی شخصیت میں ایک حسین سنجیدگی گھول دی تھی۔

نہ کہیں بے پردگی تھی، نہ کوئی ناز و ادا کی نمائش... بس ایک مہذب نسوانی  
شائستگی جو ہر نظر کو پیل بھر کور وک لیتی۔

آستینیں مکمل، گلا ڈھکا ہوا، مگر تراش کچھ ایسی تھی کہ وقار اور نزاکت کا حسین  
امتزاج محسوس ہوتا۔

زیور میں صرف ایک نازک سا ہیرے کالا کٹ اور چھوٹے کانٹے دار جھمکے...  
عنایہ کی موجودگی خود ایک گہرے سکون کی طرح تھی، جو یہ جتلا رہی تھی کہ  
حسن صرف ظاہر میں نہیں، ہوتا ہے۔ "ہونٹوں پر ہلکی مسکراہٹیں، آنکھوں میں  
حیرت اور دلوں میں ہلچل۔

زیدان اور اس کی گینگ بھی وہیں موجود تھا۔ عمار، ظفر، عاصم اور اسامہ۔ سب  
نے جب ان ماسک پہنے، حسین لڑکیوں کو دیکھا، تو ایک دوسرے کو آنکھ ماری۔



”نیوانٹری لگتی ہے... خطرناک لگ رہی ہیں۔۔۔ اپنے ٹائپ کی لگ رہی ہیں!”

مگر عنایہ چپ چاپ ایک سائیڈ پر جا کر بیٹھ گئی۔ اُسے زیدان کہیں نظر نہیں آیا، اس لیے اس کی دلچسپی نہیں جاگی۔ اسی دوران، ان لڑکیوں کی سائیڈ میں ہی زیدان کے لڑکے۔ عمار، ظفر، عاصم اور اسامہ آگئے۔ ہنستے ہوئے گینگ گرلز سے ہیلو ہائے کرنے لگے۔



کچھ ہلکی پھلکی باتوں کے بعد مناہل نے وہ معلومات لینی چاہی جس کے لیے وہ سب یہاں آئی تھی تبھی، مناہل اسامہ سے انگریزی لہجے میں بولی:

“Excuse me... are you alone? Or your boss is also here? Actually I've heard there's a deadly handsome guy around...”

اسامہ کے کانوں میں یہ الفاظ گونجنے تو اس کے دل میں لڑو پھوٹنے لگے۔ وہ یہ نہ جان سکا کہ یہی مناہل اس کی اپنی ہی مناہل ہے۔

اسامہ نے آنکھ مارتے ہوئے کہا:

“ہمارے باس پبلک میں رومانس نہیں کرتے... وہ تو اپنی بیوٹی کوئٹن کے ساتھ پرائیویٹ سوئٹ میں ہیں...”

یہ سننا تھا کہ عنایہ کے کانوں میں جیسے دھماکہ ہو گیا۔ آنکھیں تپ گئیں، دل میں آگ لگ گئی۔ اسے سانس لینے میں مشکل ہونے لگی۔

عنایہ نے اپنا سینا مسئلہ وہ غصے سے اٹھی، سیدھی کاؤنٹر کی طرف چلی گئی۔  
کاؤنٹر بوائے نے جب اس کے چہرے پر غصہ اور آنکھوں میں نمی دیکھی، تو بنا پوچھے ہی اس کے آگے ایک ہلکی الکحل والی ڈرنک رکھ دی۔ وہاں ہزاروں لڑکیاں روزِ دل ٹوٹنے پر آتی تھیں جو ایسے ہی نشاء کر کے اپنا غم کم کرتی تھیں کاؤنٹر بوائے کو عنایہ بھی انھی میں سے ایک لگی۔

عنایہ نے ایک ہی سانس میں وہ گلاس خالی کر دیا۔

اسی لمحے زیدان واش روم سے واپسی پر نیچے آیا۔ نظر پڑی تو عمار، ظفر، اسامہ،  
 عاصم کسی انجان لڑکیوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ زیدان نے گردن ہلائی، جیسے کہہ  
 رہا ہو "یہ کب سدھریں گے؟" پھر مسکراتے ہوئے وہ کاؤنٹر کی طرف چل پڑا۔  
 وہاں، عنایہ ایسے ہی بیٹھی تھی... مگر نشے کی ہلکی سی مستی اس کی آنکھوں کو دھندلا  
 کر چکی تھی۔ زیدان کوشک گزرا، "یہ... عنایہ جیسی لگ رہی ہے؟" لیکن  
 آنکھوں کی جھیل جیسی گہرائی اُسے نظر نہ آئی، اس لیے دل نے جھٹلایا: اور وہ  
 کاؤنٹر سے پانی کی بوتل لے کر اپنے VVIP حصے میں جا بیٹھا۔

عنایہ جو اسے دیکھ چکی تھی اس کی آنکھوں میں نمی اُترائی اُس نے کاؤنٹر سے ایک  
 اور گلاس اٹھایا اور پی گئی۔ عنایہ مسلسل زیدان کو دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں ایک  
 لڑکی جو شاید کسی بزنس پرسن کی بیٹی تھی۔ وہ زیدان کے پاس آ بیٹھی۔

زیدان نے ایک نظر اُس کی طرف دیکھا اور پھر اپنے فون میں مصروف ہو گیا۔  
وہ لڑکی موقع دیکھتے اپنی جگہ سے اُٹھتی زیدان کے ساتھ قریب ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ  
لڑکی ڈرنک نہیں تھی پرایکٹنگ کر رہی تھی۔

زیدان کو لگا وہ ڈرنک ہے تبھی اس کے پاس آ بیٹھی ہے دُور بیٹھی عنایہ یہ سب  
دیکھ رہی تھی اس کے ہاتھ میں موجود گلاس پر گرفت بھرتی جا رہی تھی۔ عنایہ کا  
ضبط وہاں جواب دیا

جب اُس لڑکی نے زیدان کی تھیز پر اپنا ہاتھ رکھ رکھا کیا زیدان نے غصے سے  
اُس کا ہاتھ جھٹک دیا اور آٹھ کھڑا ہوا یہ پبلک سے بھری جگہ تھی اور اس کے  
ساتھ انجوائے کرنے آئے تھے وہ بد مزگی کر کہ اُن کا وقت خراب نہیں کرنا  
چاہتا تھا۔

زیدان نے اٹھتے بوتل اٹھائی، منہ سے لگائی ہی تھی کہ پیچھے سے وہ مانوس، مگر آج کچھ الگ سی آواز ابھری:

"اچھا تو یہ وہ میٹنگ تھی؟" عنایہ کی آواز لڑکھڑارہی تھی وہ ٹھیک سے اپنے پیروں پر کھڑی بھی نہیں ہو پارہی تھی۔

زیدان کے منہ سے پانی فوارے کی صورت میں باہر نکلا۔ اس نے آنکھیں پھیلانیں، چہرہ چونک اٹھا۔



اس کی آنکھوں کو یقین نہ آیا کہ یہ تو... عنایہ ہے۔ لیکن یہ کیسی عنایہ؟ رسمی شرٹ، پینٹ، ہائی ہیلز، بال کھلے، نشیلی آنکھیں... مگر بے حد خوبصورت، بے حد پرکشش۔ زیدان تو اس کے حُسن میں ہی قید ہو گیا تھا۔

عنایہ کے قدم۔ اب اس کی طرف بھرے، ہلکے ہلکے لڑکھڑاتے قدموں سے زیدان کے پاس آئی، اور ایک لمحے میں اس کا کالر پکڑ لیا۔ زیدان کا رنگ بدل گیا۔

وہ ہکا بکا سے دیکھ رہا تھا۔ ایک تو عنایہ کی یہ حالت، اوپر سے ڈرنک کی خوشبو، اور اس کا کالر پکڑنا؟!

ارد گرد لڑکوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کسی لڑکی کو زیدان کا کالر پکڑے دیکھنا مطلب... طوفان سے کھیلنا!

اسی پل، باقی گرلز گینگ جوا بھی تک بیٹھے سب کو observe کر رہی تھیں،  
مسکراتے ہوئے اُٹھیں، اپنے چہرے سے ماسک ہٹایا... اور زور سے کہا:  
"تو ہم نے تم سب کو رنگے ہاتھوں پکڑ ہی لیا!"

کلب کے ہر کونے میں جیسے بم پھٹ گیا ہو...

ہنسی، حیرت، خجالت، اور شرمندگی کی ملا جلا دھماکا دار فضا۔ عنایہ کی خوبصورتی  
اس پر ستم ان جھیل جیسی آنکھوں میں نشے کی رمتق زیدان کو اپنا دل ڈوبتا محسوس  
ہوا۔ عنایہ کے ہاتھوں کی گرفت زیدان کے کولر پر سخت ہوتی جا رہی تھی۔ عنایہ  
کا یہاں ہونا زیدان کے غصے اور ضبط کو آزمارہا تھا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ عنایہ زیدان کے ساتھ کیا کرتی ہے اور اسامہ کی چھوڑی اس شوری سے جواگ لگی ہے زیدان اس اگ کو کیسے بوجھائے گا۔



عنایہ کی نظریں مسلسل زیدان کی طرف تھیں۔ وہ لڑکی زیدان کے مزید قریب ہو کر بیٹھ گئی اور اپنا ہاتھ زیدان کی ران پر رکھ کر دباؤ ڈالنے لگی۔ عنایہ کی آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلنے لگیں۔ وہ کاؤنٹر سے ہٹ کر زیدان کی طرف بڑھی۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ دل زخمی تھا، پر آنکھوں میں غیرت کی آگ روشن تھی۔

وہ کانپتی ہوئی زیدان تک پہنچی۔ زیدان، جو اس لڑکی کے ہاتھ رکھنے پر پہلے ہی غصے میں تھا، یکدم اپنی جگہ سے اٹھا اور میز پر رکھی پانی کی بوتل کو اٹھا کر منہ سے لگایا۔ ابھی گھونٹ ہی بھرا تھا کہ عنایہ کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"تو یہ تھی میٹنگ؟"



زیدان نے حیرت سے عنایہ کو دیکھا... اس کی آنکھیں نمی سے دھندلا گئیں تھیں، جسم غصے اور درد سے لرز رہا تھا۔ عنایہ نے ایک نظر اس لڑکی پر ڈالی، اور اگلے لمحے زیدان کا کالر اس کے ہاتھوں میں تھا۔ "کیا کمی رہ گئی مجھ میں؟ ایسا کون سا سکون نہیں ملا تمہیں مجھ میں، جو یہاں آکر اس سے حاصل کر لیا؟"

زیدان سکتے میں آگیا۔ وہ سمجھ ہی نہ پایا کہ عنایہ کا یہ رد عمل کیوں ہے۔ عنایہ کے سوالوں نے اس کے دماغ کی رگیں کھینچ دیں۔

"کیا بکو اس کر رہی ہو، ہوش میں ہو؟"

"ہاں، میں ہی بکو اس کر رہی ہوں زیدان خنزاہ... جرم آپ کا، اور بکو اس میری؟"

زیدان نے نرم لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی، "عنایہ، میری بات سنو... جیسا تم سوچ رہی ہو ویسا کچھ نہیں ہے۔"

عنایہ نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا، "پہلی بار تمہاری بات سن کر دل چیر گیا ہے میرا..."

ابھی وہ کچھ اور کہتی، کہ وہ لڑکی زیدان کے مزید قریب آئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کے اور قریب ہوئی۔

اس سے پہلے کہ زیدان کوئی ردِ عمل دیتا، عنایہ نے اس لڑکی کا ہاتھ جھٹک کر زور دار تھپڑ مارا۔ پورا کلب خاموش ہو گیا۔ موسیقی رک گئی، ہواؤں میں بھی خاموشی چھا گئی۔

وہ لڑکی سیدھی ہوئی اور غصے میں عنایہ کی طرف بڑھی۔ مگر عنایہ نے اس کا ہاتھ روکا اور ایک اور زناٹے دار تھپڑ رسید کیا۔

"یہ تھپڑ تمہاری اس ہمت کے لیے، جو تم نے ان کو چھونے کی جرات کی!"

پھر ایک اور تھپڑ، "یہ میری محبت پر گندی نظر ڈالنے کی سزا ہے!"



عنایہ گویا ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔ وہاں موجود ہر شخص بس اس کے رد عمل کو دیکھ رہا تھا۔ اکثر لوگوں کو معلوم ہی نہ تھا کہ وہ زیدان خندادہ کی بیوی ہے۔

وہ لڑکی عنایہ پر جھپٹنا چاہتی تھی، لیکن عنایہ نے اس کے بالوں سے پکڑ کر تھپڑوں کی بارش کر دی۔

یہ دیکھ کر زیدان آگے بڑھا اور عنایہ کو روکنے کی کوشش کی۔ لیکن عنایہ نے اسی وحشت سے زیدان کو دیکھا جو اکثر زیدان کی آنکھوں میں ہوتی تھی۔

زیدان لمحہ بھر کو چونکا۔ جیسے یقین نہ آیا کہ یہ وہی معصوم عنایہ ہے۔ اس نے آہستہ سے پکارا، "عنایہ۔۔۔"

عنایہ پلٹی، اور چیخ مار کر بولی:

"آپ کی عنایہ مرگئی زیدان! آپ نے مار دیا اُسے۔۔۔ سب کچھ معاف کر سکتی ہوں، لیکن بے وفائی کبھی نہیں!"

عنایہ زیدان کی جانب بڑھی، مگر قدم لڑکھڑا گئے۔ گرنے ہی والی تھی کہ زیدان نے اسے تھام لیا۔ وہ ہکا بکا تھا کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ وہ کیوں شک کر رہی ہے؟ لیکن اسے کیا خبر، کہ یہ سب سازش اس کے اپنے آدمیوں نے کی ہے۔

عنایہ نے زیدان کے کوٹ کا سہارا لیا، خود کو سیدھا کیا۔ زیدان اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ وہ اسے سہارا دے کر چلنے لگا، تو عنایہ نے کوٹ جھٹک کر زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا:

"نہیں۔۔۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔۔۔"

"عنایہ، بچوں کی طرح ضد نہ کرو، چلو گھر چلتے ہیں۔"

"مجھے گھر نہیں جانا۔۔۔"

اب نشہ عنایہ پر مکمل طور پر سوار تھا۔ زید ان اس کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھا، تو عنایہ نے اس کی ٹائی کھینچ کر اسے قریب کیا۔ یہ دیکھ کر زید ان کے تو ہوش ہی اڑ گئے۔

عنایہ نے اپنی انگلی زید ان کے چہرے پر پھیرتے ہوئے کہا:

"میں بھی وہ سب کر سکتی ہوں جو تمہیں ان سب میں پسند ہے۔۔۔"

یہ منظر دیکھ کر اُسامہ اور حوریا کی ہنسی نہیں رک رہی تھی۔ وہ دونوں منہ پر ہاتھ رکھے ہنسی چھپانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔

عمار نے دونوں کو گھورا، تو عاصم نے حور یا کو بازو سے پکڑ کر گھورتے ہوئے کہا:  
یہ سب راستہ تمہارا پہلا یا ہوا ہے نہ پیٹ میں نہیں رکھ سکتی تھی اپنے۔  
جس پر حور یہ ہنستے ہوئے بولی۔

"پاپ کارن لے آنا، اچھی فلم چل رہی ہے!"

"نہ میں تو کچھ نہیں بولی۔۔۔"

مناہل نے اسے دیکھ کر ایک تھپڑ اس کے سر پر مارا، "چلو گھر! اب میں بتاتی  
ہوں تمہیں۔۔۔"

ظفر نے غصے میں آکر کہا:

"سب گھر چلو! آج کسی کی خیر نہیں۔۔۔"

عنایہ کا نشہ حد سے بڑھ چکا تھا۔ وہ وہیں بیٹھے بیٹھے زیدان کی شرٹ کے بٹن کھولنے لگی، جس پر زیدان نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا:

"عنایہ، کیا کر رہی ہو؟ اُٹھو، گھر چلتے ہیں۔۔۔"

عنایہ نے ہٹ کر کہا، "گھر جا کے کیا کرنا ہے؟ یہیں انجوائے کرتے ہیں!"

زیدان اب پریشان ہو گیا تھا۔ عنایہ نے زیدان کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر اسے دائیں بائیں ہلایا اور جذباتی انداز میں بولی:

"مجھے پتہ ہے، میں تھوڑی سی پاگل ہوں۔۔۔ اسی لیے آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے نا؟"

زیدان نے خاموشی سے اس کے چہرے کو دیکھا، دل دکھ سے پگھل رہا تھا۔

عنایہ نے آہستہ سے اس کے لبوں پر انگلی رکھ کر کہا:

"I love you..." اور میں آپ کو کسی کا نہیں ہونے دوں

گی۔۔۔"

میں کسی کا نہیں ہوں عنایہ صرف آپ کا ہوں اس کی بات پر عنایہ نے اس کے گلے میں باہوں کا ہار ڈال اور بولی پکا۔۔۔ جس پر زیدان مسکراتا ہوا ہاں میں سر ہلایا۔ اب گھر چلیں۔۔۔ زیدان نے اسے سہارا دیتے اٹھایا تو عنایہ کی پھر نظر اُس لڑکی پُر پڑی جو ایک طرف کھڑی اپنے سوجے گالوں کو پکڑے سہلا رہی تھی۔

اس کو دیکھتے ہی عنایہ پھر اُس پر غصے سے جھپٹی اس سے پہلے عنایہ پھر اُس مارتی زیدان نے عنایہ کو اپنے کندھے پر اٹھالیا۔ اور بولا تم ایسے نہیں کنٹرول میں آؤ گی



۔ عنایہ مسلسل زیدان کو اپنے نن سے ہاتھوں سے موقعے ماری جارہی تھی۔ جن کا زیدان پر تو کوئی اثر نہیں تھا۔

زیدان اسی طرح عنایہ کو اٹھائے کلب سے باہر آگیا۔ اس کے آتے ہی اس کے گارڈز نے گاڑی کا دروازہ کھلا زیدان نے عنایہ کو گاڑی میں بیٹھیا وہ مسلسل چیخ رہی تھی مجھے چھوڑو میں اُس کا قیمہ بنادوں گی۔ اس نے میرے زیدان کو ہاتھ لگایا ہے۔

زیدان صرف اس کی باتوں پر ہنس رہا تھا اسے عنایہ کا یہ جلن بھر انداز بہت بھ رہا تھا۔ زیدان نے جسے ہی عنایہ کو گاڑی میں بیٹھیا تو عنایہ گاڑی کی کھڑکی سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگی۔ زیدان بیچارہ بس اس کی حرکتیں دیکھ گہرا

سانس لیا اور گاڑی میں بیٹھتا گاڑی کے شیشے بند کر دیے۔ اور گاڑی کلب سے گھر کی طرف ڈال دی۔

عنایہ جواب غور سے زیدان کو گاڑی چلاتا دیکھ رہی تھی اس کی نظر زیدان کے ہاتھوں کی اُبھری وینز پر تھی۔ عنایہ نے آہستہ سے ہاتھ بھریا اور زیدان کے ہاتھوں کی وینز پر ٹریس کرنے لگی۔ زیدان نے اس کا ہاتھ نہیں جھٹکا۔

نہ جانے عنایہ کو کیا سوچھی ایک دم ہی وہ اٹھی اور زیدان کی گود میں بیٹھ گئی۔ اب منظر کچھ ایسے تھا کہ عنایہ کی کمر زیدان کی کھڑکی کی طرف تھی اور ٹانگیں عنایہ کی اپنی سیٹ پر تھیں۔ اس کی اس عمل سے زیدان نے ایک دم گاڑی کو بریک لگائی جس سے عنایہ جھٹکا لگنے سے زیدان سے ٹکرائی۔

عنایہ کا بدن بری طرح زیدان سے ٹکرایا۔ اس ٹکراؤ سے زیدان کے پورے جسم میں کرنٹ کی لہر دوڑ گئی۔ عنایہ بہت غور سے زیدان کو دیکھ رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی نظروں میں کھوسے گئے تبھی عنایہ نے جھکتے اپنے لب زیدان کے لب پر رکھے۔

زیدان کی آنکھیں پوری کھل گئی عنایہ کی اتنی بولد نیس نے زیدان کے جذباتوں میں طوفان برپا کر دیا زیدان نے عنایہ کی گردن سے پکڑا سسے اب کی بار خود سے اُس کے لبوں پر شدت سے جھکا۔ اس کی شدت پر عنایہ نے اس کے کندھے پر اپنے ناخن کا دباؤ ڈالا۔

عنایہ کو اب سانس لینے میں مشکل ہونے لگی اس کے بالوں کو موٹھی میں بھر  
عنایہ نے جھٹکادیا تو زید ان اس سے پیچھے ہوا دونوں کی سانسیں بھری ہو چکی  
تھیں۔ گاڑی میں صرف سانسوں کا شور تھا۔

زید ان کا ہاتھ اب عنایہ کے کمر پر بے باکی سے چل رہا تھا جس پر عنایہ نے اس کی  
آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ عنایہ کی آنکھیں نشے کی زیادتی سے اور بھی دل کش  
لگ رہی تھیں زید ان تو بس ان آنکھوں میں ہی کھوے بولا۔ "آپ کو اندازہ بھی  
ہے اپ کتنا خطرناک کھیل کھیل رہی ہیں۔"

جس پر عنایہ نے نہ میں سر ہلایا تو زید ان نے اسے کمر سے پکڑ آپنے بالکل ساتھ  
لگالیا۔ یہ سب آپ کو انج بہت مہنگا پر نے والا ہے عنایہ۔۔ جس پر عنایہ ایک ادا

سے بولی تو روکا کس نے ہے۔ اس کی بات پر زید ان نے جھٹکے سے عنایہ کو ساتھ والی سیٹ پر بیٹھیا اور سیٹ نیچے کرتا اس پر گھٹابن کر چھا گیا۔

عنایہ اسے خود پر جھکا دیکھ اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ گی زید ان نے مسکراتے اس کے ہاتھوں پر باری باری لب رکھتا اس سے پیچھے ہو کر اپنی سیٹ پر بیٹھا عنایہ اسے خود سے دُور ہوتا دیکھ پھر سے رونے لگی۔



اس کا رونادیکھ زید ان کو سمجھ نہ آیا کہ وہ کیوں رو رہی ہے اس نے تو کچھ سخت کہا بھی نہیں۔ عنایہ چپ کریں کیوں رو رہی ہیں تو وہ اور زور سے رونے لگی اب زید ان کو سہی معنوں میں پریشانی ہونے لگی تھی۔

عنایہ پھر ہچکیوں سے روتے بولی آپ کا دل بھر گیا ہے نہ مجھے سے اس لیے آپ مجھے سے دور رہتے ہیں میرے پاس نہیں آتے اس کی باتیں سُن زید ان

Click On The Link Above To Read More Novels / <https://www.zubinovelszone.com/> / 0344 4499420

<https://www.zubinovelszone.com/>

حیرت کے سمندر میں غوطہ کھا رہا تھا۔ زیدان نے اپنا سر مسلّا اور اس کی طرف جھکا۔

ہمم تو یہ سارا ہنگامہ اس لیے تھا کہ میں آپ کے پاس نہیں آتا پر میں تو آپ کی نازوک سی جان کی وجہ سے آپ کے پاس نہیں آتا کہ آپ ابھی میری شدتیں نہیں سہ پائیں گی

تو عنایہ فوراً بولی نہیں میں سہ لوں گی۔ زیدان نے اپنی ہنسی روکی اچھا تو ٹھیک ہے پھر اج آپ میں اتر جاتے ہیں بعد میں شکایت نہ کرنا کہ میں ظالم ہوں۔

زیدان کو اس کی جلد بازی پر جی جان سے پیارا آیا۔



زیدان عنایہ کے لئے شہد اور پانی لینا چاہتا تھا تا کہ اس کا کچھ نشہ کم ہو اس لئے اُس نے گاڑی ایک سٹور کے آگے روکی اور عنایہ کو بولا آپ بیٹھو یہاں سے جانا نہیں میں ابھی آتا ہوں۔ عنایہ نشے کی وجہ سے تھوڑی غنودگی میں تھی صرف سر ہلا دیا۔

زیدان جلدی سے گاڑی سے باہر نکلا اور سٹور چلا گیا۔ عنایہ تازہ ہوا کا جھونکا محسوس کر کھڑکی سے باہر دیکھا سامنے ہی ایک کاٹن کینڈی کا سٹول لگا تھا جسے دیکھ عنایہ کی آنکھیں چمکیں اور جھٹ سے وہ گاڑی سے باہر نکل خود کو سنبھالتی اُس سٹول کی طرف چل پڑی۔

زیدان جلدی سے شہد اور پانی کی بوتل لیتا باہر آیا جسے ہی گاڑی میں بیٹھ عنایہ کو نہ دیکھ زیدان کی توجہ پر بنائی زیدان چیزیں گاڑی میں پہک ار گرد عنایہ کو

ڈھونڈنے لگا۔ بھاگتے اس کے کانوں میں عنایہ کی آواز پڑی جو سائڈ پر لگے کاٹن کینڈی کے سٹول پر کھڑی جھل رہی تھی۔

زیدان بھاگتا اس کی طرف آیا عنایہ اسے اتادیکھ اس کی طرف آئی اور اس کا بازو پکڑ سٹول والے کو بولی دیکھو میرے شوہر اگئے اب مجھے بنادو زیدی بولونہ اسے۔۔۔ زیدان کے اشارے پر سٹول کے لڑکے نے اس کے لیے کینڈی بنائی۔

اب زیدان نے عنایہ کا بازو پکڑ کر گاڑی کی طرف بھرا۔ کہ اچانک عنایہ نیچے بیٹھی۔۔۔ زیدان کو سمجھ نہ آئی اب اسے کیا ہوا۔ زیدان نے اس کا چہرہ ہاتھ سے اوپر کیا۔ اور پیار سے پوچھا کیا ہوا جس پر عنایہ نے ہاتھ سینے پر ہلاتے سنجھیا کے اسے الٹی ارہی ہے۔

زیدان نے اسے کھڑا کرنا چاہا جو کہ وہ بہت مشکل سے کھڑی ہوئی ابھی ایک قدم ہی چلی تھی کہ عنایہ نے اُلٹی کر دی۔ وہ لڑکھڑاتے کیوٹ سی بچی کی بولی اوہ۔۔۔ ہو۔۔۔ سوری۔۔۔ زیدی سوری۔۔۔ جس پر زیدان نے اس کی کمر سلائی اور کہا کوئی بات نہیں۔ عنایہ پھر بیٹھی۔

انج زیدان کے لئے عنایہ کو سنبھالنے سب سے مشکل ہو گیا تھا۔ زیدان اس کے پاس بیٹھا کیونکہ عنایہ وہیں لٹنے لگی۔ تو زیدان نے اسے ہاتھ رکھ سیدھا کیا۔ دونوں کی نظر ملی پھر کچھ لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔

ایک دم عنایہ کی آنکھیں نمی سے بھر گئی اور وہ ہولے سے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ بولی۔ یہاں۔۔۔ یہاں۔۔۔ بہت درد ہوا۔۔۔ زیدان کو فکر ہوئی تو تھوڑا آگئے ہوا اٹھو ہم ہاسپٹل چلتے ہیں۔ جس پر عنایہ نے نہ میں سر ہلایا اور کہا یہاں۔۔۔ بہت

-- درد-- ہوا-- جب-- اُسامہ-- بھائی نے-- بولا-- کہ-- آپ

وہ روکی انسوؤں کا گولہ بند گیا تھا۔

زید ان کے اُسامہ کے نام پر کان کھڑے ہوئے۔ عنایہ کیا بولا ہے اسامہ نے۔ تو وہ اسے دیکھتی بولی۔ اُنھوں نے بولا۔۔۔۔۔ ہیچ اُسے ہچکی لگ گئی۔۔۔ زید ان نے اس کی کمر سلائی۔۔۔ وہ بازو پیچھے کرتی اس کا ہاتھ روکتی بولی۔۔ آپ اُس لڑکی کے ساتھ اُس پرائیوٹ کمرے میں ہو۔۔۔ یہ بات زید ان پر بم کے جسے پھٹی

ایسا اسامہ نے آپ سے کہا وہ زور و شور و سے سر ہلا گئی زید ان کا تو بس نہیں چل رہا تھا اسامہ اُس کے ہاتھ میں ہوا اور وہ اُس کی چٹھری ہی اُدھیڑ دے۔ عنایہ پھر بولی زیدی آپ کی عنایہ کو بہت درد ہوا بہت تکلیف ہوئی آپ نے کیوں ایسے کیا۔

زیدان نے ہاتھوں کے پیالے میں اُس کا چہرہ بھرا میری زندگی میں ایسا کبھی نہیں سوچ سکتا کرنا تو دُور کی بات ہے اور میں کب گیا کمرے میں وہاں کوئی کمرہ نہیں ہے جس پر عنایہ نے جھٹ سے اس کی طرف دیکھا۔ جسے اُسے یقین نہ آیا ہو۔ جی میری معصوم سی جان وہاں کوئی کمرہ نہیں ہے۔

جس پر عنایہ بولی تو۔۔۔ پھر۔۔۔ پھر۔۔۔ پھر کیا عنایہ آپ کہاں تھے سب وہاں تھے تو میں وشر و م گیا تھا سچ میں۔ عنایہ جلدی سے چیخنی۔ ہاں۔۔۔ اس کا مطلب آپ کسی لڑکی کے ساتھ نہیں تھے۔ زیدان نے سر ہلایا۔ تو عنایہ خوش ہو گئی۔

زیدان کا چہرہ پکڑ عنایہ نے اس کے گال کھینچے۔ مجھے پتا تھا میرے زیدی ایسے کر ہی نہیں سکتے زیدان نے حیرانگی سے اس کا بدلتا روپ دیکھ۔ نو۔۔ نو۔۔ نو۔۔ نو۔۔  
عنایہ نور زیدان خانزادہ اتنی آسانی سے میں آپ کو اب نہیں بخشوں گا۔ حساب تو دینا پڑے گا۔

کیوں۔۔ زیدان مسکرایا باقی باتیں گھر جا کر۔

زیدان اٹھا اور اسے کھڑا کرنا چاہا جس پر عنایہ بازوؤں کھل کر زیدان سے کہنا چاہتی تھی مجھے اٹھاؤ زیدان مسکرایا اور عنایہ کو اپنی باہوں میں اٹھالیا عنایہ نے اس کے گال پر لب رکھے اور اس کے کندھے پر سر رکھ لیا زیدان اسے لیے گاڑی کی طرف آیا اور اسے گاڑی میں بیٹھا کچھ دیر بعد گاڑی پیس میں کھڑی تھی۔



عنایہ سوچکی تھی اس پر گاڑی میں بیٹھتے زیدان نے اپنے کورٹ اُتار کر ڈالا تھا  
زیدان کی آنکھوں میں نمی تھی یہ احساس کہ کوئی ہے جو اُس کے لیے اُس سے  
بھی زیادہ جنونی ہے زیدان کی روح تک سکون اُتر گیا۔

وہ اس پر جھکا اور اس کا ماتھا چوم کر بولا ہمیشہ ایسے ہی رہنا یہ خانزادہ آپ کے لئے  
ساری دنیا کو اگ لگا سکتا ہے پر آپ سے بیوفائی نہیں کر سکتا۔ زیدان مسکراتے  
اس سے پیچھے ہوا اپنی سیٹ بیلٹ کھل باہر آیا اور عنایہ کو اٹھائے اندر چلا گیا۔

عنایہ سوچکی تھی اس پر گاڑی میں بیٹھتے زیدان نے اپنے کورٹ اُتار کر ڈالا تھا  
زیدان کی آنکھوں میں نمی تھی یہ احساس کہ کوئی ہے جو اُس کے لیے اُس سے  
بھی زیادہ جنونی ہے زیدان کی روح تک سکون اُتر گیا۔

وہ اس پر جھکا اور اس کا ماتھا چوم کر بولا ہمیشہ ایسے ہی رہنا یہ خانزادہ آپ کے لئے ساری دنیا کو اگ لگا سکتا ہے پر آپ سے بیوفائی نہیں کر سکتا۔ زیدان مسکراتے اس سے پیچھے ہوا اپنی سیٹ بیلٹ کھل باہر آیا اور عنایہ کو اٹھائے اندر چلا گیا۔

عنایہ زیدان کے اسے اٹھاتے ہی جگ گئی تھی پر جان بوج کر سونے کی اداکاری جاری رکھی۔ عنایہ کے دل میں اب بھی خوف تھا کہیں وہ اسے چھوڑ کر واپس نہ چلا جائے۔ زیدان آہستہ سے چلتا کمرے تک آیا۔

اپنی ٹانگ کی مدد سے کمرے کا دروازہ کھل عنایہ کو لیے بیڈ کی طرف آیا اور عنایہ کو بیڈ کے وسط میں لٹا دیا۔ زیدان نے جھک کر عنایہ کی ہیلز اُتری اور بلیںکٹ کھل کر عنایہ پر ڈالتا اس کے پاس بیٹھا اسے غور سے دیکھنے لگا۔

زیدان کے لئے یہ احساس کہ کوئی اُس کا اپنا ہے اُس کے کھوجانے سے اس کے خود سے دُور ہونے سے ڈرتا ہے زیدان کی روح کو سکون کی گہرائیوں میں لے گیا۔ اس نے جھک کر عنایہ کے ماتھے پر لب رکھے اور عنایہ کا بازو سیدھا کرتا اس کے پاس سے اٹھا ہی تھا کہ عنایہ نے جھٹ سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

زیدی آپ کہاں جا رہے مجھے چھوڑ کر۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ جسے دیکھ زیدان کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ کبھی عنایہ کو اتنی تکلیف نہیں دے سکتا تھا۔ وہ اُس کے قریب ہوا اور عنایہ کو اپنے حصار میں لیے بولا۔ آپ کیوں خوف زدہ ہیں۔ آپ کا زیدان صرف آپ کا ہے۔

اس کی بات پر عنایہ نے نمی سے بھری آنکھیں اٹھا کر دیکھا تو زیدان نے باری باری اس کی آنکھوں پر لب رکھے زیدی آپ کہیں مت جائیں میرے پاس رہیں

میں آپ کے پاس ہی ہوں آپ کے لئے شہد پانی لے کر آتا ہوں۔ جس پر عنایہ نے اس کا ہاتھ اور بھی زور سے پکڑ لیا۔

نہیں آپ یہاں سے کہیں نہیں جا رہے میرے ساتھ رہیں ہم اپنا ٹائم سپنڈ کریں گے اچھا فل وقت وہ خاموش ہو گیا پر عنایہ کے نشے کو اترنا تھا۔ اس لیے زید ان عنایہ جھٹکے سے اپنی گود میں اٹھالیا۔ عنایہ چیخی کیا کر رہے ہیں۔

لوا بھی تو آپ ہی کہا رہی تھیں کہ ہم اپنا ٹائم سپنڈ کرتے ہیں تو بس وہی ٹائم سپنڈ کرنے لگے اور یہ کہتا وہ اسے لیے واشروم میں چلا آیا اور عنایہ کو روف شاؤر آن کر اُس کے نیچے کھڑا کر دیا۔ ٹھنڈے پانی کو خود پر محسوس کر عنایہ بوکھلا اٹھی۔

وہ شاور کے نیچے سے ہٹنا چاہتی تھی پر زید ان نے اسے دیوار سے پین کرتے فرار کے سارے راستے بند کر دیئے۔ اج آپ نے میرا بہت امتحان لیا ہے جس کا حساب تو آپ کو دینا ہی پڑے گا۔ عنایہ پر ٹھنڈا پانی ڈالتے نشاٹوٹنے لگا تو کچھ ہوش آنے لگی۔

دونوں کا مکمل بدن بھیگ چکا تھا۔ سانسوں کی رفتار بہت گہری تھی۔ زید ان کی نظریں عنایہ کے بل کھاتے اس مخملی وجود کا طواف کر رہی تھیں۔ زید ان کی نظروں کے تقوب میں عنایہ کی جب نظر پڑی تو شرم کے مارے عنایہ نے فوراً سے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ خود کو چھپانے کی ناکام سی کوشش کی۔

زیدان اس کی ادہ پر مسکرایا، ہمسم تو لگتا ہے نشے کا اثر اتر گیا۔ ادہ میری جان اج آپ نے مجھے بہت آزمایا ہے اب میری باری۔ اس کی بات پر عنایہ آنکھیں پھرے اسے دیکھنے لگی۔

میں نے کچھ بھی تو نہیں کیا۔ اچھا تو آپ نے کچھ بھی نہیں کیا۔ عنایہ نے ہاں میں سر ہلایا۔ تو زیدان اس کے اور قریب ہوا۔ عنایہ نے بھگنا چاہا تو زیدان نے اس کے دونوں اطراف ہاتھ رکھ اسے محصور کر لیا۔

زیدان نے جب سے عنایہ کو اس ڈریس میں دیکھا تھا اس کے سوئے جذبات جگھ چکے تھے اور اب تو عنایہ کا نشاء بھی اتر چکا تھا زیدان کی گرم سانسیں عنایہ کے چہرے کو جھلسا رہی تھیں۔ عنایہ نے کچھ کہنے کو لب کھولے پر زیدان نے اس کے لبوں کو اپنے لبوں کی گرفت میں لیتے عنایہ کو ٹرپنے پر مجبور کر دیا۔



وہ شدت سے اس کے لبوں کا جام پی رہا تھا کہ عنایہ کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونا مشکل ہو گیا تو عنایہ نے اس کی شدت سے گھبرا کر زیدان کا کولر اپنے ہاتھوں کی موٹھی میں دبوج لیا۔

دونوں ایک دوسرے کے لبوں کا جام شدت سے پی رہے تھے۔ اپنے منہ میں خون کا ذائقہ گھولتے محسوس کر زیدان عنایہ سے الگ ہوا تو عنایہ گہراے سانس لینے لگی۔ عنایہ نے خوفگی سے زیدان کو دیکھ اس کے سینے پر اپنے نئے ہاتھوں سے موکوں کی برسات کر دی۔

زیدان نے اس کے مضحمت کرتے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے دیوار سے پین کر دیئے۔ عنایہ کی آنکھوں میں اب سہی معنوں میں خوف لہرایا تھا۔ عنایہ ڈرتے بولی زیدی ڈرنک تو میں نے کی تھی آپ کو کیوں نشہ چھڑ گیا ہے۔



اس کی سکن کو سک کیا عنایہ پھر سسکی۔ زید ان کا ہاتھ مکمل عنایہ کے بدن پر چلتا  
اپنی بے باکی دیکھا رہا تھا۔

عنایہ کی سانسیں بہت تیز چل رہی تھیں۔ اس کی گردن پر جا بجا اپنا لمس چھوڑتا  
زید ان کے لبوں کا رخ گردن سے نیچے آنے لگا۔ عنایہ پھر پھری پر انج زید ان  
کہاں روکنے والا تھا۔ اس نے ایک ہی جھٹکے سے عنایہ کی شرٹ پر بنی بو کو کھینچتے  
کھل دیا جس سے عنایہ کی بیوٹی بون زید ان کی آنکھوں کے سامنے تھی  
زید ان نے ہاتھ کے انگوٹھے سے عنایہ کی بیوٹی بون پر دباؤ ڈالا عنایہ اپنی آنکھیں  
بند کر چکی تھی وہ جانتی تھی اب اس کی خیر نہیں ہے۔ زید ان کیسی بھوکے شیر کی  
طرح عنایہ کی بیوٹی بون پر ٹوٹ پڑا۔

درد کی شدت سے عنایہ خود کو چھوڑنے کی کوشش کرنے لگی۔ پر بے سود  
زیدان کی گرفت بہت سخت تھی۔ اس کی بیوٹی بون کا نشاپیتے زیدان نے عنایہ  
کی شرٹ اُس کے کندھے سے نیچے کسکھی شرٹ کا گلہ ڈھلک کر نیچے آگیا۔

زیدان کے لب اب عنایہ کی گردن سے ہوتے نیچے کو سفر کرنے لگے عنایہ کے  
لئے اب کھڑا ہونا مشکل ہو گیا اس کا پورا بدن کپکپانے لگا۔ اس کے بدن میں  
کپکپاہٹ محسوس کر زیدان نے اس سے پیچھے ہوتے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔

اگلے ہی لمحے عنایہ کی چیخ نکلی زیدان نے جھٹکے سے عنایہ کو گود میں اٹھالیا۔  
عنایہ کی چیخ زیدان نے اپنے لبوں میں دبالی۔ اور اسے لیے کمرے میں چلا آیا اور  
عنایہ کو بیڈ پر لٹایا۔ عنایہ نے بیڈ کی چادر اپنی مٹھیوں میں دبالی۔

زیدان اپنی گیلی ہوئی شرٹ اترتا زمین پر پھکتا اس پر کسی گھٹا کی طرح چھا گیا۔  
عنایہ نے آنکھیں میچ لیں۔ زیدان کے لب عنایہ کے ماتھے سے ہوتے اس کے  
پورے بدن پر سفر کرنے لگے۔

زیدان نے اس کے سینے سے منہ نکال عنایہ کو دیکھا عنایہ آنکھیں کھولو۔ اور  
دیکھو اج یہ زیدان خانزادہ عنایہ خانزادہ میں ایسے اترے گا کہ آپ کا یہ ننہ سا  
دماغ پھر کبھی یہ نہیں سوچ سکے گا کہ یہ زیدان خانزادہ اپنے سکون کے لئے حرام  
کھائے۔ عنایہ سٹل اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

میرا سکون آپ میں ہے عنایہ اور زیدان خانزادہ حرام نہیں کھاتا اج کے بعد  
زیدان خانزادہ ہر روز آپ میں اتر کر سکون حاصل کرے گا یہ کہتے ہی زیدان  
نے عنایہ پر اپنے لبوں کی شدت سے بوسوں کی بو چھاڑ کر دی۔

اس کی بوسوں کی بو چھاڑ سے عنایہ کے ہاتھ خود بخود زیدان کے بالوں میں چلنے لگے۔ زیدان کی آنکھیں مسکرائی اور اگلے ہی لمحے زیدان اپنے اور عنایہ کے درمیان ہر پردہ گراتے پوری شدت سے عنایہ میں اتر گیا۔

زیدان کے ہاتھوں کی تپش نے عنایہ کے وجود کو ایسے گھیر لیا جیسے کوئی دریا کناروں کو ڈھونڈتا ہے۔ اُس کی ہر حرکت میں ایک ایسا جنون تھا جو عنایہ کی سانسوں کو راگنی بنا دیتا۔

عنایہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ نہ خوف کے مارے، بلکہ اس احساس کے تحت کہ اب اُس کے پاس کھونے کو کچھ نہیں۔ زیدان کی انگلیاں اُس کے جسم پر وہ



نقش بناتی جا رہی تھیں جو نہ دیکھے جاسکتے تھے، نہ محسوس کیے جاسکتے تھے...  
صرف \*\*\* جاں \*\*\* میں اُترتے تھے۔

کمرے کی ہوا میں چاندنی کے ذرے تیر رہے تھے۔ زیدان نے اپنی پیشانی عنایہ کے ماتھے سے ٹکادی — یہ کوئی بوسہ نہیں تھا، بلکہ ایک خاموش عہد تھا۔  
"تمہاری ہر سانس... میرے لیے ایک نیا وعدہ ہے۔"

عنایہ نے آنکھیں کھولیں تو زیدان کی آنکھوں میں وہ گہرائی دیکھی جو صرف وفا کے سمندر میں ملتی ہے۔

زیدان کے ہونٹوں نے عنایہ کے کان کے پاس سے ہوتے ہوئے گردن کی نازک لکیر کو چھوا۔ ہر چھو ایک سوال تھا، ہر سانس ایک جواب۔

عنایہ کے ہونٹوں پر ایک لفظ آیا:

"زیدی"...

مگر زیدان نے اپنی انگلی اُس کے ہونٹوں پر رکھ دی — \*\* باتوں کی ضرورت  
نہیں تھی \*\*۔

جب وہ ایک دوسرے میں گم ہوئے تو عنایہ نے محسوس کیا جیسے کوئی پرانا زخم بھر  
گیا ہو۔ زیدان کا وجود اُس کے لیے ایک ایسا سایہ تھا جو دھوپ سے نہیں، بلکہ  
تنہائیوں سے بچاتا تھا۔ رات کے آخری پہر میں، جب عنایہ نے زیدان کی سینے پر  
سر رکھا تو اُس نے سنا — دل کی دھڑکنیں ایک ہی زبان بول رہی تھیں

رات کے پچھلے پہر جب کلب کی چکاچوند روشنیوں نے آہستہ آہستہ مدھم ہونا شروع کیا، تب وہاں بس قریبی دائرے کے وہی چہرے باقی رہ گئے تھے جو نہ صرف اس رات کے تماشے کے مرکزی کردار تھے بلکہ اب اپنی ہی حرکتوں سے پریشان بیٹھے تھے۔

ایک کونے میں رکھے صوفے پر اُس گروپ کا ہیڈ کوارٹر سا بن چکا تھا— جہاں اسامہ، حوریہ، عاصم، عمار، ایشال، مناہل، ظفر اور صنم باری باری شرمندگی، ڈر، اور خفیہ ہنسی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

"یار تم لوگوں نے مجھے بیوقوف بنا کر پھاسا دیا ہے مجھے کیا پتا تھا کہ مسک کے پیچھے تم سب چھپی ہو۔!" اسامہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامتے ہوئے جیسے دل کا حال زبان پر رکھ دیا۔

"میں نے تو اس لیے بتایا تھا کہ مجھے لگا عنایہ بھابی کا یہ جاننا بہت ضروری ہے مجھے کیا پتہ تھا کہ زنزلا جاے گا!" حوریہ نے معصومیت سے آنکھیں پھیلانیں، جیسے واقعی اُسے یقین نہیں تھا کہ عنایہ کا غصہ کتنے درجے کا ہوتا ہے۔

عاصم تو جیسے ہر دو منٹ بعد موبائل چیک کر رہا تھا،

"اگر زید ان بھائی کو پتا چل گیا کہ میں بھی پلاننگ میں شامل تھا... اور یہ خبر میرے ہی خبری نے عنایہ بھابی تک پہنچائی تو سمجھ لو پاسپورٹ ضبط، اور میرا ڈی پورٹ ویزا بک!"

"اور دعا کرو ابھی تک کلب سلامت ہے... زید ان بھائی کا غصہ اگر کمرے میں بھی آجائے نا تو اے سی خود بخود بند ہو جاتا ہے!" عمار نے ہنسی روکتے ہوئے کہا، مگر سب کی سانس ایک لمحے کو رک گئی جیسے دل ہی دل میں ان کے الفاظ سچ ہونے لگے ہوں۔

"ویسے مناہل... تمہارا آئیڈیا تھا نا؟ اچھوٹی سی مستی؟"

اشعل نے بھنویں اچکا کر اسے گھورا۔

"میں نے صرف کہا تھا! تم لوگوں نے اسے فلمی سین بنا دیا! میں تو صرف ایک معصوم ماسٹر مائنڈ ہوں!"

مناہل نے نخرے سے کہا اور ناک اوپر اٹھالی۔

"ماسٹر ماسنڈ؟ تم ماسٹر ماسنڈ ہو تیں تو اب تک زیدان سے بچنے کا پلان بھی بنا لیتیں!"

ظفر نے قہقہہ مارا اور ہنسی کی ایک لہر پورے گروپ میں دوڑ گئی۔ "میں تو کہہ رہی ہوں کہ اگر زیدان بھائی کو پتہ چل گیا، تو ہمارے قل پڑھے میں دیر نہیں ہوگی!"

صنم نے ڈرامائی انداز میں سر آسمان کی طرف اٹھایا اور سب کی ہنسی ایک لمحے میں اڑن چھو ہو گئی۔

"یار مجھے تو سچ میں ڈر لگ رہا ہے، زیدان بھائی کی ایک نظر ہی کافی ہوتی ہے... اب تو اُس کا سایہ بھی مجھے ڈراؤنا لگنے لگا ہے!" اسامہ نے آہستہ سے کہا تو سب



خاموش ہو گئے۔ "میں سوری بولنے چلی جاؤں؟ پیاری سی مسکراہٹ دے کر کہوں، 'مزاق تھا بھیا'..."

حوریہ نے بچوں جیسے انداز میں کہا، مگر عاصم فوراً بولا، "اگر وہ مسکراہٹ پر معاف کرتے تو زیدان بھائی آج تک کتنے ہی لوگوں کو معاف کر دیتا!"

سب نے ایک دوسرے کو دیکھا، ایک لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ خوف، شرمندگی، اور بے وقوفی کا مکسچر ماحول پر چھا گیا تھا۔ "چلو طے ہو گیا... اگر زیدان بھائی کا فون آیا تو سب بولو 'نیٹ ورک پر اہلیم'!"

عمار نے مشورہ دیا۔ "نیٹ ورک پر اہلیم؟ زیدان بھائی کو تو WiFi بھی سیلوٹ مارتا ہے!"

اشعل کی بات پر سب کا قہقہہ نکل گیا۔ آخری قہقہہ، جو شاید اگلے طوفان سے پہلے کی خاموشی تھی...

کلب سے نکلنے کے بعد جب سب نے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھیں تو یوں لگا جیسے ہر ایک کو قبرستان جانا ہو — لیکن زندہ دفن ہونے کے لیے!" یار...

سیدھا گھر جا رہے ہیں یارستے میں وصیت بھی لکھوانی ہے؟"

عاصم نے ڈر کے مارے پوچھا، مگر کوئی ہنسا نہیں — سب کے چہروں پر صرف

ایک تاثر تھا: ڈر کا شہد میں بھیگا ہوا کڑوا ذائقہ۔

"تم سب اپنی اپنی غلطیوں کو ذہن میں تازہ رکھو... تاکہ زیدان بھائی کے سوالوں

کے جواب فوراً دے سکو!"

اسامہ نے سنجیدگی سے کہا، اور ہوریانے فوراً پیچھے ہٹ کر کہا، "میں نے صرف

سچ بولا تھا... سازش نہیں کی تھی!" اور وہ 'صرف' ہی کافی تھا زلزلہ لانے

کو!"

ظفر نے مناہل کی طرف دیکھ کر سر ہلایا جو مسلسل دعائیں پڑھتی جا رہی تھی۔

گھر کے قریب پہنچتے ہی، جب مین گیٹ کے باہر زیدان کے پرسنل گارڈز کھڑے نظر آئے، تو سب نے گاڑی کی کھڑکیوں سے ایسے جھانکنا شروع کیا جیسے کسی سسپنس فلم کی آخری قسط ہو۔ "یار... پوچھو نا اندر کیا چل رہا ہے..." ایشال نے ہولے سے کہا، جیسے آواز بھی اونچی ہوئی تو کوئی گولی چل جائے گی۔

عمار نے گارڈز کے پاس جا کر بڑی رازداری سے پوچھا،

"بھائی... اندر سب خیر ہے نا؟" گارڈ نے کندھے اچکا کر بڑی سنجیدگی سے

جواب دیا:

"ہاں جی... زیدان صاحب اور بی بی صاحبہ تو ابھی ریست کر رہے ہیں۔ کافی پیار سے سوئے ہیں، رات کو ایک ساتھ ڈنر بھی کیا۔"

یہ سنتے ہی سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"کیا؟ سو گئے؟ مطلب... نہ دھماکہ... نہ گولی... نہ گھورتی ہوئی آنکھیں؟" عاصم

نے ایسے کہا جیسے اُس کی سالگرہ کینسل ہو گئی ہو۔ "شکر ہے رب کا! ورنہ میں

نے تو دل ہی دل میں اپنا جنازہ بھی دیکھ لیا تھا۔"

اسامہ نے سینے پر ہاتھ مارا اور فوراً گاڑی کی طرف مڑا۔

"چلو بھائی... رفو چکر! جب خطرہ نہ ہو تو ہم ویسے ہی خطرہ کیوں لیں؟"

ظفر نے جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ "میں تو کل سے صدقہ بھی نکال رہی

ہوں... نیت تھی زیدان بھائی سے بچنے کی، اور مقصد پورا ہو گیا!"

صنم نے دُپٹہ سنبھالتے ہوئے کہا اور سب ہنسی میں پھٹ پڑے۔

جیسے ہی سب نے جلدی جلدی گاڑیاں اسٹارٹ کیں، اشعل نے آخری نظر گھر کی جانب ڈال کر کہا،

"یار... یہ محبت کا بخار بھی کبھی کبھی ہماری جان بچا لیتا ہے!" عمار نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا،

"اور کبھی جان لے لیتا ہے... بس آج قسمت اچھی تھی!"

سب گاڑیاں لیکر وہاں سے ایسے نکلے جیسے کسی بھوت گھر سے جان چھوٹ گئی ہو۔

پیچھے صرف وہی سناٹا رہ گیا... اور اگلے دن کے سورج کا انتظار... کیونکہ جو ہونا تھا،  
اب وہ صبح ہونا تھا...

سفید دبیز پردوں سے چھن کر آتی سورج کی کرنیں کمرے میں چمکتے فرش پر  
سنہری روشنی بکھیر رہی تھیں۔ کمرے میں خاموشی تھی، مگر ایک ایسی خاموشی  
جو سکون سے لبریز تھی۔ جیسے یہ لمحہ صرف ان دونوں کے لیے رکا ہوا ہو۔

بستر پر زیدان، نیم وا آنکھوں کے ساتھ، دھیرے سے کروٹ لیتے ہوئے  
جاگا۔ پہلا منظر جو اس کی آنکھوں میں اُترا... وہ عنایہ کا معصوم چہرہ تھا، جو سکون  
بھری نیند میں ہلکی ہلکی سانسیں لے رہا تھا۔

بال بکھرے ہوئے، پلکیں بند، اور ماتھے پر سکون کی جھلک... وہ ایک پل کو یوں  
ہی دیکھتا رہا...

پھر آہستہ سے جھک کر اُس کی پیشانی کو چھوا،



اور وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"صبح ہو گئی؟"

عناہ کی آواز نیند سے بوجھل تھی، مگر اس میں محبت کی وہ روشنی تھی جو زیدان کے دل میں اتر گئی۔ "تمہاری نیند کا وقت ختم، اور میری محبت کا آغاز..." زیدان کی آواز میں پہلی بار نرمی تھی، جو صرف اُس کے لیے تھی۔ عناہ نے شرما کر نظریں چرائیں، اور اٹھ کر واشروم کی طرف بڑھ گئی۔ کچھ دیر بعد دونوں تیار ہو کر نیچے ناشتے کی میز کی طرف چل دیے۔

نیچے پورا ہال سُنسان پڑا تھا۔

نہ کوئی خادمہ، نہ کوئی آواز، نہ ہوریا، نہ ظفر، نہ اسامہ... گویا سب کہیں غائب ہو چکے ہوں۔

عنایہ نے ارد گرد نظر دوڑائی، پھر زیدان کی طرف متجسس انداز میں دیکھتے ہوئے بولی:

"یہ سب کہاں گئے؟ آج تو محل میں غیر معمولی خاموشی ہے..."



زیدان کے ہونٹوں پر ایک عجیب سا تبسم ابھرا۔

اُس نے دیوار کے ایک طرف اشارہ کیا اور دھیرے سے بولا: "اپنی اپنی خیر منا رہے ہیں... سب کو یقین ہو گیا ہے کہ زیدان خان اب اُن پر ٹوٹنے والا ہے۔"

عنایہ نے حیرانی سے پوچھا:

"واقعی؟ مگر چھپے کہاں ہیں؟"

زیدان نے گردن ہلا کر دیوار کی سمت دیکھا:

"اسی دیوار کے پیچھے... میرے چوہے، سانس روک کر چھپے بیٹھے ہیں۔" ظفر دبا  
بیٹھا تھا، اسامہ نے جوتوں تک کی آواز روک رکھی تھی، اور عاصم کی بھوک اُس  
کی ہچکیوں سے ظاہر ہو رہی تھی۔ "یار، یہ دونوں کب ہٹیں گے ٹیبل سے؟  
بھوک سے آنکھیں دھندلا رہی ہیں!"



ظفر نے سرگوشی کی۔

"پچھلی رات کا پاپ نکل گیا... اب تو بس دعا کرو کہ زیدان بھول جائے  
ہمیں!" اسامہ نے بمشکل سانس لیتے ہوئے کہا۔ زیدان نے سکون سے ناشتہ  
مکمل کیا، پانی کا آخری گھونٹ لیا، اپنا رومال تہہ کر کے ایک طرف رکھا،

پھر کھڑا ہو کر بلند آواز میں بولا: "شائلی! ہم نے ناشتہ کر لیا ہے... اب یہ سب اٹھالو۔" عنایہ نے چونک کر اُسے دیکھا۔ "آپ کس سے کہہ رہے ہیں؟"

زیدان نے آنکھ مار کر آہستہ سے کہا:

"جن کے پیٹ میں بھوک کا بارات ہے... مگر حوصلہ چوہوں سے بھی کم۔" سب نے ایک ساتھ سانس چھوڑا۔

ظفر: "یہ تو سیدھا ہم سے مخاطب تھا... "عاصم: "یار، میں تو کہتا ہوں اب نکل چلیں عزت سے... ورنہ پکڑے گئے تو روٹی کی شکل بھی نصیب نہیں ہوگی۔" زیدان نے عنایہ کا ہاتھ تھاما اور آرام سے بولا: "چلو بیگم صاحبہ، اب آپ کا وقت شروع ہونے والا ہے..."

عنایہ کا چہرہ شرم سے لال ہو گیا، اور دل جیسے دھڑکنا بھول گیا ہو۔ زیدان اُسے ساتھ لیے چل دیا... اور دیوار کے پیچھے چھپے چہرے — محض نظروں سے —

معافی مانگنے لگے۔ شام کا وقت تھا، دھوپ اپنے آخری زرد لہجے میں گھروں کی چھتوں پر گرا رہی تھی۔ محل کے اندر ہر طرف سکون تھا مگر اس سکون میں ایک پراسراریت چھپی تھی۔

سب لوگ چھپ چھپ کر اپنے اپنے کمرے سے نکل رہے تھے، ہونٹوں پر مسکراہٹ اور دل میں چھپی ہوئی ہنسی۔ اُسامہ عمار عاصم حوریہ ظفر صنم مناہل ایشال یہ سب اُس وقت سے باہر ہی بھاگ رہے تھے کبھی کوئی کہیں چھپ رہا تھا تو کوئی کہیں چھپ رہا تھا۔

اب بھوک سے بہت بُرا حل ہو رہا تھا سب کو یقین تھا اس وقت ان کا سامنا زید ان سے نہیں ہوگا تو سب ڈرتے سنبھالتے مین ہال میں اے شیلی وہیں اپنے کام میں مصروف تھی۔ تبھی ظفر نے آگے ہوتا پوچھا بھائی اور بھابی کی کیا خبر ہے

جس پر شیلی نے زیدان کی رٹی ر آئی بات دھارادی سر اور میم توانج دوپہر میں ہی  
ہولڈے پر چلے گئے ہیں۔

ظفر نے جھکتے سے پیچھے موڑ سب کو دیکھا کسی کو بھی یقین نہ آیا بھلا اتنی آسانی  
سے جان بخشی کیسے ہو گئی۔ عمار خود آگئے ہوتا شیلی سے پھر پوچھا آپ سچ کہا رہی  
ہیں خان اور بھابی کہیں گھومنے چلے گئے ہیں۔ تو شیلی نے پھر وہی جواب دیا جی سر  
وہ چلے گئے ہیں انھوں نے مجھے سے کہا تھا آپ سب کو بتادوں کہ اُن کے انے  
تک نکاح کے سارے انتظام ہو جائیں۔ یہ سنا تھا کہ حور یہ اور اُسامہ کی چکھیں  
گو نجی۔۔۔ واؤ ویار ہم بچ گے۔ اُسامہ بولا۔

مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا ہم گاہر سے بچ گئے شیلی منہ نیچے کیسے ہنس رہی تھی وہ تو  
جانتی تھی ابھی کیا ہونے والا ہے حور یہ اگئے اتنی اور شیلی کو بولی جلدی سے گرما  
گرم مزے کا کھانا لے آو بہت بھوک لگی ہے۔ عاصم کو ہضم نہیں ہو رہا تھا کہ



اتنی آسانی سے زید ان نے معاف کر دیا ہو نہیں سکتا۔ عاصم عمار کی طرف جھکایا  
تجھے نہیں لگتا کچھ تو ایسا ہے جو بہت خطرناک ہے عمار نے بھی عاصم کی بات میں  
ہاں ملائی۔

شلی حوریہ کے کہنے پر کھانا لگنے کے لئے موڑی تو سر اٹھا کر اوپر کھڑے زید ان  
کو دیکھا جس نے اشارہ دیتے گو ہیڈ دیا۔ شلی مسکراتی وہاں سے کھانا لگانے چلی گئی  
۔ یہ سب اپنی اپنی سوچوں کو جھٹکتے ٹیبل کی طرف چل پڑے اب سب کچھ  
ریلکس تھے کہ کچھ دن تک انہیں خوف سے چھپنا نہیں پڑے گا۔ ابھی کھانا لگا ہی  
تھا سب اپنی اپنی کرسی کھینچ بیٹھے تھے۔

اُسامہ نے پانی گلاس میں ڈال پینا شروع ہی کیا تھا کہ جانی پہچانی وہی روب دار  
قدموں کی آواز پر سب ساکن ہو گئے اُسامہ نے گلاس منہ کو لگے ہوئے ہی آواز

انے والی سمت میں دیکھا اور اگلے ہی لمحے اس کے منہ سے پانی چھوڑتا سا تھ بیٹھی  
عاصم کو پورا بھگھوچکا تھا۔

سب کی ہی سانس روک گئی زیدان نے اسامہ کی حرکت پر اپنی ایک اتنی برو  
اچکائی کیا بات ہے لگتا ہے میرا بنا ہی رہنے کا ارادہ ہے سب کا۔ کیا بات ہے اتنی  
خاموشی کوئی مر گیا ہے کیا۔

جس پر عمار نے ہلکی سی سرگوشی کی ابھی تک تو نہیں پر اب پکا ہے کوئی مرے گا  
اس کی سرگوشی بہت ہلکی تھی پھر بھی زیدان نے سن لی تھی اور بولا تو ایسے کام  
کرنے نہیں تھے نہ۔ سب نے ایک دوسرے کو دیکھ زیدان کی پھر آواز گونجی  
کھانے کے بعد مجھے مین ہال میں سب چاہئے۔

رات کی تاریکی اپنے سیاہ پر پھیلائے ہر شے کو ساکت کر چکی تھی، مگر زیدان خانزادہ کی واپسی نے پورے محل میں سناٹا نہیں، لرزتا ہوا اضطراب بکھیر دیا تھا۔ کھانے کی میز پر بیٹھے چہروں پر ہنسی نہیں، بے یقینی کی جھلک تھی — اور آنکھوں میں... صرف خوف۔ "کھانے کے بعد، سب مین ہال میں چاہئیں..."

زیدان کے سر دلچے میں کہے گئے یہ چند الفاظ میز پر بیٹھے ہر وجود پر بجلی بن کر گرے۔



"یار... اب کیا ہوگا؟"

عاصم کی سرگوشی میں کپکپاہٹ تھی، نظریں عمار کی جانب اٹھیں۔ "یاوہ... جو ہم دل سے چاہتے ہیں، یاوہ... جس کا ہمیں کبھی اندازہ نہ تھا!"

عمار کی آواز میں بے رحم حقیقت کا وزن تھا۔ "ہم سے غلطی ہو گئی، ہے نا؟" حوریہ نے دھیرے سے صنم کے کان میں کہا، نظریں نیچی کیے۔

"غلطی؟"

صنم کی آواز میں بے بسی تھی،

"یہ تو صرف زید ان بھائی کا فیصلہ بتائے گا کہ یہ غلطی تھی... یا گناہ!" ظفر کا

حلق خشک ہو چکا تھا۔

"مجھے لگتا ہے ہماری موت کا حکم سنایا جا چکا ہے..."

"اور اگر ایسا ہوا..."

ایشال نے دھیمی ہنسی ہنس کر کہا،

"اگلی قسط میں ہماری لاشوں سے کہانی سنائی جائے گی!"

قدم اب مین ہال کی طرف بڑھ رہے تھے، مگر جیسے زمین بوجھ بن گئی ہو۔ اسامہ کو کچھ نہ سوچھا تو اس نے بہترین اداکاری کرنا آخری حال سوچا کیونکہ سب سے بڑی اگ تو اسی نے لگائی تھی۔ سب سوچ سوچ کر مین ہال کی جانب قدم رکھا رہے تھے کہ اسامہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ عورتوں کی طرح ڈراما کرنے لگا۔

مجھے۔۔۔ مجھے کچھ ہو رہا ہے۔ سب اس کی آواز پر اس کی طرف پلٹے۔۔۔ اسامہ۔۔۔ اس نے اداکاری جاری رکھی یارو تم لوگوں کے یار کا آخری دن ہے میں جا رہا ہوں۔ عاصم اس کی اداکاری دیکھ بولا بند کر ڈراما اس سے پہلے وہ جلادادھر ہی تجھے موت دے بیٹھے۔

اس کی بات پر اسامہ فوراً سیدھا ہوا لڑکیاں اس کا ڈراما دیکھ غصے سے اسے دیکھ رہی تھیں مناہل بولی پہلے ہی تم نے بہت کچرا کیا ہوا ہے بازاجاؤ تم خود تو مرو گئے

ہمیں بھی مروا گئے سب اب پھر حوصلہ کرتے آگئے بھرے دروازے پر  
زیدان کا سایہ کچھ اس انداز میں پڑ رہا تھا... جیسے وہاں انسان نہیں، قہر کھڑا ہو۔

"تو اب؟"

زیدان کی آواز گونجی،

"سب اپنے گناہوں کی سزا کے انتظار میں ہیں؟" کمرے میں موت کی سی  
خاموشی چھا گئی۔ سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، لیکن زبان کسی کی نہ  
کھلی پھر... زیدان کے لبوں پر ایک عجیب سا تبسم ابھرا۔ وہ تبسم، جو فیصلہ سنانے  
سے پہلے جلا دے چہرے پر آتا ہے۔



مجھے۔۔۔ مجھے کچھ ہو رہا ہے۔ سب اس کی آواز پر اس کی طرف پلٹے۔۔ اُسامہ  
 ۔۔ اس نے اداکاری جاری رکھی یارو تم لوگوں کے یار کا آخری دن ہے میں جا  
 رہا ہوں۔ عاصم اس کی اداکاری دیکھ بولا بند کر ڈراما اس سے پہلے وہ جلادادھر ہی  
 تجھے موت دے بیٹھے۔

اس کی بات پر اُسامہ فوراً سیدھا ہوا لڑکیاں اس کا ڈراما دیکھ غصے سے اسے دیکھ  
 رہی تھیں منابل بولی پہلے ہی تم نے بہت کچرا کیا ہوا ہے بازاجاؤ تم خود تو مرو گئے  
 ہمیں بھی مرواؤ گئے سب اب پھر حوصلہ کرتے آگئے بھرے دروازے پر  
 زیدان کا سایہ کچھ اس انداز میں پڑ رہا تھا۔۔۔ جیسے وہاں انسان نہیں، قہر کھڑا ہو۔

"تو اب؟"

زیدان کی آواز گونجی،

"سب اپنے گناہوں کی سزا کے انتظار میں ہیں؟" کمرے میں موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، لیکن زبان کسی کی نہ کھلی پھر... زیدان کے لبوں پر ایک عجیب سا تبسم ابھرا۔ وہ تبسم، جو فیصلہ سنانے سے پہلے جلاو کے چہرے پر آتا ہے۔

ہال میں سناٹا تھا... سانسیں تک رُک چکی تھیں...  
زیدان خانزادہ، اپنی سرد نگاہوں سے سب کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کی موجودگی ہی کمرے کے در و دیوار کو لرزا رہی تھی۔

"تم سب جانتے ہو... میں صرف ایک بار موقع دیتا ہوں... اور اُس کے بعد صرف سزا ہوتی ہے!"

زیدان کی آواز گونجی، جیسے موت کا فیصلہ سنایا جا رہا ہو۔

سب کی نظریں جھک گئیں۔ دل دھڑکنے لگے۔

زیدان نے ایک خاموشی کے بعد گہری سانس لے کر نظریں گھمائیں۔

"اسامہ... تمہارے لیے میں کچھ باہر، گردن میں، چھوڑ آیا ہوں... ذرا لے آؤ!"

اُس کی آواز میں عجیب سا سکون اور خطرناک خاموشی تھی۔

اسامہ نے ایک پل کو سنا... پھر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ اُس کے دل

میں یہ خیال آیا کہ شاید کوئی معمولی سی سزا یا معافی کی رسم ہو...

مگر جیسے ہی وہ درخت کے قریب پہنچا...

اچانک اُس کا پاؤں کچھ سخت سا محسوس ہوا۔

"آہہ"!!!

ایک لمحے میں وہ اُلٹا درخت سے لٹک چکا تھا... زیدان کی لگائی گئی رسی کے پھندے میں!

زمین اُس کے سر سے دور ہو چکی تھی اور چیخیں اُس کے منہ سے خود بہ خود نکل رہی تھیں۔

"زیدان بھائی! معاف کر دو یار! غلطی ہو گئی... جان بخشی کی درخواست ہے!" وہ ہنسی اور خوف کے بیچ کچھ ایسا انداز اختیار کر چکا تھا جو سب کو چونکا گیا۔

اب سب لوگ ہال سے باہر بھاگ کر اس منظر کی طرف لپکے...

مناہل نے فوراً موبائل نکال لیا اور ویڈیو بنانے لگی۔

"یار، دیکھو تو! کیا حال ہوا ہے اس کا..."

ایشال نے حیرت سے کہا۔

مگر وہاں موجود ایک اور چہرہ سفید پڑ چکا تھا...

"عاصم!"

زیدان نے سر دنگا ہوں سے اُسے دیکھا، جیسے اگلا شکار اُسے ہی بننا تھا۔

عاصم کو پسینہ آنے لگا... اُسے اچھی طرح یاد آ گیا کہ یہ ساری افواہ... بچلر پارٹی کی،

حوریہ تک پہنچانے والا، وہی تھا... اور یہی وہ چنگاری تھی جو جنگل میں آگ کی

طرح پھیل گئی تھی!

اب زیدان کا اگلا رخ حوریہ اور عاصم کی طرف تھا...

سزا صرف اسامہ کے لیے نہیں تھی...

ہنوز وہی سناٹا چھایا تھا... اسامہ درخت سے لٹک کر معافی کی بھیک مانگ رہا تھا،

اور زیدان خانزادہ اپنی سر دنگاہوں سے سب کے چہروں کو پرکھ رہا تھا...

پھر ایک زوردار تھپ کی آواز آئی... زیدان نے تالی بجائی۔

”سزا کا کھیل اب شروع ہوگا“...

سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں... لڑکیوں کی آنکھوں میں حیرت، اور

لڑکوں کی سانسیں تیز۔ دو گارڈز زیدان کے اشارے پر ہاتھ میں ہنٹر اور صفائی کا

سامان لیے اندر اے جنھیں دیکھ سب کی ہی سانس خشک ہو چکی تھی۔

”تم چاروں۔۔۔“ زیدان کی آواز کمرے میں گونجی،



”تم چاروں ایک دوسرے کو بیس، بیس ہنٹر مارو گے۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ یہ کوئی ڈرامہ نہیں۔۔۔ پورے ہاتھ سے، جیسے جان دشمن ہو۔۔۔ بیس ہنٹر سے ایک بھی کم ہوا تو پہلے ہنٹر سے پھر سزا شروع ہو جائے گی“

کمرے میں ایک پل کو موت سی خاموشی چھا گئی،  
پھر زیدان کی نگاہوں نے مزید وضاحت کی ضرورت نہ رہنے دی۔

”اور لڑکیاں۔۔۔ تم سب آج سارا گھر، پورا آنگن، برآمدے کے کونے،  
راہداری کے پلستر، سب کی صفائی کرو گی۔۔۔“

"اور صفائی مطلب، آئینہ ہونا چاہیے۔۔۔ اگر مٹی کی ایک لکیر بھی دکھ گئی۔۔۔  
تو سزا دینی ہوگی۔۔۔ اور یہ سزا اس لیے ہے کہ آئندہ تم میں سے کوئی بھی یہ  
وحیات کپڑے پہنے کا سوچو گئی بھی نہیں!"

صنم، ایشال، مناہل، حوریا۔۔۔ سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ "یہ...  
مذاق ہے؟" ایشال بڑبڑائی۔ "یہاں مذاق صرف موت کا ہوتا ہے۔۔۔ وہ بھی  
آخری بار۔۔۔"

زیدان کی سرد آواز نے ایشال کے چہرے سے رنگ چھین لیا۔

زیدان کے لیے شیلی کوئی لے آئی وہیں سامنے رکھے سیون سیٹر صوفے پر  
زیدان بیٹھا اور ہاتھ کے اشارے سے ظفر کو ہنٹراٹھانے کو بولا "شروعات کرو،  
ظفر۔۔۔"

زیدان کے حکم پر ظفر اپنے منہ میں اُسامہ کو بہت سارے القابات سے نوازتا اس کی طرف بھرا بھی ظفر نے ہنٹر چلیا بھی نہیں تھا

اُسامہ فوراً چیخا اوئے بڑا بھائی نہیں ہے رحم کھا۔ ظفر تپ کر بولا رحم اور تجھ پر دو دن بعد میری شادی ہے اور تیری وجہ سے میں اپنی دلہن کو ان زخموں کے ساتھ میلوں گا۔ "تجھے تو میں ویسے بھی بہت دنوں سے سیدھا کرنا چاہتا تھا۔۔۔"

زافر نے پہلا کوڑا پوری طاقت سے مارا۔

"آہہ۔۔۔!" اُسامہ کی چیخ پورے ہال میں گونجی۔ اپنی کمر پکڑا اُسامہ زمین پر لیٹنا گنڈا نس کرنے لگا۔

دوسری طرف عمار کے سامنے عاصم تھا۔ جو بیچارہ محبت میں زبان پھسل جانے

کی سزا پانے والا تھا

" اج کے بعد تو حوریہ کو ہماری خبر تو کیا اپنا بھی کچھ نہیں بتانے کی غلطی کرے

گا

عمار نے بھی پوری طاقت سے کوڑا مارا۔

جب عاصم اور اسامہ کی باری آئی، تو ظفر اور عمار کے انداز ہی بدل گئے۔۔۔

اُسامہ بولا "اب ہماری باری ہے نا۔۔۔ اب تم پر ہاتھ ہلکا نہیں ہوگا!" پھر وہ

دونوں ظفر اور عمار کو مارنے لگے، جیسے انتقام لے رہے ہوں۔

"ارے آہستہ یار!"

عاصم بولا "اووہو! خان نے کہا تھا پوری طاقت سے۔۔۔ اب برداشت کرو۔۔۔" پھر وہ چاروں ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ ہنسی، چیخیں، آہیں، سب ایک ساتھ ہال میں گونج رہے تھے۔۔۔ زیدان نے کرسی پر بیٹھ کر یہ منظر دیکھتے ہوئے کوئی کپ اٹھے بولا۔۔۔

“سزا بھی مکمل ہو۔۔۔ اور سبق بھی یاد رہے۔۔۔”



سب لڑکیاں ان کی سزا دیکھ جھرجھری لے رہی تھیں ان کو ایسے کرتے دیکھ زیدان کی روب دار آواز گونجی۔ "اب تم سب لڑکیاں۔۔۔ اپنی اپنی جھاڑو، کپڑا اور پوچالے آؤ۔۔۔" "حساب کتاب شام کو چیک ہوگا۔۔۔"

صنم نے اپنی نیل پالش والے ہاتھوں کو دیکھا۔۔۔

"میرے نیلز خراب ہو جائیں گے۔۔۔!" ایشال نے اپنی منی فورک کو

دیکھا۔۔۔ "یہ تو گھر کے کاموں کے لیے ہی نہیں بنی۔۔۔!"

مناہل زمین پر بیٹھتے ہوئے بڑبڑائی:

"مٹی میں ہاتھ ڈالنا؟ اوو گڈ! یہ بھی دن انے تھے۔!" حور یہ نے غصے میں کپڑا

اٹھایا اور کہا:

"اگر زید ان بھائی کو نہ روکا، تو یہ محل، قبر خنابن جائے گا!" لیکن کوئی کچھ نہ کہہ

سکا۔۔۔

کیونکہ دروازے کے پاس... سفید لباس میں کھڑی عنایہ نور، خاموش کھڑی، اپنی

شوہر کی یہ "فیصلہ کن عدالت" دیکھ رہی تھی۔



اس کی آنکھوں میں حیرت، دل میں ہلکی سی مسکراہٹ، اور چہرے پر وہی سکون، جسے صرف زید ان خانزادہ کی موجودگی سے محسوس کیا جاسکتا تھا... عنایہ کو سمجھ نہ آیا وہ خوش ہو یا دکھی اُسے دکھ تھا کہ ان سب کی وجہ سے اُس نے حرام چیز کو خود میں اتر اور زید ان کو غلط سمجھا ان کی باتوں کی وجہ سے پر اُسے ان کی سزا دیکھ برا بھی لگ رہا تھا۔ وہ روکنا چاہتی تھی پر اس وقت زید ان کو کچھ کہنے کی اس میں بھی ہمت نہیں تھی۔

ہال میں ایک عجیب سا سکوت چھا گیا تھا۔۔۔

زید ان کی عدالت برخواست ہو چکی تھی، مگر اس کے فیصلوں کی گونج اب بھی دیواروں سے ٹکرا رہی تھی۔

زمین پر بکھری چیخوں کی بازگشت،

کمر پر پڑے ہنٹروں کی لکیریں،

چہرے پر پھیلا خوف،

اور دلوں میں بیٹھا ہوا زیدان خانزادہ کا رعب۔۔۔

سب لڑکے ابھی تک سنبھل نہیں پائے تھے۔ ظفر اور عمار چپ چاپ بیٹھے تھے، جیسے وہ بھی زیدان کے حکم سے باہر نہیں نکلے تھے۔ اسامہ کمر پکڑ کر زمین پر لیٹا کراہ رہا تھا، "یار... میری توبہ کبھی کسی لڑکی کے قریب نہیں جاؤں گا... اب تو ہنسی بھی نہیں آرہی۔" عاصم اپنی شرٹ کے کنارے سے پسینہ صاف کرتا بولا، "میں نے اپنی زبان ہی کیوں نہ کاٹی اُس دن۔۔۔"

مگر سب کی نظریں ایک طرف تھیں...

جہاں سفید لباس میں عنایہ نور اب آہستہ آہستہ زیدان کی طرف بڑھ رہی تھی۔ زیدان، اب بھی کرسی پر بیٹھا، کوئی کا آخری سہ لے رہا تھا۔ اس کی نگاہیں سب پر تھیں، پر نظر صرف عنایہ پر رکی۔ عنایہ کچھ دیر خاموش کھڑی رہی...

پھر آہستہ سے بولی: "یہ سب ضروری تھا؟"

زیدان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا...

پھر دھیمی آواز میں بولا: "جو کچھ انہوں نے کیا یہ ضروری تھا... تاکہ آئندہ کے لیے یاد رہے زیدان خانزادہ کس بلا کا نام ہے"

عنایہ نے ابر واٹھائی...

"اچھا تو پھر کیا سزا ہونی چاہئے تاکہ آپ کو یاد رہے کہ کسی کو بھی خود کے پاس نہیں بھٹکنے دینا ہے۔" زیدان نے کوئی کاکپ میز پر رکھا... اور اٹھ کر اس کے قریب آیا۔

"میں تمہارا دل کبھی نہیں دکھا سکتا... لیکن سچ کے پردے میں لپٹے فریب کو اگر چیرنا پڑے، تو میں رحم نہیں کرتا۔ اور رہا سوال اُس لڑکی کا تو وہ خودائی تھی"

عنایہ کی آنکھیں نم ہو گئیں...

"بس مجھے اب کسی پہ رحم آرہا ہے... شاید خود پر بھی۔" زیدان نے اس کے ہاتھ تھامے...

"رحم عورت کی آنکھ میں ہو، تو محبت کہلاتا ہے... پر مرد کی عدالت میں؟ صرف سزا ہوتی ہے۔"

اتنے میں ظفر کی آواز آئی،

"خان! لڑکیاں کام شروع کر چکی ہیں۔۔۔ مناہل پوچھا لگا رہی ہے اور ایشال گانے گنگنار ہی ہے۔۔۔" زیدان کے لبوں پر ایک باریک سی مسکراہٹ ابھری:

"گنگنار ہی ہے؟ شاید سبق ابھی پورا نہیں ہوا۔۔۔"

عنایہ نے اس کے ہاتھ کو تھاما اور کہا:

"بس... زیدان... اب کافی ہے۔۔۔ ان سب نے سیکھ لیا۔۔۔"

زیدان کے چہرے پر سکون پھیل گیا۔ "ٹھیک ہے... شام کو صفائی چیک ہوگی،  
اگر سب درست ہوا... تو معافی بھی ہو سکتی ہے۔"

کمرے کے کسی کونے میں... صنم جھاڑو کے ساتھ سیلفی لینے کی کوشش کر رہی  
تھی،

"یہ لمحہ کبھی نہیں بھولوں گی۔۔۔" ایشال منی فورک چھوڑ کر برتن مانجھنے لگی:

"یہ خاندان... واقعی آخری سانس تک یاد رہے گا۔۔۔"

اور حوریہ؟ وہ خاموش بیٹھی تھی،

اب اُس کی آنکھوں میں شرمندگی، اور دل میں خوف تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ  
زیدان کی حدود صرف الفاظ نہیں، پوری سلطنت ہیں۔



زیدان کی عدالت کے فیصلے کے بعد سب نے اپنی اپنی جگہ سنبھالی۔ یہ ایک ایسا دن تھا جسے کوئی بھی بھول نہیں سکتا تھا۔ ہر کوئی اپنی غلطیوں کا حساب چکا رہا تھا، اور زیدان کی موجودگی نے سب کو یہ احساس دلایا کہ ان کے اعمال کے نتائج سے بچنا ممکن نہیں۔

عناہ نے زیدان کے ساتھ کھڑے ہو کر سب کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں ہمدردی تھی، زیدان نے عناہ کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا، "کبھی کبھی سختی ضروری ہوتی ہے، تاکہ لوگ اپنی حدود کو سمجھ سکیں۔"

سب لڑکیاں صفائی میں مصروف تھیں، اور لڑکے اپنی سزاؤں کے بعد آرام کر رہے تھے۔ ہر ایک کے دل میں ایک نیا عزم تھا کہ آئندہ ایسی غلطی نہیں دہرائیں گے۔ زیدان کی عدالت نے سب کو ایک سبق سکھادیا تھا، اور یہ سبق ہمیشہ کے لیے ان کے دلوں میں نقش ہو گیا تھا۔

شام کو جب صفائی مکمل ہوئی، زیدان نے سب کو جمع کیا اور کہا، "آج کا دن ایک یادگار سبق تھا۔ میں امید کرتا ہوں کہ آئندہ آپ سب اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں گے اور ان کا احترام کریں گے۔"

سب نے سر ہلایا، اور زیدان کی باتوں کو دل سے تسلیم کیا۔ زیدان نے عنایہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا، "محبت اور عدالت دونوں کی اپنی جگہ ہے، اور جب دونوں میں توازن ہو تو زندگی خوبصورت ہو جاتی ہے۔"

ڈھلتی شام کی ہلکی روشنی میں ظفر نے صنم کو چھت پر کھڑے پایا۔ وہ ہوا سے لڑتے دوپٹے کو سنبھالتی، خاموش نظروں سے آسمان کو تک رہی تھی۔ اس کی

آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی... جیسے کوئی ادھورا خواب تعبیر کے قریب ہو۔

ظفر آہستہ قدموں سے اُس کے قریب آیا اور نرم لہجے میں بولا: "صنم... تمہیں دیکھ کر لگتا ہے جیسے میری ہر ٹوٹی ہوئی دعا نے تمہارا نام لیا ہو۔" صنم نے نظریں جھکا کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا:

"اور تمہیں سن کر لگتا ہے... جیسے دل نے کوئی سکون پالیا ہو، ظفر۔" ظفر نے اُس کا ہاتھ تھاما اور کہا: "کبھی سوچا ہے... جب تم میرے نام کی مہندی لگاؤ گی، تب کیسا منظر ہوگا؟ میں تمہارے ہاتھوں کی لکیروں میں اپنی پوری دنیا دیکھوں گا۔"

"اور میں تمہاری آنکھوں میں اپنی تقدیر لکھا دیکھوں گی،" صنم نے دھیرے سے کہا۔ ہوا میں خاموشی گونج رہی تھی، اور وہ دونوں اس خاموشی میں ایک دوسرے کی دھڑکنیں سن رہے تھے... لفظوں کے بغیر ایک مکمل محبت کی زبان۔

رات کے سناٹے میں ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ چھت پر آسمان ستاروں سے سجا تھا، مگر ایشال کی آنکھوں میں جو چمک تھی، وہ ستاروں کو بھی شرمندہ کر رہی تھی۔ وہ بالکونی کی ریٹنگ سے ٹیک لگا کر کھڑی تھی، اور اُس کی نظریں دور کسی خیال میں کھوئی ہوئی تھیں۔

عمار خاموشی سے اُس کے قریب آیا۔ اُس کے قدموں کی چاپ سن کر بھی ایشال نے پلٹ کر نہیں دیکھا، مگر دل کی دھڑکن ضرور تیز ہو گئی۔

"سوچ رہی ہو؟" عمار نے ہولے سے کہا۔

ایشال نے بغیر اُس کی طرف دیکھے، دھیرے سے مسکرا کر کہا: "نہیں... محسوس کر رہی ہوں۔" "کیا؟" عمار نے قریب آ کر پوچھا۔ ایشال نے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"یہ رات... یہ ستارے... جیسے سب کچھ گواہ ہے کہ میری زندگی بدلنے والی ہے۔ تم آنے والے ہو میری دنیا میں... اور میں خود کو کسی خواب میں محسوس کر رہی ہوں۔" عمار اُس کی خاموشی کو سن رہا تھا۔ وہ لفظ کم بولتی تھی، مگر جو کہتی تھی، وہ دل میں اتر جاتا۔

"تم جانتی ہو؟"

"میں نے کبھی محبت کو چھوا نہیں، صرف محسوس کیا... اور وہ محسوسات ہمیشہ ایک ہی چہرے پر آکر ٹھہر جاتے تھے—تم پر۔" ایشال کی پلکیں جھک گئیں۔  
دل کی دھڑکن جیسے اس لمحے تھم سی گئی ہو۔

"عمار...""کیا واقعی ہم ایک دوسرے کی قسمت بننے جا رہے ہیں؟ کیا واقعی مجھے میری بچپن کی محبت ملنے والی ہے" عمار نے اُس کے بالوں کی ایک لٹ کو نرمی سے پیچھے کیا اور دھیرے سے بولا: "نہیں ایشال... ہم ایک دوسرے کی دعا بننے جا رہے ہیں۔ تقدیر تو بدلتی رہتی ہے... دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔"

وہ دونوں خاموش کھڑے تھے—جیسے وقت رُک گیا ہو، جیسے الفاظ کی ضرورت نہ ہو، جیسے دل خود ہی ایک دوسرے سے باتیں کر رہے ہوں۔ "جب تم میرے نام کا دوپٹہ اوڑھو گی... اُس دن میری دنیا مکمل ہو جائے گی،" عمار نے دھیرے سے کہا۔ ایشال نے دھیرے سے اپنی آنکھیں بند کر لیں—اور صرف



ایک جملہ دل میں بولا: "اے خدا... یہی خواب سچ کر دے، باقی سب تیرے حوالے۔"

صبح کی روشنی ہر سو پہل چکی تھی۔ پرائج پبلس میں الگ ہی سما تھا ہر طرف گھما گھی چھائی ہوئی تھی کیونکہ خانزادہ پبلس میں زیدان کے ساتھیوں کا جو اُس کے لیے خون کے رشتوں سے بھی زیادہ اہم تھے اُن کا نکاح تھا۔ کمی کا تو جواز ہی نہیں اٹھتا تھا پورا پبلس پھولوں برقی کوم کوم کی روشنیوں سے سجایا جا رہا تھا۔

عنا یہ اپنے کمرے میں کپڑوں میں اُلجھی ہوئی تھی تبھی زیدان اندر آیا سے اس طرح کپڑوں میں الجھادیکھ وہ مُسکرایا اور پیچھے سے آتے اس اپنے حصار میں لے لیا۔ کہاں اُلجھ گئی ہیں مسز خانزادہ۔۔۔۔۔

Click On The Link Above To Read More Novels / [0344 4499420](https://www.zubinovelzone.com/)

<https://www.zubinovelzone.com/>

عنایہ بچوں سامنہ بنا کر بولی زیدی دیکھیں نہ مجھے کچھ سمجھ ہی نہیں آرہا کے میں  
کیا پہنوں۔۔ سب نے اپنے اپنے کپڑے پسند کر لیے مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ  
رہا۔

زیدان نے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالوں میں  
بھرا اس کے ماتھے پر اپنے لب رکھے آپ کیوں ہوتی ہیں پریشان آپ کا زیدی  
ہے نہ۔۔۔ پر زیدی پرور کچھ نہیں اس میں سے مجھے بھی کچھ پسند نہیں آیا۔۔۔  
اب پھر۔۔ عنایہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

زیدان اندر گیا وارڈروب سے عنایہ کا سکارف لایا اور اُسے پہنانے لگا زیدی آپ  
یہ کیا کر رہے ہیں زیدان اپنے کام میں لگا رہا عنایہ کو سکارف بندھ اس کا ہاتھ تھم  
باہر کو چل پڑا ہم کہاں جا رہے ہیں جان اے زیدی آپ بس چلیں۔۔۔

زیدان عنایہ کو لیے گاڑی میں بیٹھا گاڑی بھی زیدان کو دیکھتے اس k پیچھے نکلا  
 پڑے اب زیدان کا رخ مال کی طرف تھا وہ عنایہ کے لئے خود شوپنگ کرنا چاہتا  
 تھا۔ وہ عنایہ کے پاس آیا بھی اُسے شاپنگ کے لئے ہی لیجانے آیا تھا جو آگئے پہلے  
 ہی کپڑوں میں اُبھی بیٹھی تھی۔



گاڑی ایک عالی شان، شاندار اور نگاہوں کو خیرہ کر دینے والے مال کے سامنے  
 رکی۔۔۔

— "Al Zahab Grand Gallery" دبئی کا وہ مال جس کے در  
 و دیوار بھی سونے کے جیسے چمکتے تھے۔ ہر اینگل سے امیری، ہر قدم پہ وقار —  
 اور زیدان خانزادہ نے آج اپنی ملکہ کو اسی تاج محل میں خریداری کروانے لایا  
 تھا۔

گارڈ نے گاڑی کے دروازے کھولے، پہلا قدم زیدان نے رکھا، دوسرا عنایہ نے۔۔۔

لیکن اندر کا منظر گویا جنت کا ایک اور ہی رنگ تھا۔

پرفیوم کی مدھم خوشبو، آرکیڈکچر میں سنہری کشادگی، بلند شیشے کی چھتیں اور روشنیوں کے سائے— ہر طرف مہنگے برانڈز کی دکانیں، جو خاص لوگوں کے لیے ہی کھلتی تھیں۔

اور آج، وہ دکانیں صرف "Mrs. Khanzada" کے لیے کھولی گئیں تھیں۔

زیدان عنایہ کے ہاتھ تھامے ایسے لے جا رہا تھا جیسے کسی رانی کو تاج کے انتخاب کے لیے لایا گیا ہو۔

"آج جو پہنو گی، وہ صرف تمہاری خوشی کے لیے ہو گا۔ کسی رسم کے لیے نہیں۔۔۔ بلکہ میری نظر کے لیے، میری پسند کے لیے..."

زیدان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی محبت کی چمک تھی، جو صرف اُس کی عنایہ کے لیے مخصوص تھی۔



عنایہ حیرت سے چاروں طرف دیکھتی جا رہی تھی،

"زیدی... یہ سب؟ میرے لیے؟"

زیدان نے اس کا چہرہ تھاما،

"یہ سب کچھ تو تمہارے ایک اشارے پر قربان... پر تمہاری مسکراہٹ کا کوئی مول نہیں عنایہ..."

پہلی شاپ میں داخل ہوتے ہی مہنگے ترین جوڑوں کی لائن تھی، جن پر خالص ہاتھ کا کام، نفیس زری، اور کندن لگا ہوا تھا۔

عنایہ کو ہر لباس ایک کہانی لگ رہا تھا... اور زیدان کی نظریں صرف اس کے چہرے پر تھیں—جو اس کی خوشی دیکھ کر چمک رہا تھا۔

"میری دنیا کو رنگ دینے کے لیے، تمہیں صرف رنگ چننے ہیں، باقی سب میرا کام ہے..."

اس کے یہ الفاظ عنایہ کے دل میں اتر گئے۔



عنا یہ اب تک مال میں ادھر سے ادھر صرف پھر ہی رہی تھی۔ ہر چیز کو ہاتھ لگا کر واپس رکھ دیتی۔۔۔ چہرے پر ہلکی الجھن تھی، وہ ہر شے کو دیکھ کر بس یہی سوچتی "یہ سب بہت مہنگا ہے"۔۔۔

جبکہ زیدان جو خاموشی سے اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا، وہ عنایہ کی ہر ادا، ہر نگاہ کو پڑھ رہا تھا۔

جس چیز کو وہ تھوڑی دیر تھا متی، اُسے دیکھتی یا ہلکی سی مسکراہٹ دیتی۔

زیدان بغیر کچھ کہے، shopkeeper کو ہلکے سے اشارہ کرتا، اور وہ چیز فوراً pack ہو جاتی۔

عنا یہ کو اس کھیل کا ذرا بھی علم نہ تھا۔

تبھی زیدان کی نظر ایک نازک مگر دلکش جڑے پر پڑی— شربتی رنگ کے پیور سلک کا مہنگا فرائیڈ، جس پر کندن، دھاگے اور زری کا کام گویا روح سے کیا گیا ہو۔

پھولوں کی بلیں اس پر ایسے گندہ می تھیں جیسے بہار کسی لباس میں ڈھل گئی ہو۔

عناہ اس وقت ایک طرف کھڑی جویلری دیکھنے میں مگن تھی، جبکہ زیدان وہ لباس چپکے سے خریدنے جا چکا تھا۔

لباس کو خاص wrapping میں بند کروا کے وہ واپس آیا، اور عناہ ابھی بھی اسی میں کھوئی ہوئی تھی۔

زیدان اب اسے ساتھ لیے ایک اصل جویری شاپ میں لے آیا، جہاں کا درو دیوار خالص لکڑی، شیشہ اور گولڈن لائٹنگ سے آراستہ تھا۔

چھت پر لٹکتے فانوس، فرش پر بچھا تر کی قالین، اور دیواروں پر لگے soft gold lamps — ہر شے گویا شاہی خواب لگ رہی تھی۔

Shop owner خود زیدان کو دیکھتے ہی آگے آیا،

"Mr. Khanzada, it's an honour."

زیدان نے بس ہلکی سی نگاہ کی، اور وہ شخص عنایہ کے آگے اپنی شاپ کے سب سے خوبصورت ہیروں اور زمرہ کے سیٹ رکھ گیا۔

عنایہ نے حیرانی سے دیکھا، پروہ سیٹ اس کے لیے بھاری تھے،

"زیدی... یہ بہت بھاری ہیں۔ مجھے اتنی بھاری چیزیں پسند نہیں۔۔۔"

زیدان نے اُس کے گرد بازو کا حصار بنایا اور نرم لہجے میں بولا،

"کیا ہوا جان؟ پریشان کیوں ہو؟"

"بس زیدی، مجھے یہ سب بھاری لگتا ہے، میں اتنی بھاری نہیں ہوں۔۔۔"

زیدان جانتا تھا کہ اس کی بیوی جتنی نازک ہے، وہ اتنی ہی نازک چیزیں پسند کرتی ہے۔

اس نے فوراً shop owner کو ایک اشارہ دیا، اور وہ بندہ اپنی شاپ کے

سب سے منفرد، نرم و لطیف، ہلکے اور خالص ڈائمنڈ والے luxury

sets لے آیا۔

اب عنایہ کی آنکھوں میں چمک آگئی۔

پہلے وہ خوش ہوئی، پھر رُک سی گئی۔

"زیدی... آپ ہی کیوں نہ پسند کریں؟

زید ان کو جیسے ساری دنیا مل گئی ہو،

کہ اُس کی بیوی نے مہنگی ترین چیزوں میں بھی اس کی پسند کو ترجیح دی۔

اس نے ان میں سے دو سیٹس پسند کیے:

❀ پہلا سیٹ:

نرم گلابی رنگ کی پیور ڈائمنڈ نیل لائننگ، جس کے پتے زری کے دھاگوں سے

جڑے تھے، اور ہر نگینہ چاندنی کی طرح چمک رہا تھا۔

❀ دوسرا سیٹ:

زمردی سبز رنگ کی بلیں، باریک سفید موتیوں کی لڑی میں گندھی ہوئی، اور سینٹر میں ایک نرم سادل کی شکل کا stone، جو سانس روک دینے والا تھا۔

عنایہ نے پھر ہنستے ہوئے ضد کی،

"زیدی... بس! اب آپ نے میری shopping کر لی۔ اب میں آپ کی کروں گی۔۔۔"

زیدان پہلے تھوڑا جھجکا،

"نہیں جان، رہنے دو..."

پر عنایہ کی معصوم صورت دیکھ کر وہ ہار گیا۔

اب وہ دونوں زیدان کے لیے شاپنگ کرنے لگے۔



عنایہ نے حیرت انگیز طور پر ایک خالص کاٹن کی سفید شلوار قمیض نکالی،

زیدان نے حیرت سے پوچھا،

"یہ میرے لیے؟"

عنایہ نے شرماتے ہوئے کہا،

"زیدی... جب آپ ہنزہ آئے تھے، تب آپ نے شلوار قمیض پہنی تھی۔ آپ مجھے دل سے اچھے لگے تھے۔ آج بھی وہی look دیکھنا چاہتی ہوں..."

زیدان کے دل کو ایک گہرا سکون سا ملا۔

کہ اُس کی ملکہ اُسے تب سے چاہتی ہے، جب وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

"جان، اب تو بس دل کرتا ہے ہر دن شلوار قمیض پہنوں۔۔۔ کیونکہ یہ خواہش

تمہاری ہے۔۔۔"

اور وہ دل کھول کے کئی رنگوں کی شلوار قمیضیں خریدنے لگا۔

شاپنگ کے بعد عنایہ کو بھوک لگ گئی،

زیدان اُسے لے کر ایک خاص family restaurant میں آیا،

جو mall کے اندر ہی تھا، مگر اُس کی سادگی اور شاندار آرائش نے دل جیت

لیا۔

وہاں زیدان نے ایک پرائیوٹ کبین بک کروایا۔

عنایہ تو بس اُس جگہ کی خوبصورتی میں کھوئی ہوئی تھی اتنے میں تین ویٹر نوک

کرتے اندر آئے اور میز کھانے کے لوازمات سے بھر کر چلے گئے۔ عنایہ کھانے

کی خوشبو کا مزہ لے رہی تھی کہ زیدان نے جھٹکے سے اسے کھینچ اپنی گود میں بیٹھ لیا

عنا یہ اس اچانک افدت پر بو کھللی زیدی چھوڑے مجھے کوئی اجاے گا بیٹھی رہیں یہاں کوئی نہیں اے گا ہمارے ہوتے یہ کہتے زیدان نے عنا یہ کو اپنی گود میں بٹھا کر نرمی سے نوالہ بنا کے کھلانے لگا۔ عنا یہ شرماتے ہوئے ہنس رہی تھی، اور زیدان کی آنکھوں میں آج صرف سکون تھا...

کہ شاید...

اب وہ غلط فہمیاں مٹ چکی تھیں...

اب بچ میں صرف محبت کا رشتہ بچا تھا—

نرم، نازک، سچا اور مکمل۔

ڈنر کے بعد عنایہ نے تھکن کے مارے زیدان کے کندھے پر اپنا سر رکھ دیا تھا۔ وہ لمحہ اتنا خاموش اور پرسکون تھا کہ زیدان کو لگا وقت تھم گیا ہے۔ عنایہ کی سانسیں، زیدان کی دھڑکن بن چکی تھیں۔

زیدان نے نرمی سے اس کے ہاتھوں کو تھاما اور دھیرے سے بولا:

"جان... چلو تمہیں کچھ دکھاتا ہوں، تمہارا زیدی تمہارے لیے ایک چھوٹا سا تحفہ لایا ہے۔"

عنایہ نے حیرانی سے دیکھا، مگر کچھ نہ پوچھا۔ اسے اپنے زیدان پر مکمل بھروسہ تھا۔ گاڑی میں بیٹھ کر وہ لوگ مال کے پچھلے حصے سے ہوتے ہوئے سمندر کنارے ایک سنسان راستے کی طرف بڑھے۔

کچھ ہی لمحوں میں وہ ایک خوبصورت اور پرائیویٹ بیچ ولا کے سامنے کھڑے تھے۔ جہاں صرف ان دونوں کے لیے ایک خوبصورت سا کینڈل لائٹ ڈنر سیٹ اپ کیا گیا تھا۔ چاند کی روشنی، سمندر کی لہریں، خوشبودار پھولوں کی مہک، اور دونوں کی خاموشی... جیسے وقت بھی انہیں دیکھ کر رک گیا ہو۔

زید ان نے عنایہ کا ہاتھ تھاما اور ساحل سمندر کے پاس لے آیا۔ وہاں سفید پردوں سے ڈھکا ایک خوبصورت میز سجا ہوا تھا، جس پر ایک چھوٹا سا کیک رکھا تھا۔ کیک پر صرف ایک لفظ لکھا تھا:

"میری دنیا"

عنایہ کی آنکھوں میں نمی آگئی۔

وہ دھیرے سے بولی:

"زیدی... یہ سب... میرے لیے؟"

زیدان نے اس کی نم پلکوں کو چومتے ہوئے کہا:

"جب تم میری ہو، تو دنیا کی ہر خوشی تمہاری ہے۔ اور میں... صرف تمہارا ہوں۔"

اسی لمحے آسمان پر رنگ برنگی آتش بازی چھوٹنے لگی۔ جیسے ان کے دلوں کی روشنی آسمان تک جا پہنچی ہو۔

عناہ نے زیدان کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا:

"مجھے کبھی چھوڑ کر مت جانا زیدی... تم میری عبادت ہو۔"



زیدان نے اسے بانہوں میں لے کر اپنی پیشانی اس کی پیشانی سے ٹکاتے ہوئے  
فقط اتنا کہا:

"جان اے زیدی آپ میری اس اندھیری دنیا میں وہ روشنی ہیں جس نے  
میرے اندر موجود وحشت کو بھی سکون کی راحت دے دی ہے آپ زیدان کی  
سانس اس سینے میں دھڑکتا دل ہیں آپ سے پہلے یہ پتھر تھا آپ کی معصومیت  
نے اس پتھر میں بھی جان ڈال دی ہے میری روح کا سکون ہیں آپ جان اے  
زیدی زیدان آپ تک آنے والے ہر طوفان کو موڑ دے گا۔"

عناہ کی آنکھیں محبت کے اس خوبصورت اطراف پر نمی سے چھلکنے لگی جن کو  
زمین کی زینت ہونے سے پہلے زیدان نے اپنے لبوں سے چن لیا۔ عناہ کو زیدان  
کے ایک ایک لفظ پر دل سے یقین تھا پری تو وقت ہی بتانے والا تھا کہ زیدان کے  
الفاظ کسے اسی کے منہ پر تماچہ بن کر لگنے والے ہیں۔

لیکن...

اسی وقت دبئی کے ایک تاریک گوشے میں سردار کے کارندے ایک نیا منصوبہ بنا رہے تھے۔

زیدان کا سب سے بڑا دشمن... سردار

اب صرف زیدان کے عشق کا امتحان نہیں لے گا...  
بلکہ عنایہ کی زندگی بھی خطرے میں پڑنے والی تھی...

کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا...

صرف سگریٹ کی ہلکی سی چمک میں ایک چہرہ واضح ہو رہا تھا... وہی چہرہ، جس کے تصور سے زیدان خانزادہ جیسے آدمی کی دھڑکن بھی لمحہ بھر کو رک جائے۔

سردار عباد اللہ۔

وہ جو ماضی کی خاک میں دفن ہو چکا تھا،

اب دوبارہ زندہ ہو چکا تھا... اور اس بار،

خاموش نہیں، طوفانی واپسی کا ارادہ لیے۔

اس کے لبوں سے زہریلی مسکراہٹ نکلی،

"زایدان... تم نے سمجھا کہ تم جیت گئے؟

یہ تمہارا غرور ہے... یا بھول؟"

وہ کرسی پر بیٹھا، سگریٹ کا کش لیتا،

دیوار پر لگی زایدان اور اس کے قریبی لوگوں کی تصویروں کو گھورتا رہا۔

"اب میں واپسی نہیں کر رہا..."

اب میں اختتام لکھنے آ رہا ہوں۔"

اس کے گرد بیٹھے وفادار بھیڑے...

خاموش تھے، مگر ان کی آنکھوں میں بھی وہی پیاس تھی... خون کی پیاس۔ "شکار کا وقت ہو گیا ہے..."

لیکن اس بار شکار صرف جسم نہیں...

دل، رشتے، سکون... سب کو روند ڈالوں گا۔"

ایک پل کو کمرہ مزید سناٹے میں ڈوب گیا...

پھر وہ اٹھا، جیسے رات کے سناٹے میں کسی جن کا سایہ ہلتا ہے...

"اب کی بار، زایدان کی دنیا چاروں طرف سے لرزے گی... لیکن اسے خبر تک نہ ہوگی..."

\*\*

دور کہیں، دبئی کی روشن گلیوں میں

زایدان اپنی دنیا میں مصروف تھا...

انایا کے ساتھ چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو چھپ کر محسوس کرتے، زندگی کی کچھ

سانسیں سکون سے گزار رہا تھا۔ مگر اسے خبر نہیں تھی کہ

وہ سکون، ایک نئے طوفان کا خاموش وقفہ تھا۔

اور سچ یہ تھا... سردار عباد اللہ لوٹ آیا تھا... اور اس بار... وہ ختم کرنے آیا تھا۔

زیدان، عنایہ کو شاپنگ کروانے کے بعد واپس "پلیس" لے آیا۔ گاڑی کے اندر ہنسی، شرارت اور خاموش خوشیوں کی مہک بسی ہوئی تھی۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئے، مرکزی ہال سے ڈھول کی گونج سنائی دی۔ لڑکے لڑکیاں سب خوشی سے بھنگڑا ڈال رہے تھے، رنگ برنگے لباسوں میں زندگی کی رونق جھلک رہی تھی۔

پلیس کا داخلی حصہ پھولوں اور برقی کوم کوم روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ عنایہ کی آنکھیں چمکیں، جیسے اندر کا بچپنا جاگ اٹھا ہو۔ وہ خوشی سے زیدان کا ہاتھ چھوڑ کر بچوں کی طرح دوڑتی ہوئی اُس ہجوم میں شامل ہو گئی۔

Click On The Link Above To Read More Novels / [0344 4499420](https://www.zubinovelszone.com/)

<https://www.zubinovelszone.com/>



زیدان، تھوڑا پیچھے کھڑا، کچھ لمحے بس اُسے دیکھتا رہا۔ اُس کے چہرے پر برسوں بعد ایک سکون بھری مسکراہٹ تھی۔ ایسی جو کسی زخم کے بھرنے کے بعد آتی ہے، جیسے کسی ویران دل میں پہلی بار کوئی قہقہہ گونجا ہو۔

عنایہ اپنے مخصوص معصوم انداز میں سب کے ساتھ جھوم رہی تھی، ظفر اُسامہ عاصم عمار ایک دوسرے کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ترکی انداز میں ایک ٹانگ پر گول گول اچھل رہے تھے داخلی دروازے پر زیدان کو کھڑا مسکراتے دیکھ ظفر اور اُسامہ، ہنستے ہوئے زیدان کے پاس آئے۔

"چل میرے شیر، آج سب کچھ چھوڑ، بس خوشی منا! آج تو تیرے یاروں کی شادی ہے"

اُنہوں نے اُسے کھینچ کر بیچ میں لا کھڑا کیا۔

پہلے پہل، زیدان صرف کھڑا سب کو دیکھتا رہا، لیکن جب عنایہ نے پیار سے ایک اشارہ کیا—دل کو چھو جانے والا وہ معصوم بلاوا—تو وہ بھی آہستہ سے اُس کے ساتھ جھومنے لگا۔

وہ عنایہ کا ہاتھ تھامے، اُس کے گرد گھومتا رہا۔ ڈھول کی تھاپ پر، بھنگڑے کے ہر قدم پر، جیسے پیلس کی دیواریں بھی خوشی سے جھوم رہی تھیں۔

زیدان کی پرانے گارڈز، جو برسوں سے اُس کے لیے جان دینے کو تیار تھے، آج اپنے کنگ کو یوں خوش دیکھ کر دعاؤں میں مصروف تھے۔ اُن کی آنکھوں میں فخر تھا، اور لبوں پر بے آواز مسکراہٹیں

لیکن — انہی خوشیوں کی گونج میں کوئی اپنے ناپاک ارادوں کے قدم رکھا چکا

تھا

دور کسی کونے میں، خوشیوں کی چمک تکتے ہوئے، ایک سیاہ سایہ ہنس رہا تھا۔

وہ سایا تھا "سردار" کا — زیدان کا دشمن، جو آج اپنے منصوبے پر عمل کر چکا

تھا۔ اپنی تزییل اُس حلق آمیز بیزاتی کا بدلا لینے کا وقت آگیا تھا اپنے ناپاک

ارادوں کو پایا تکمیل تک پہنچانے کے لیے وہ اپنا داؤ کھیل چکا تھا

Zubi Novels Zone

"پیس" کی سجاوٹ کے بہانے، اُس نے اپنے آدمی کو اندر بھیج دیا تھا — وہی

آدمی جس نے پیس کے مختلف حصوں میں بم نصب کیے، اور اپنی قمیض پر لگا ہوا

خفیہ کیمرہ آن کر کے سردار کو وہ سب کچھ دکھا رہا تھا۔

سردار، ایک ویران کمرے میں بیٹھا، اسکرین پر وہ خوشیاں دیکھ کر جیسے جلنے لگا ہو۔

اُس کی مٹھیاں بھنچ گئیں، آنکھیں سُرخ ہو گئیں، اور لبوں پر نفرت سے بُنا ہوا ایک زہر بھرا جملہ نکلا:

"زیدان! منالو جتنی خوشیاں منانی ہیں کیونکہ اس کے بعد صرف ماتم ہی ماتم ہوگا تو نے مجھ سے سب چھین لیا تھا... اب تیری ہر خوشی کو خاک میں ملا دوں گا۔"

اُس کی ہنسی گونجی — ایک شیطانی قہقہہ جو دل دہلا دینے والا تھا۔

قہقہہ جو اُس کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر واپس آیا، جیسے موت کی چاپ، جیسے طوفان سے پہلے کی خاموشی کو چیرتی ہوئی خبر۔

شام کے سائے ڈھل چکے تھے، پیلس کی فضا میں نکاح کی آخری تیاریاں پورے زور و شور سے جاری تھیں۔ ہر جانب ہلچل مچی تھی، روشنیوں سے سجا پیلس آج کسی خوابوں کے محل کی صورت اختیار کر چکا تھا۔

زیدان نے لڑکوں کی روانگی کے لیے فارم ہاؤس میں خصوصی انتظامات کر رکھے تھے تاکہ مکمل رسم و رواج کے مطابق بارات نکالی جاسکے۔ سبھی لڑکے تیار ہونے میں مصروف تھے، اور وہ خود بھی فارم ہاؤس کے ایک چھوٹے سے آفس میں بیٹھا تھا... مگر دماغ کہیں اور بھٹک رہا تھا۔

اچانک عنایہ کا خیال آیا، تو دل بے قرار ہوا اٹھا۔ اس نے جھٹ سے موبائل اٹھایا اور ویڈیو کال ملائی۔

اگلے ہی پل اسکرین پر وہ چہرہ نمودار ہوا، جس کے انتظار میں اس کی ہر گھڑی گزری تھی۔

عناہ مکمل تیار ہو چکی تھی... لیکن ابھی پردے کے پیچھے چھپی کھڑی تھی۔  
"پہچانو تو جانوں!" وہ شوخ لہجے میں بولی۔

زیدان کی سانس تھم گئی...

"پردے کے پیچھے کیا چھپا رکھا ہے؟ دکھاؤ تو سہی اپنی جھلک..."  
عناہ نے دھیرے سے پردہ سرکایا۔ اور زیدان کی دنیا پل میں تھم گئی۔

وہی لباس جو زیدان نے صبح اپنے ہاتھوں سے چُنا تھا، آج عناہ پر ایسے بیچ رہا تھا جیسے چاندنی کسی ویرانے پر اتر آئی ہو۔ سفید ستاروں کی چمک کے کا مدار لہنگے پر



جھلملاتی زری، ہاتھوں میں مہندی، ماتھے پر جھومر، اور جھیل سی آنکھوں میں وہ  
شر میلی چمک...

زیدان کا دل سینے سے نکل کر ہاتھوں میں آ جانے کو بیتاب ہوا اٹھا۔ "خدا کی قسم...  
دل کر رہا ہے ابھی آ جاؤں... ابھی!" وہ دھیمی آواز میں بولا۔

اور عنایہ نے ہنستے ہوئے انگلی اٹھائی، "نو پے! نکاح سے پہلے لڑکوں کا پیلس آنا  
منع ہے... یاد ہے نا، یہ رول آپ نے خود بنایا تھا؟" زیدان نے آہ بھر کر کہا، "یہ  
رول آج توڑنے کو جی چاہ رہا ہے..."

"توڑنے والے کو سزا بھی ملے گی!" عنایہ نے شرارت سے آنکھ ماری اور اچانک  
کال کاٹ دی۔

زید ان چند لمحے ساکت بیٹھا رہا... آپ نے جواگ لگائی ہے اسے اب آپ ہی  
ٹھنڈا کریں گی ایک گہری اہ بھرتے عنایہ کا معصوم چہرہ وہ قتل ادا میں یاد کر پھر  
بے قراری سے اٹھا اور خود تیار ہونے کے لیے بڑھ گیا۔

اب اسے جلدی تھی۔

جلدی بارات لے جانے کی،

جلدی اپنی عنایہ کو اپنی بانہوں میں لینے کی،

اور سب سے زیادہ...

اسے اپنی آنکھوں کی پیاس بجھانی تھی۔

فارم ہاؤس کی شام رخصتی کی تیاریوں میں جگمگا رہی تھی۔ ظفر نے سنہری زری  
والی شیر وانی زیب تن کی تھی، جبکہ عمار نے سفید شیر وانی پہنی ہوئی تھی، جس پر

باریک زری کا کام کیا گیا تھا۔ دونوں سر پر باندھے کلمے اور چمکتے جوتوں میں کسی سلطنت کے شہزادے لگ رہے تھے، جو آج اپنی شہزادیوں کو ہمیشہ کے لیے اپنا بنانے جا رہے تھے۔

زیدان نے آج عنایہ کے ساتھ میچنگ بناتے ہوئے ایک شاہی بلیک پرنس کوٹ پہنا تھا، جس کے بائیں سینے پر، دل کے عین اوپر، نفیس زری کے کام سے لکھا گیا تھا:

“Z Life I”

(یعنی زیدان کی زندگی عنایہ)

اس نے اپنی برینڈڈ گھڑی باندھی، بال جیل سے سیٹ کیے، اور اُس کے چہرے پر ایک ایسی خوشی چمک رہی تھی جیسے وقت نے خود اس کے لیے لمحے سنوارے ہوں۔

جب وہ فارم ہاؤس کے ہال سے سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آیا، تو ہر آنکھ بس اُسی پر ٹھہر گئی۔ وہ خوبرونو جوان، جسے دیکھ کر کوئی بھی دل دے بیٹھے۔ اُس کے قدم جیسے زمین پر نہیں، شان سے فضاؤں کو چھو رہے تھے۔

اب بارات نکلنے کو تیار تھی۔ مگر اسامہ کی موجودگی میں خاموشی ممکن کہاں تھی؟ جیسے ہی زیدان نیچے آیا، اسامہ کی آواز بلند ہوئی، اور ڈھول والے اندر آگئے، تیز شور کے ساتھ۔ اسامہ خود ناچتے ہوئے آگے بڑھا، اب اُسامہ تھا اور اس کے دھمکے تھے جنہیں دیکھ زیدان نے ہنستے ہوئے جیب سے نوٹوں کی گڈی نکالی اور اُس کے سر سے واری۔

عاصم اور اسامہ کی جو شیلے بھنگڑے دیکھ کر ظفر اور عمار بھی شامل ہو گئے۔ اور اس بار... زیدان خود بھی ان کے ساتھ دھمال ڈالنے لگا۔

ڈھول کی تھاپ پر، بارات فارم ہاؤس سے نکل کر پیلیس کی جانب چل پڑی۔ پھولوں سے سجی اعلیٰ نسل کی گاڑیوں کی ایک لمبی قطار اپنی پوری شان و شوکت روب اور دب دے سے شاہراہ سے گزرتی، نگاہوں کو خیرہ کرتی جا رہی تھی۔

زیدان نے گاڑی میں روڈ پر اتنی ہی عنایہ کو میسج بھیجا— کوئی جواب نہ آیا۔ کال کی... مگر دوسری جانب خاموشی تھی۔

اچانک زیدان کے دل میں ایک انجان سا وسوسہ جاگا۔ اُس نے فوراً اپنے سکیورٹی پرسن کو فون کیا، مگر وہ بھی بند!

”گاڑی کی رفتار بڑھاؤ!!” زیدان چیخا۔

دل جیسے کسی طوفان کی زد میں آگیا تھا، مسلسل فون مل رہا تھا— عنایہ،

سیکیورٹی، کوئی بھی جواب نہیں دے رہا تھا۔

جیسے ہی بارات کی گاڑیاں پیس کے قریب پہنچیں، زیدان کی آنکھوں نے دور

سے اٹھتے دھوئیں کے سیاہ بادل دیکھے— سانس جیسے رک سی گئی۔



دھوئیں کی کالی لکیر دیکھی— دھواں جو آسمان کو چیرتا ہوا اوپر جا رہا تھا۔

”کو...!!!“ زیدان کی آواز گاڑی کے شیشے چیرتی باہر نکلی۔

اس کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا، سانسیں جیسے رک گئی تھیں۔ پیس... جہاں کچھ

دیر پہلے خوشی کی گونج تھی، اب وہاں آگ اور دھوئیں کا راج تھا۔



گاڑیوں کی قطار رُک گئی۔ سب اترے، خوفزدہ آنکھوں سے پولیس کو تکتے۔  
ظفر، عمار، اسامہ اور عاصم کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ ایک لمحہ پہلے جو محل  
جشن کا منظر پیش کر رہا تھا، اب تباہی کی خوفناک تصویر بن چکا تھا۔

— زیدان دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر نکلا اور ہوا کو چیرتا ہوا دوڑ پڑا۔ باقی  
سب بھی اس کے پیچھے بھاگے۔

پولیس کے قریب پہنچتے ہی، لپٹوں کی روشنی اور حرارت بڑھتی جا رہی تھی۔ اور  
پھر... وہ منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔

پورا خان پولیس آگ کی لپیٹ میں جل رہا تھا۔

پیس کی حالات اس بات کی گواہی تھے کہ اسے بہت بڑی تباہی کا نشانہ بنایا گیا ہے سب طرف خون اور لاشیں تھیں پیس کے کئی در و دیوار ریزہ ریزہ ہو گئے جسے چیتھڑے بن کر ہر چیز اٹھ گئی تھی۔

زید ان کا دم گھٹ گیا، وہ پاگلوں کی طرح اپنا کوٹ اتارتا اندر کی جانب بھاگا۔ اسے نہ آگ کی پروا تھی نہ جان کی۔

"عنا یہ۔۔۔!!"



Zubi Novels Zone

وہ دیوانہ وار پکار رہا تھا۔

پیس میں شادی کی تیاری کے لیے خاص پکوان بنوانے کا انتظام کیا گیا تھا جس میں سلنڈر کا استعمال کیا جا رہا تھا آگ اب ان سلنڈر کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی ابھی وہ پیس کی طرف بھاگا ہی تھا کہ ایک اور زوردار دھماکہ ہوا دھماکے کی شدت نے زید ان کو دور جا پھکا۔

Click On The Link Above To Read More Novels / [0344 4499420](https://www.zubinovelszone.com/)

<https://www.zubinovelszone.com/>

زیدان اپنا سر سنبھالتا کھڑا ہوا اُس کے سر سے خون بہہ رہا تھا خون کی دھرا اس کے سر سے بھاتی اس کی ڈاہری میں سے گزرتا اُس کی گردن بھگور ہا تھا آنکھوں میں خوف اور درد کی کیفیت تھی درد کی لہر پورے جسم میں دوڑ رہی تھی پر وہ کسی بھی چیز کی پرواہ کیے بنا پھر سے پیلس کی طرف بھاگ۔ زیدان کو دیکھ کر ظفر اور اسامہ بھاگے اور اسے زبردستی پیچھے کھینچنے لگے۔

"چھوڑو مجھے! عنایہ اندر ہے!"

زیدان پھرے ہوئے شیر کی طرح جھپٹ رہا تھا، ہاتھ جھٹک رہا تھا، آنکھوں میں صرف درد تھا۔

وہ اس وقت کسی کے بس میں نہیں تھا اُس کے ہاوس سلب ہو چکے تھے اُس کی وحشت بھری ڈھار فضا کو چیرنے لگیں۔

ظفر، اُسامہ، عمار، عاصم — سب نے اسے روکا، پکڑا، واپس گھسیٹا... وہ پاگل  
شیر کی طرح ڈھار رہا تھا

" عنایہ !!! "

زیدان کی چنچیں آسمان تک سنائی دے رہی تھیں۔

ظفر نے سر پکڑ لیا۔ عمار زمین پر گرا بیٹھا۔

اُسامہ کی ہنسی آج خوف میں بدل چکی تھی۔

عاصم کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

سب ایک جیسے بکھرے ہوئے تھے۔ خوشیاں ماتم میں بدل چکی تھیں۔ ان سبھی

شہزادوں کی خوبصورت دنیا آج پھر اُن کی ہونے سے پہلے جلادی گئی۔ موت کا

طوفان اچکا تھا اب موت نگے پیروں ناچنے والی تھی اور نچانے والا صرف زیدان  
خانزادہ ثابت ہونے والا تھا۔

زیدان کی دنیا جیسے لمحوں میں بکھر چکی تھی، اس کی آنکھوں کے سامنے سب کچھ  
تباہ ہو چکا تھا۔ اس کی روح میں ایک بے چینی کی لہر دوڑ رہی تھی، جسے وہ کسی بھی  
طرح سے خاموش نہیں کر پا رہا تھا۔ انسوؤں کو اج باہر نکالنے کا راستہ مل چکا تھا۔

پیس کی تباہی نے سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ہر طرف افرا تفری کا عالم تھا، لوگ  
اگ بھجانے کی کوششیں کر رہے تھے اور زیدان کی آنکھوں کے سامنے اس کا  
خواب چکنا چور ہو چکا تھا۔ اس کے دل میں عنایہ کی سلامتی کے لیے دعا تھی، مگر  
اس لمحے اس کے پاس صرف بے بسی تھی۔

ظفر، عمار، اسامہ، اور عاصم نے زیدان کو سنبھالنے کی کوشش کی، مگر وہ خود بھی اس صدمے سے نڈھال تھے۔ ہر ایک کی آنکھوں میں قرب اور ٹوٹی محبت کی کرچیاں تھیں، اور دل میں ایک ہی سوال تھا: "یہ سب کیسے ہوا؟"

لڑکوں کی تمام رسمیں مکمل انداز میں ہو سکیں اس لیے زیدان نے سب لڑکوں کے لیے فارم ہاؤس میں انتظامات کروائے تھے۔ زیدان فارم ہاؤس کے چھوٹے سے آفس میں بیٹھا تھا اچانک عنایہ کا خیال آیا، تو دل بے قرار ہوا اٹھا۔ اس نے جھٹ سے موبائل اٹھایا اور ویڈیو کال ملائی۔

اگلے ہی پل اسکرین پر وہ چہرہ نمودار ہوا، جس کے انتظار میں اس کی ہر گھڑی گزری تھی۔

عنایہ مکمل تیار ہو چکی تھی... لیکن ابھی پردے کے پیچھے چھپی کھڑی تھی۔

Click On The Link Above To Read More Novels / ☎ / ✉ 0344 4499420

<https://www.zubinovelszone.com/>



"پہچانو تو جانوں!" وہ شوخ لہجے میں بولی۔

زیدان کی سانس تھم گئی...

"پردے کے پیچھے کیا چھپا رکھا ہے؟ دکھاؤ تو سہی اپنی جھلک..."

عنایہ نے دھیرے سے پردہ سرکایا۔ اور زیدان کی دنیا پل میں تھم گئی۔

وہی لباس جو زیدان نے صبح اپنے ہاتھوں سے چُنا تھا، آج عنایہ پر ایسے بیچ رہا تھا جیسے چاندنی کسی ویرانے پر اتر آئی ہو۔ سفید ستاروں کی چمک کے کا مدار لہنگے پر جھلملاتی زری، ہاتھوں میں مہندی، ماتھے پر جھومر، اور جھیل سی آنکھوں میں وہ شرمیلی چمک...

زیدان کا دل سینے سے نکل کر ہاتھوں میں آجانے کو بیتاب ہوا اٹھا۔ "خدا کی قسم...  
دل کر رہا ہے ابھی آجاؤں... ابھی!" وہ دھیمی آواز میں بولا۔

اور عنایہ نے ہنستے ہوئے انگلی اٹھائی، "نو پے! نکاح سے پہلے لڑکوں کا پیلس آنا  
منع ہے... یاد ہے نا، یہ رول آپ نے خود بنایا تھا؟" زیدان نے آہ بھر کر کہا، "یہ  
رول آج توڑنے کو جی چاہ رہا ہے..."

"توڑنے والے کو سزا بھی ملے گی!" عنایہ نے شرارت سے آنکھ ماری اور اچانک  
کال کاٹ دی۔

عنایہ ہنستی ہوئی اٹھی... مگر اگلے ہی پل اُس کا سر چکرایا۔ وہ سنبھلنے کے لیے  
ڈریسنگ ٹیبل کے پاس بیٹھ گئی۔ سینے میں گھٹن محسوس ہو رہی تھی... اور پھر  
اچانک اُسے متلی آئی۔ عنایہ واش روم کی طرف دوڑ گئی۔ کچھ دیر بعد، وہ واپس

آئی... چہرہ پسینے سے بھیگا ہوا... مگر آنکھوں میں روشنی تھی، لبوں پر مسکراہٹ۔ اللہ نے انہیں اولاد کی خوشخبری دی تھی۔

عنا یہ خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے شرمائی۔ اب بس ایک ہی خواہش دل میں تھی۔ یہ خوشخبری زیدان کو سنانا۔

---

دوسری طرف، صنم اور ایشال تیار ہو چکی تھیں۔

صنم نے سرخ و سنہری لباس پہنا، جس پر دیکے کا نفیس کام چمک رہا تھا۔ ماتھے پر پٹی، ناک میں نازک نوزپن، اور گلے میں جھمکوں کے ساتھ وہ کسی ملکہ کی مانند لگ رہی تھی۔

ایشال نے سفید شرارہ پہنا تھا، جس پر سنہری زری چمک رہی تھی۔ ہاتھوں میں پھولوں کے گجرے... اور ہنستی آنکھوں میں مہندی کی مہک... جیسے جنت کی ہور اتر آئی ہو۔

عنایہ نے دونوں کو پیار سے دیکھا، اور ان کے ماتھے پر بوسہ دے کر کہا:

"میری شہزادیوں... آج تم دونوں دلوں پر راج کرو گی!"

منابل اور حوریہ بھی پاس ہی بیٹھی تھیں۔ سب ہنسی مذاق میں مصروف تھیں...

خوشیاں اپنے عروج پر تھیں...

اور پھر — دھماکوں سے خان پیلس گونج اٹھا

دیواریں لرزا اٹھیں۔ روشنی ایک پل کو بجھ گئی۔ اور سب کچھ جیسے ساکت ہو گیا۔

"یہ... یہ کیا تھا؟" صنم کی آواز کپکپا گئی۔

عنایہ نے فوراً سب کو سمیٹا:

"جلدی! دروازے کی طرف چلو!"

دروازہ کھولتے ہی ایک گارڈ ہانپتا ہوا اندر آیا:

"میسرز... پلیز، فور آنکلیے... پیس پر حملہ ہو گیا ہے!"

ابھی وہ بول ہی رہا تھا کہ...

چند نقاب پوش اندر گھس آئے—اور گارڈ کو گولی ماردی۔ خون کی پھوار چھت پر جا لگی...



لڑکیوں کی چیخیں فضا چیر گئیں۔

---

عنایہ نے ہوش سنبھالا—اور سب کو دوسرے دروازے کی طرف کھینچا۔

پیس دھماکوں سے گونج رہا تھا۔ "کوئی نہ بھاگنے پائے!" نقاب پوش چیخا، "یہ

سب سردار کے لیے تحفے ہیں!" اور وہ ان کی طرف بھرا تو عنایہ نے قریب پڑا

شو پیس اٹھایا— اور ایک نقاب پوش کے سر پر مارا۔ وہ وہیں گر گیا۔ اس سے پہلے دوسرے قریب آتے، وہ سب ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے دوڑ پڑیں۔

---

پیس مکمل آگ کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ لڑکیاں دھوئیں اور شعلوں کے بیچ سے نکلتی جا رہی تھیں...

مگر حوریہ کا پاؤں لہنگے میں الجھ گیا— وہ گری، اور سب ساتھ گر پڑیں۔ حوریہ کے پاؤں میں شدید موج آچکی تھی۔ وہ درد سے تڑپ اٹھی۔

"اٹھو... اٹھو حوریہ!" عنایہ نے اسے سنبھالا...

لیکن پیچھے سے فائرنگ کی آوازیں قریب آرہی تھیں۔

اب یہ صرف دوڑ نہیں... یہ زندگی بچانے کی جنگ تھی۔



حور یہ درد کی لہر کو برداشت کرتی اٹھی عنایہ نے اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے  
کروس کر اُسے سہارا دیتی آگئے بھری عنایہ آگئے ہی بھر رہی تھی کہ ایک سردار  
کا آدمی عنایہ کی طرف خنجر لیے بھرا خنجر عنایہ کو لگتا اس سے پہلے ہی شیلی بھیج میں  
آگی اور خنجر کا ور خود پر لے لیا

عنایہ چیخی شیلی میم آپ پلڑ بھاگ جائیں یہاں سے انھیں میں روک لوں گی  
عنایہ نے نہیں میں سر ہلایا شیلی چیخی میم گووووووو۔۔۔ عنایہ اسی رفتار سے  
حور یہ اور باقی لڑکیوں کو سنبھالتی باہر کو بھاگی۔

شیلی پر ایک اور خنجر کا ور ہوا اور وہ زمین پر گر گئی اُسے وہیں پھنکتا وان لڑکیوں  
کے پیچھے بھاگا وہ سب آگ سے خود کو بچاتی باہر کو بھاگی لیکن تبھی سردار کے اور  
لوگ سامنے سے گاڑی سے چھلانگ لگاتے ان لڑکیوں کی طرف بھرے یہ

لوگ بہت مضبوط لگ رہے تھے لڑکیاں اس قدر پریشانی اور اگلے کے دھومیں کی وجہ سے نڈھال ہو چکی تھیں۔

سردار کے آدمی آگئے بھرے تو یہ پیچھے کو بھاگیں پر وہ ان تک ایک ہی جست میں ان کی گردنوں سے دبوچ چکے تھے۔ وہ چیخ رہی تھیں پر ان کی سننے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ اسی طرح انہیں کھینچتے گاڑیوں میں ڈالتے سردار کے گودام لے گئے

وہاں لے جا کر سبھی لڑکیوں کو ایک اندھیرے کمرے میں پھک دیتے ہیں ایک ادنیٰ خباثت لیے حوریہ کی طرف اتا ہے حوریہ ڈر کر مناہل کے پیچھے چھپتی ہے وہ پاس بیٹھتا حوریہ کی طرف ہاتھ بھرتا ہے جو عنایہ جھٹک دیتی ہے۔ تو وہ آدمی کمینی ہنسی ہنستے بولتا ہے تھوڑی دیر بعد تم میرے پاس ہی ہو گی۔ حوریہ اور ڈرتی ہے وہ ہنستا ان کو پاس سے اٹھتا دروازہ بند کرتا چالا گیا۔

حوریہ ہچکیوں سے رونے لگی۔ سب اُسے حوصلہ دیتے چپ کر وار ہی تھیں تبھی سردار دروازہ کھول اندر داخل ہوا اُس کے چہرے پر وہی کمینگی بھری مسکراہٹ ہوتی ہے۔ عنایہ آنکھوں میں غصہ لیئے سردار کی طرف دیکھتی ہے جیسے دیکھ سردار ڈرنے کی خوب اداکاری کرتا ہے۔

عنایہ نفرت سے سردار کی طرف دیکھتی ہے۔ سردار اپنے قدم صنم کی طرف بڑھاتا ہے۔ "آخر ہماری پھر ملاقات ہو ہی گئی۔" صنم خود کو اس کی غلیظ نظروں سے بچانے کی کوشش کر رہی ہوتی ہے۔

عنایہ اچانک سردار کو زور کا دھکا دیتی ہے، لڑکیوں کو پیچھے ہٹاتی ہے اور چیختی ہے: "یہ مت سمجھنا کہ ہمیں قید کر کے تم بچ جاؤ گے۔ تمہاری موت کسی بھی وقت

تمہارے سر پر آن کھڑی ہوگی۔ بہتر ہوگا اس سے بچنے کا سوچو اور دور رہو ان  
سب سے!"

اس کی دھمکی پر سردار قہقہہ لگاتا ہے: "کون آئے گا؟ زیدان؟ وہ زیدان خانزادہ  
جس کی اب تک راکھ بن چکی ہوگی؟"

اس کی بات پر عنایہ جھٹکے سے سراٹھاتی ہے، اس کی طرف دیکھتی ہے۔ عنایہ کی  
آنکھوں میں الجھن ہوتی ہے۔ سردار اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولتا  
ہے: "کیا ہوا؟ یقین نہیں آرہا؟ صحیح سنا تم نے... مرگیا زیدان خانزادہ۔"  
عنایہ چیختی ہے: "نہیں! نہیں! یہ نہیں ہو سکتا!"

سردار ہنستا ہے اور عنایہ کی حالت کا مزہ لیتا ہے۔ وہ اپنے آدمی کو اشارہ کرتا ہے، تو وہ فون پر ایک ویڈیو چلاتا ہے، جس میں فارم ہاؤس جل رہا ہوتا ہے اور وہاں لڑکے اور زیدان موجود ہوتے ہیں۔

(یہ دراصل جعلی ویڈیو تھی جو سردار نے عنایہ کو دکھا کر اس کا حوصلہ توڑنا چاہا تھا)

مگر یہ سب الٹا ہو گیا، کیونکہ عنایہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ ایک لمحے کو وہ ساکت ہو چکی تھی۔ اس کی سماعتوں میں صرف زیدان کی آواز گونج رہی تھی۔ دل و دماغ ابھی بھی ماننے کو تیار نہیں تھے کہ اس کا زیدان نہیں رہا۔

عنایہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ چہرہ بھیگ چکا تھا۔ باقی لڑکیوں کا بھی حوصلہ ٹوٹ رہا تھا۔ عنایہ نے سب کی طرف ایک نظر ڈالی، پھر اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا، اللہ کی دی نعمت اور اپنے زیدان کا وجود محسوس کیا۔

عنایہ نے گہرا سانس لیا اور اپنے اندر موجود وجود سے اس کے باپ کی موت کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ خون آلود آنکھیں کھولیں تو سردار کی زبان کو بریک لگ گئی۔ عنایہ کا وحشی روپ وہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا، مگر اس بار وہ پہلے سے بھی زیادہ خوفناک بن چکی تھی۔

سردار نے ہمت کر کے پھر کہا: "اب کوئی نہیں آئے گا تمہیں بچانے، بہتر ہوگا اپنے آپ کو میرے حوالے کر دو..."

ابھی وہ جملہ پورا بھی نہ کر پایا کہ عنایہ ایک ہی جست میں اس کی گردن دبوچ چکی تھی۔ سردار کے آدمی یہ دیکھ کر لپکے، مگر عنایہ نے زیدان کی ٹریننگ کے ذریعے سب کو دھول چٹادی۔ یہ دیکھ کر باقی لڑکیوں نے بھی آنسو پونچھے اور ہمت کر کے عنایہ کے ساتھ کھڑی ہو گئیں۔ اب وہ سب لڑ رہی تھیں اپنی عزت، وقار اور بقا کے لیے۔



عنایہ کی گرفت سردار کی گردن پر سخت ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر خون آلود آنکھیں تھیں۔ اچانک عنایہ کو ایسا لگا جیسے زیدان نے اسے پکارا ہو۔ وہ چونکی، اور سردار کی گردن پر گرفت ڈھیلی ہوئی۔ سردار نے اس کا فائدہ اٹھایا، عنایہ کو جھٹک کر باہر کی طرف بھاگا۔

عنایہ اس کے پیچھے دوڑی۔ آج وہ سردار کو موت کے گھاٹ اتار کر ہی دم لے گی۔ وہ سر پر کفن باندھ کر نکلی تھی۔

دوسری جانب زیدان پبلس میں جلتی آگ دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس کے کانوں میں مدد کی آواز گونجی۔ وہ شیلی کی آواز تھی۔ زیدان بھاگا، اسے راہداری میں ایک ہاتھ بلند نظر آیا۔ وہ شیلی تھی جو آخری سانسیں لے رہی تھی۔

زیدان نے اس کا سراپنی گود میں رکھا: "کس نے کیا یہ؟ بولو شیلی؟"

شلی ٹوٹے لفظوں میں بولی: "کنگ... سردار... کے... لوگ... سب  
... سب... کو لے گئے... انہیں... بچا... لو..."

سردار کا نام سنتے ہی زیدان کا خون کھول اٹھا۔ دل کو تسلی ہوئی کہ اس کی بیوی،  
محبت، عنایہ اور باقی سب لڑکیاں زندہ ہیں۔ شلی تکلیف میں تڑپ رہی تھی۔  
زیدان نے فوراً ایمبولینس والوں کے حوالے کیا اور خود اپنے ساتھیوں کے پاس  
بھاگا: "سب ہوش میں آؤ! وہ زندہ ہیں! سردار کے پاس ہیں!"

زیدان نے اسامہ کو کہا: "عنایہ کی لوکیشن نکالو فوراً۔"  
اسامہ فوراً گام میں لگ گیا اور چند لمحوں میں لوکیشن مل گئی، جو سردار کا گودام  
تھی۔

اب زیدان کی آنکھوں میں موت تھی، سردار کی موت!

گاڑیاں ہواؤں سے باتیں کر رہی تھیں۔ زیدان جیسے ہی گودام پہنچا، منظر دیکھ کر اس کے قدم زمین میں جم گئے۔ سب لڑکیاں سردار کے آدمیوں پر قہر بن کر ٹوٹ رہی تھیں۔ زیدان کو سامنے دیکھ کر لڑکیاں اس کی طرف بھاگیں۔ صنم بولی: "شکر ہے آپ سب ٹھیک ہیں، ہم تو امید ہی کھو چکے تھے۔"

زیدان کی نظریں عنایہ کو تلاش کر رہی تھیں۔ مناجل آگے ہوئی: "بھائی! بھابھی کو روک لیں... ان کے سر پر خون سوار ہے... وہ سردار کو مارنے اس کے پیچھے گئی ہیں۔"

زیدان کا پارا چڑھ گیا۔ اس نے بالوں میں ہاتھ مارا اور چیختا ہوا گاڑی کی طرف بڑھا۔ لوکیشن کے پیچھے وہ بھاگا۔

عناہ اور سردار کی گاڑیاں ایک دوسرے کا پیچھا کر رہی تھیں۔ سردار بار بار عناہ کی گاڑی کو ٹکرا رہا تھا۔ عناہ بھی پلٹ کر وہی کر رہی تھی۔ گاڑیاں تیز رفتاری کی وجہ سے ڈول رہی تھیں۔ زید ان بھی ان تک پہنچ چکا تھا۔

اچانک سردار نے فائر کیا، گولی عناہ کی گاڑی کے ٹائر پر لگی۔ گاڑی سردار کی گاڑی سے ٹکرا گئی اور پلٹتی ہوئی پل کی دیوار توڑ کر نیچے پانی میں جا گری۔

زید ان چیختا ہوا گاڑی سے باہر آیا "عناہ ہااا!!!"

وہ بنا کچھ بھی سوچے عناہ کی طرف بھاگا عناہ جو موت کی سامنے دیکھ اب مسکرا رہی تھی اُس کی سوچ کے مطابق یہ موت اُسے اُس کے زیدی سے جا ملے گی عناہ کی گاڑی مکمل کنٹرول کھو چکی تھی زید ان مسلسل بھاگتا عناہ کو پوکر رہا تھا اور اُسے نظروں کے سامنے عناہ گاڑی سمیت پول کی دیوار توڑتے پانی میں جا گری

باقی سا تھی جو اس کے پیچھے ہی رہے تھے وہ بھی عنایہ کی گاڑی پول سے گرتے دیکھ چکے تھے گاڑیوں روک وہ بھی نکلتے زیدان کی طرف بھاگی۔ بارش تیز ہو گئی تھی، آسمان بھی اس کی چیخ پر رو رہا تھا۔ زیدان بھاگتا ہوا گلے ہی لمحے اسی جگہ سے پانی میں کودا جہاں سے عنایہ کی گاڑی پانی میں گری تھی گاڑی گہرائی میں جا رہی تھی، پانی اندر بھر چکا تھا۔ عنایہ کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرا کر زخمی ہو چکا تھا، خون بہہ رہا تھا۔

عنایہ کی سانسیں بند ہو رہی تھیں۔ وہ خود کو بچا نہیں رہی تھی گاڑی کو گہرائی میں اترتا دیکھ عنایہ نے مسکراتے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا اور آنکھوں مند لیں زیدان کو پانی میں کود چکا تھا تیزی سے تیرتا عنایہ کی گاڑی کی طرف پہنچا۔ عنایہ کو ایسے آنکھیں بند کیے چہرے پر مسکراہٹ لیے دیکھ زیدان کا دل کٹ کر رہ گیا



زیدان عنایہ کی طرف ہوتی اس کی طرف کا دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگا کیونکہ گاڑی تیزی سے گہرائی میں اتر رہی تھی پانی کے دباؤ کی وجہ سے دروازہ نہیں کھول پارہا تھا عنایہ نے کی اب سانس یو کرائن چکی تھی پانی اس کی اندر بھر گیا تھا وہ اپنا گلا پکڑ آنکھیں کھول گئی اور اپنے سامنے زیدان کو دیکھ اس کی آنکھیں بہنے لگی عنایہ سمجھائی زیدان اُسے اپنے ساتھ لے جانے آیا ہے عنایہ شیشے پر ہاتھ رکھ مسکرا کر زیدان کو دیکھ رہی تھی اس کا ایسے مسکرا کر زیدان کو اور پاگل کر گیا زیدان نے اپنی گن سے شیشہ توڑنا، شروع کر دیا عنایہ کا جسم اب آخری جھٹکے لے رہا تھا زیدان کا ہاتھ زخمی ہو چکا تھا گاڑی ک اندر بھی پانی ہونے اسے شیشہ توڑنے میں بہت طاقت لگا رہی تھی عنایہ نے ایک آخری جھکا لیا اور پھر اُس کی گردن ایک طرف کو گر گئی یہ دیکھ زیدان چکھا اور پوری طاقت لگا کر گاڑی کا شیشہ اپنی فولاد جیسی خونی سے توڑتا ہوا تھا اندر ڈال کر دروازہ کھولا۔ سیٹ بیلٹ



کھول کر عنایہ کو باہر نکالا۔ اسے کندھے پر رکھ کر کنارے کی طرف تیرنے لگا۔ گاڑی تیزی سے گہرائی کی نظر ہو رہی تھی۔

باہر پول کے اُس کنارے پر کھڑے زیدان ک سبھی ساتھ ہی پانی کی سطح پر زیدان کو دیکھ فوراً اسے اُس کی مدد کرنے کے لیے نیچے کو بھاگے۔ زیدان عنایہ کو لئے کنارے پر ایاز مین پر آکر اس نے عنایہ کو لٹایا، اس کا سر گود میں رکھا: "عنایہ! سانس لو! پلیز۔۔۔ سانس لو دمید۔۔۔ وہ چکھا واپس آ جاؤ! اتنا مضبوط انسان آج بچوں کی طرح رو رہا تھا چکھنے کی وجہ سے اس کے گلے میں خراشیں پڑ گئی تھیں تمہارا زیدی مر جائے گا! میں نہیں جی سکتا تمہارے بغیر!"

وہ مسلسل اس کا چہرہ تھپتھپا رہا تھا، اسے سیدھا لیٹ کر زیدان نے اس کے پیٹ سے پانی نکالنا چاہا وہاں موجود ہر آنکھ غم زدہ تھی زیدان کی حالت دیکھ ظفر

زیدان کی طرف آیا اور اسے عنایہ سے دُور کرنا چاہا جس پر زیدان نے خون اُتری آنکھوں سے ظفر کو دیکھا اپنے بھی کے آنکھوں میں موت و حشت دیکھ اُج ظفر بھی ٹوٹ گیا تھا زیدان ظفر سے اپنا کندھا چھوڑا تا عنایہ پُر پھر سے جھک اُسے سانس دینے لگا مگر عنایہ بے جان پڑی تھی۔ بارش اور تیز ہو گئی تھی۔ زیدان کی چیخیں بلند عمارتوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ آسمان بھی گرج رہا تھا، جیسے اس کا دکھ سچ ہو گیا ہو۔



بارش زوروں سے برس رہی تھی۔ آسمان پر گرجتے بادل گویا زیدان کے دل کے طوفان کا شور تھے۔

زمین پر، ایک بے جان جسم... عنایہ نور... اور اس پر جھکا، زیدان خانزادہ۔

"عنایہ... سانس لو، میری جان... واپس آ جاؤ!"

وہ بار بار اس کے ہونٹوں پر جھکتا، اسے سی پی آر دیتا، کبھی اس کا سینہ دباتا، کبھی چیخ چیخ کر اس کا نام پکارتا۔

اس کی آنکھوں سے ٹپکتے آنسوؤں میں وہ بے بسی تھی جو پہاڑوں کو چیر دے۔  
زید ان کے ہاتھ مسلسل لرز رہے تھے، اس کے لب کانپ رہے تھے، لیکن دل کی ضد ختم نہ ہوئی۔

"میری عنایہ واپس آئے گی... ضرور آئے گی!"

عنایہ کا سرد جسم، جیسے وقت کی رفتار کو روک چکا ہو۔

وہ آنکھیں جو جھیلوں جیسی تھیں، بند تھیں... اور زید ان بس چاہتا تھا کہ ایک بار...  
بس ایک بار... وہ آنکھیں کھل جائیں۔

قریب ہی زیدان کے قریبی ساتھی، ظفر، عمار، اسامہ، عاصم، صنم، ایشال، مناہل  
اور حوریہ...

سب گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھے، آنکھوں میں آنسو، دلوں میں سناٹا لیے صرف  
ایک منظر دیکھ رہے تھے۔

زیدان خانزادہ ٹوٹ رہا تھا۔

زیدان کی ہچکیاں، اس کے وجود کو دہلا رہی تھیں۔

عنایہ کے ماتھے کو چوما، اس کی بند آنکھوں کو چھوا،

اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر، بس ایک دیوانہ وار شخص لگ رہا تھا۔

"عنایہ... اُٹھ جاؤ... تمہارا زیدان آیا ہے... میری بات سنو..." وہ کچھ نہ بولی

زیدان نے اس کا مہندی لگے ہاتھ اٹھا کر اپنے لبوں سے لگائے کتنا بے چین ہوا

تھا صبح ان ہاتھوں کو دیکھ کر۔ وہ جوڑا جس میں وہ اس کے دل کی دنیا ہلا گئی تھی اس وقت وہ جوڑا اسی کے بہتے خون کے رنگ میں رنگ چکا تھا۔

اسی روڈ پر ٹوٹی، الٹی گاڑی سے، زخمی حالت میں سردار عباد اللہ خود کو گھسٹتا ہوا باہر نکلا۔

چہرے پر شیطانی مسکراہٹ، وجود پر خون... مگر لبوں پر قہقہے۔

زیدان، جو ابھی ابھی عنایہ کے سینے پر جھکا آنسو بہا رہا تھا،

سردار کی ہنسی نے اس کے آنسو روک دیے۔

اس نے آہستہ سے عنایہ کا چہرہ زمین پر رکھا،

اور پھر سر اٹھا کر وہ نظروں سے وہ زہر آلود ہنسی دیکھنے لگا۔

زیدان کی آنکھیں خون اگلنے لگیں۔

چہرے کی رگیں تن گئیں، ہاتھوں کی مٹھیاں بند ہو گئیں،

گردن کی نیلی موٹی رگیں واضح نظر آرہی تھیں۔

وہ اب زیدان خانزادہ نہیں، قیامت کا روپ بن چکا تھا۔

سردار، جو عنایہ کو زیدان کی بانہوں میں بے جان پڑا دیکھ رہا تھا،

اس کی جیت کے کھوکھلے قہقہے اب وہیں گونج رہے تھے۔ اسے ہنستے دیکھ کر وہیں

موجود سب لوگوں نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

ظفر غصے سے بھرا اٹھا اور سردار کی طرف بڑھا،

لیکن اس کے قدم زیدان کی دھاڑ پر تھم گئے...

زیدان کی خاموشی نے سردار کے قہقہوں کو توڑ دیا تھا۔

کیونکہ اب سامنے وہ طوفان کھڑا ہو چکا تھا



جو سب کچھ روند ڈالے گا... سب کچھ!

زیدان کی وحشت پانی میں بھی طوفان لے آئی،  
کڑکتی بجلی میں زیدان کی نظر موت کی گواہی دے رہی تھی۔  
مگر سردار باز نہ آیا،

اب بھی وہی زہرا گلتا، اب بھی وہی غرور بولتا رہا:

”چھچھ... کتنا سمجھایا تھا اس کی ماں کو... وہ بھی نہیں مانی۔

چلی تھی میری سرداری چھیننے... میں نے اس کے سانس ہی چھین لیے۔

یہ بھی اپنی ماں جیسی نکلی... بیوقوف...

مجھے مارنے چلی تھی... سردار عباد اللہ کو! اپنے سینے پر ہاتھ مارتے و بولا

دیکھو تو سہی، کیا حالت ہو گئی اس کی...

گھٹ گھٹ کے مر گئی، ایک ایک سانس کو ترسنا پڑا!

میں نے کہا تھا... کہا تھا... خود کو مجھے دے دے، رانی بنا کے رکھتا، خوب کماتا...

مگر افسوس، اسے مرنے کی جلدی تھی... خود ہی موت کے منہ میں چلی آئی۔

دیکھو! کیسے بے درد اپنے زید ان خانزادہ کو پکارتی کتے کی موت مری! "سردار

ایک ایک لفظ چباتے بول رہا تھا

زید ان نے یہ سب سنا، تو اس کی مٹھیاں خود بخود بھیج گئیں۔

اس کی سانس دھونک کی طرح چل رہی تھی...

پیشانی، گردن، بازو... سب کی رگیں تن چکی تھیں۔

سردار کے الفاظ اس کے خون کی شریانوں میں طغیانی برپا کر چکے تھے۔

آب کی بارزیدان دھاڑا—

ایسا دھاڑا کہ ہرزی روح لرزاٹھا!

"میرے قانون میں... ہر گناہ کی سزا... موت ہے!"

"اب تک تو زندہ تھا تو... کیونکہ میری عنایہ کے ساتھ نے میرے اندر کا وحشی

جانور سُلا دیا تھا...

مگر اب! اب جو تُو نے وار کیا ہے نا...

یہ وار تیری دردناک موت ثابت ہونے والا ہے!"

"اور میری عنایہ کی موت کی تکلیف کا بدلہ..."

تجھے اپنے آخری خون کے قطرے تک دینا ہو گا!"



سردار نے یہ سب سنا، تو وہ بھی تیش میں آگیا، عنایہ کی موت بھی اُسے نہیں توڑ  
سکی تھی یہ دیکھ سردار

زیدان کو مارنے کی نیت سے لپکا۔

لیکن زیدان بھی اب پوری طاقت سے اسے صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے  
جھپٹ پڑا!

زمین پر پڑنے والا زیدان کا ہر قدم... موت کی گونج سے دھماک رہا تھا!

سردار کے قریب پہنچتے ہی زیدان نے سیدھے ہاتھ کا زوردار تیج اس کے چہرے  
کو نیچے سے نشانہ بناتے مارا۔

سردار کے منہ سے خون کی چھینٹیں نکلیں۔

سردار نے اپنے ہاتھ سے چہرے کا خون دیکھا...

پاگل ہوتا زیدان کی جانب لپکا۔

اس نے زیدان کا گریبان پکڑ لیا،

زیدان نے خون اُتری آنکھوں سے سردار کے ہاتھوں کو دیکھا...

اور پھر اس کے دونوں ہاتھ ایسے دبو چے کہ سردار کا پورا جسم سن ہو گیا۔

زیدان نے اپنے فولادی سر کو سردار کے سر سے زور سے ٹکرایا—

سردار کے چاروں طبق روشن ہو گئے۔

ابھی سردار سنبھلا بھی نہ تھا کہ زیدان نے پہلے سے زیادہ زور سے دوبارہ ٹکر

ماری—

سردار کی ناک سے خون بہنے لگا۔



سردار نے ہمت کرتے ہوئے زیدان کے پیروں کو نشانہ بنایا،  
لیکن زیدان نے اپنے دونوں پیروں میں سردار کی ٹانگ لاک کر لی...

اور گھما کر سردار کو پوری طاقت سے زمین پر دے مارا۔

زمین پر گرا سردار، اب زیدان کی مار کا شکار تھا۔

سردار نے بھی زیدان کو کئی تیج مارے،

لیکن زیدان کو کوئی فرق نہ پڑا۔

سردار نے اپنے بوٹ میں لگا چھرا نکالا،

زیدان کی گردن کے قریب گھسا دیا۔

خون کا فوارہ زیدان کے کندھے سے نکلا،

مگر زیدان تو اب جنون میں تھا...

چاقو کا زخم بھی اس کے لیے بے معنی ہو چکا تھا!

یہ منظر دیکھ کر زید ان کے ساتھی بھی آگئے،

مگر سردار کے آدمی بھی پہنچ چکے تھے۔

اور ایک بھرپور جنگ چھڑ گئی!

ظفر، اسامہ، عاصم، عمار، سب لڑکیاں کو ایک طرف کرتے...

سردار کے آنے والے آدمیوں پر کیسر بن کر ٹوٹ پڑے۔

زید ان اب بھی سردار کو مار رہا تھا،

بغیر دیکھے، اندھا دھند گھونسو کی برسات کر رہا تھا!

اچانک زیدان کا ایک زوردار گھونسہ سردار کے سینے پر پڑا۔

سردار تڑپ اٹھا، چیخا۔

سردار نے تڑپتے ہوئے زیدان کے اُسی زخم میں اپنی انگلیاں ڈال دیں اور دباتا چلا گیا...

زیدان کی چیخ فلک شگاف تھی،

پانی بھی طوفان کی طرح بپھر گیا،

اس کی چیخ سے عنایہ کا جسم تک لرز گیا۔

زیدان نے خون اُتری آنکھوں سے سردار کی آنکھوں میں دیکھا،

پھر اپنی گن نکالی اور اس کے سینے پر رکھ کر... ایک نہیں... دو نہیں... تین

نہیں... بارہ گولیوں کا

پورا میگنرین خالی کر دیا!

مگر ابھی ایک بدلہ باقی تھا...

عناہ کا عکس آنکھوں میں لہرا گیا... جسے وہ ابھی ایک آخری قتل کا بدلہ یاد دلانے  
اٹی ہو

جیسے اُس نے اپنی ماں کی موت کا منظر دہرایا ہو،

زیدان نے دوسرا میگنرین نکالا،

اور سردار کے سر کے بچوں بیچ وہ چلا کر خالی کر دیا۔

سردار کے جتنے گناہ تھے گولیوں کی تعداد اتنی ہی کم تھی۔ زیدان کتنی ہی سخت سزا کیوں نہ دیتا زمین پر اُسے وہ سزا نہیں مل سکتی تھی جو اُس کے گناہوں کا کفارہ کرتی یقیناً وہ سزا اب مرنے کے بعد اُس زد پاک کی عدالت میں ضرور ملے گی۔

سردار، اپنی آخری منزل — ایک افیت ناک موت سے جا ملا!

گولیوں کی بو چھاڑ کی تر تار احاطے کے بعد موت سی خاموشی چھا گئی زیدان کا غصہ اب بھی کم نہ ہوا —



وہ اٹھا، اپنے بالوں کو پکڑا،

آسمان کی طرف منہ کر کے چیخنے لگا! اس کے اندر جلتے طوفان کو کسی رخ سکون نہیں تھا

جب پھر بھی وحشت کم نہ ہوئی،

وہ دوبارہ سردار پر جھکا...

اور اسے مارنے لگا— بے رحمی سے لاتوں، بوسوں کی بوچھاڑ کر ڈالی!

تب ہی...

"بھابھی! بھابھی! YES YES! بھابھی آپ کر سکتی ہو!"

حوریہ کی آواز زیدان کے کانوں میں گونجی۔

زیدان نے پیچھے دیکھا—

عنایہ کے منہ سے پانی بہہ رہا تھا!

وہ... سانس لے رہی تھی!

زیدان، سردار کو وہیں پھینک کر دیوانہ وار بھاگا،

عنایہ کی طرف!



اس کے ہاتھ خون سے تر تھے،

مگر اب وہ خون...

اس کی محبت کو چھونے کا حق نہیں رکھتا تھا!

زید ان نے اپنی قمیض اتار،

ہاتھ صاف کیے...

عنایہ کا چہرہ تھپتھپایا:

"عنایہ... میری جان... اُٹھو! دیکھو، میں نے مار دیا... تمہارا بدلہ لے لیا!

مر گیا سردار!

اب تو کھولو آنکھیں!"

عنایہ نے آنکھیں نہ کھولیں،

زیدان نے اس کی گردن کے پاس ہاتھ رکھا، سانس چیک کی...

اور... ایک روشنی، ایک مسکراہٹ... سانس واپس تھی!

"شکر ہے اللہ تیرا... میری عنایہ زندہ ہے وہ مجھے تنہا نہیں چھوڑ کر گئی!"

زیدان جھکا، عنایہ کے سینے پر، دھڑکن سنی—

اور چیخا:

"گٹ دی کار!... ہوری آپ!..." پھر، وہ...

اپنی دنیا، اپنی محبت، اپنی عنایہ نور کو باہوں میں اٹھا کر بارشوں میں بھاگتا گیا—

موت کے میدان سے... زندگی کی طرف!

بارش کی بوندیں گاڑی کے شیشوں سے ٹکرا رہی تھیں، جیسے قدرت بھی زیدان کے دل پر برستی اس قیامت کا ماتم کر رہی ہو۔

گاڑی اسپتال کے سامنے رکی، اور زیدان، عنایہ کو بانہوں میں لیے بے خودی کے عالم میں بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"ڈاکٹر! ڈاکٹر!"

وہ پکار رہا تھا، چیخ رہا تھا، دھاڑ رہا تھا جیسے اس کی سانسیں عنایہ کی سانسوں سے بندھی ہوں۔

اس کے ہاتھوں پر جما ہوا خون، اس کے چہرے پر لگی وحشت کی پرچھائیاں اور اس کی آہ و بکا، پورے ایمر جنسی وارڈ کو لرزا چکی تھی۔

"میری عنایہ کو کچھ ہوا تو... قسم ہے خدا کی، یہ اسپتال زمین پر نہیں رہنے دوں گا کہاں مر گئے ہیں سب ڈاکٹر!"

وہ دھاڑا، جیسے ایک لمحہ بھی اور سرکہ تو عنایہ کو کھودے گا۔

نرسیں، ڈاکٹرز، سب دوڑتے ہوئے آئے۔

عنایہ کو اسٹرپچر پر لٹایا گیا۔

زیدان کی گرفت کمزور نہیں ہو رہی تھی۔

"چھوڑنا پڑے گا سر... ہم جانتے ہیں آپ کا درد، مگر ہمیں اسے بچانے  
دیکھیے..."

نرس نے نرم لہجے میں کہا۔

زیدان کے ہاتھ کپکپائے، دل میں آندھی اٹھی، اور وہ دھیرے سے عنایہ کی  
پیشانی کو چوم کر پیچھے ہٹا...

"پلیز... اسے بچالو..."

اس کی آواز میں وہ صدائیں تھیں، کسی شوہر، کسی عاشق کی آخری امید بن جاتی ہیں۔

کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔

سکون کی کوئی خبر نہیں تھی۔

اسپتال کے کوریڈور میں زیدان بے چینی سے چکر کٹ رہا تھا، اپنے ہاتھوں میں چہرہ چھپائے، وہ اپنے رب سے اپنی زندگی مانگ رہا تھا۔

ظفر، عمار، اسامہ، عاصم، مناہل، صنم، ایشال، حوریہ — سب ایک طرف خاموش بیٹھے تھے۔ کسی کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کچھ کہنے کی۔

دروازہ کھلا۔ ڈاکٹر زباہر نکلے۔ زیدان تڑپ کر ان کی طرف بھاگا۔

"ڈاکٹر... میری عنایہ...؟"

ڈاکٹر نے دھیمے لہجے میں سر جھکا کر کہا:

"ہم نے وقت پر آکسیجن سپورٹ دے دی، دل کی دھڑکن واپس آگئی ہے..."

لیکن... وہ اب بھی ہوش میں نہیں آئیں... اور..."

زید ان کا دل دھڑکنا بند ہونے کو تھا۔

"اور...؟"

اس نے پسینے سے بھیگی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ میرا ضبط مت آزماؤ باکو کسی

ہے میری عنایہ.....!

ڈاکٹر نے نظریں جھکائیں،

"مسز خانزادہ ایک دن کی امید سے تھی... لیکن اس حادثے کی شدت... آپ کا

بچہ نہیں سہ سکا..."



یہ سنتے ہی جیسے زید ان کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

اس نے پیچھے لڑکھڑا کر دیوار کا سہارا لیا۔

"نہیں..."

اس کے لب کپکپا اٹھے،

"میری... میری عنایہ ماں بننے والی تھی...؟ اور میں... میرا بچہ... میں باپ

بننے والا تھا!"...

وہ دیوار سے پیچھے لڑکھڑا گیا، ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر تڑپنے لگا۔

پہلی بار،

زید ان خانزادہ ٹوٹ کر رویا تھا۔

"یا اللہ... یہ کیسی آزمائش ہے۔ تو اپنے بندوں پر اُن کی استات سے زیادہ بوجھ

نہیں ڈالتا میرا سینہ پھٹ رہا ہے..."

اس کے آنسو زمین پر گرتے جا رہے تھے، اور ہر قطرہ ایک کہانی بن کر گونج رہا

تھا۔

بند دروازے کے پیچھے، عنایہ کے بے جان وجود نے حرکت کرنا چاہی۔

مگر کسی نے نہ دیکھا۔

دل کی دھڑکن چلی رہی تھی، لیکن ہوش ابھی پردوں میں چھپا تھا۔ زیدان کی آواز

عنایہ کو کہیں دور سے آتی سنائی دے رہی تھی۔

زیدان کی دھاڑیں، وارڈ کے باہر گونج رہی تھیں۔

مگر اندر عنایہ کی روح، خاموشی سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔

کئی گھنٹے گزر چکے تھے پر عنایہ کو اب تک ہوش نہیں آیا تھا ایمر جنسی کی راہداری میں بیٹھے زید ان کی آنکھیں خشک ہو چکی تھیں وہ نڈھال سے بیچ پر بیٹھا تھا کہ اچانک نرس ڈاکٹر کو بولنے بھاگی افراتفری کی فضا پیدا ہو گئی۔ سب دم سادے عنایہ جس کمرے میں تھی نظریں وہیں ٹھہر گئی تھی۔

کچھ لمحے اور سر کے ڈاکٹر سر جھکے باہر آئے زید ان اور سب ڈاکٹر کو دیکھ ان کی طرف بھاگے۔ ڈاکٹر میری عنایہ۔۔ ڈاکٹر نے ایک گہرا سانس لیا اور بولے۔ "مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے آپ کی وائف کے سر پر جو چوٹ آئی ہے وہ بہت گہری ہے اُن کے دماغ پر اس حادثے نے بہت گہرا اثر چھوڑا ہے وہ خود کو مردہ

تسلیم کر چکی ہیں۔ وہ خود سے ریکوری کی کوشش نہیں کر رہی۔ اب دعاء ہی کوئی معجزہ دیکھا سکتی ہے۔ ہم اپنی پوری کوشش کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر اپنی بات پوری کرتے چلے گئے اور زیدان پتھر کا ہو گیا ابھی اپنے بچے کی موت کا غم کم نہیں ہوا تھا کہ ایک اور سزا اس کے مقدر میں لکھ دی گئی تھی۔ وہ بھاری بوجھال قدموں سے اگتے بھرتا اور ڈکادروازہ دھکیلتا اندر آیا۔

وہ دشمن جان سامنے ہی سفید چادر سینے تک لپیٹی دنیا کے شور سے بے نیاز مشینوں میں جکڑی تھی۔ زیدان من من بھاری قدموں سے اس تک آیا دھندلی آنکھوں سے اُس کے چہرے کو دیکھنے لگا کل تک جو چہرہ محبت کی شدت سے سرخ تھا انج تکلیف کے حصار میں ذرہ پڑا تھا۔ آنکھیں سوجی تھیں۔

زیدان اگئے جھکالِب اس کے ماتھے رکھ وہیں بیٹھ گیا۔ عنایہ کا ہاتھ تھام جس پر مختلف ڈرپس لگی تھیں محبت سے اٹھتے اُنھیں اپنے لبوں سے لگالیا اور یہاں زیدان کا ضبط ٹوٹ گیا۔ انسوؤں پلکوں کی بار توڑ آزاد ہو گئے وہ زرو قطار رو رہا تھا۔

اج زیدان خانزادہ ٹوٹ گیا تھا اج دنیا کی ہر چیز ہے مطلب ہوگی تھی کچھ رہ گیا تھا وہ اکیلا برسوں بعد مقدر کے اندھیروں میں جو روشنی ملی اج وہ بھی اس کے اندر اٹھتے اندھیروں میں روشنی ختم کر گئی۔

اس کی ہچکیاں بندھ گئی اور وہ کب عنایہ کا ہاتھ تھامے وہیں نیند میں اتر گیا۔ نیند تو اسے اسی کے پاس آتی تھی۔ اور اج بھی ہر بار کی طرح وہ اس کے ساتھ ملتے ہی نیند کی وادی میں اتر گیا۔

دھند سے ڈھکی کوئی انجان جگہ وہ آگئے چلتا جا رہا تھا۔ بھو جال کندھے مانو من  
 بھاری ہوتا دل آنکھیں نمی سے تر تھیں ہاتھ کی پشت سے آنکھیں کی نمی صاف کر  
 منظر کو پہچانے کی کوشش کرنے لگا۔ یکا یک دھند چھٹ گئی ایک سرسبز باغ نیلا  
 شفاف آسمان اور سامنے گھنے پھل دار درختوں کے بیچ سفید چادر میں لیٹی سرسجدہ  
 جھکی ایک خاتون جن کی پشت زیدان کی طرف تھی۔

وہ پلکیں جھپکتا اُن تک چھوٹے قدم لیتے پاس آ بیٹھا اب جب وہ خاتون سجدے  
 سے اٹھیں تو اپنی ماں کو اپنے سامنے دیکھ وہ حیران ہوا پر نور چہرہ وضو کے پانی کی  
 بوندیں ہنزا اب بھی چہرے پر تھیں۔ وہ بہت غور سے اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا۔

اُن کی دعاء مکمل ہوئی تو چہرہ زیدان کی جانب موڑ مسکرائی زیدان کی آنکھیں  
 چھلک پڑیں۔ انہوں نے پیار سے اس کا ماتھ چُما۔ اور بولی بس اتنی سی آزمائش سے



تھک گئے۔ ابھی تو بہت آزمائشوں سے گزرنا ہے اور میرا بیٹا تو بہادر ہے۔ وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح اپنی ماں کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

میرے بچے لوٹ جاؤ اپنے رب کی طرف وہی ہر مشکل میں روشنی ہے تم ایک قدم اس تک لے جاؤ وہ مکمل تمھے تھام لے گا۔ زیدان نے رندی آواز میں کچھ کہنا چاہا لب ہلے پر آواز نے ساتھ نہ دیا۔ انسوؤں کا پھندہ سا بندھ گیا۔

جب بولا تو درد ہی درد کرب ہی کرب تھا میں نے اپنی اولاد کھودی میری اولاد میری حقیقت کی بھیڑ چرا دی گئی میری عنایہ میرا واحد سکون بھی اب چھن گیا۔ صرف اندھیرا رہ گیا ہے۔ وہ مسکرائی۔۔۔ ہر مرض کی دوا ہے اُس کے پاس تم پوکار کر تو دیکھو وہ کیسے تمہاری سنتا ہے۔

اُس نے نڈھال ہوتے اُن کی گود میں سر رکھ لیا وہ بولا وہ چلی جائے گی سب چلے گئے آپ چلی گئی اب وہ بھی جارہی ہے اب آواز بدل گئی اب اُس دشمن جان کی آواز تھی اُس کے ہاتھ دعاء میں اُٹھے تھے اور اس کا سر اس کی گود میں تھا وہ آنکھوں میں دنیا جہاں کی محبت لیے اسے دیکھ رہا تھا وہ دعاء مکمل کرتی مسکراتی کچھ آیات پڑھتی اس پر پھونک رہی تھی۔

اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں بھرتی وہ بولی آپ بہت بہادر ہیں ہیں نہ زیدی۔۔ وہ نفی میں سر ہلانے لگا نہیں۔۔۔ نہیں میں بہادر نہیں ہوں۔ آپ ہیں اور بہت بہادر ہیں آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں دعاؤں میں بہت طاقت ہوتی ہے وہ ناممکن کو ممکن میں بدل دیتی ہیں۔

زیدان نے اس کی گود میں ہی سر رکھے اُس کے گرد حصار بنایا جسے وہ اسے  
 چھوڑے گا اور وہ گم ہو جائے گی کیا میری دعاء بھی اللہ نے گا وہ مسکرائی وہ تو سب  
 کی سُنتا ہے سب اس سے مانگتے ہیں آپ بھی مانگو۔ ہر اندھیری رات کے بعد  
 سنہری صبح ضرور ہوتی ہے ہر آزمائش کے بعد منزل ملتی ہے بس یقین اللہ پر ہونا  
 چاہئے۔

آپ مانگیں گے نہ دعا میں آپ کی دعاء کی منتظر ہوں زیدان نے آنکھوں میں  
 نمی لیے ہاں میں سر ہلایا پھر دھند چھا گئی وہ پکارتا رہا اسی ہر برھٹ میں زیدان کی  
 آنکھ کھلی فجر کا وقت تھا۔ بے ساخت اس کی نظر عنایہ پُر اٹھی۔ دل میں دستک  
 ہوئی تھی ہدایت مل گی تھی روشنیوں کا دروازہ اس پر کھول دیا گیا تھا۔ وہ اٹھا عنایہ  
 کے ماتھے پر لب رکھ بنا پلٹے وہ باہر نکالتا چلا گیا اب اس کا رخ مسجد کی طرف تھا۔

مسجد کا دروازہ دھیرے سے کھلا تھا...

اور برسوں بعد زیدان خانزادہ نے وہ راہ چنی تھی جسے اُس نے ہمیشہ نظر انداز کیا...

ننگے قدموں، جھکی گردن اور ڈولتے وجود کے ساتھ وہ اندر داخل ہوا۔

مسجد کی خاموش فضا میں اذانِ فجر کی بازگشت باقی تھی... ایک بوڑھے امام صاحب جائے نماز پر بیٹھے تسبیح کر رہے تھے۔ زیدان کچھ لمحے خاموش کھڑا رہا، پھر آہستہ قدموں سے اُن کے سامنے آ بیٹھا۔

"دل بہت بوجھل ہے، زندگی کسی اور موڑ پر لے آئی ہے..." زیدان کی آواز میں لرزش تھی۔

امام صاحب نے سر اٹھا کر اُسے دیکھا اور نرمی سے بولے: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا

بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔"

"سجدے وہ در ہیں جہاں سے صرف مانگا جاتا ہے،

اور رب وہ ہے جو بغیر زبان کے بھی سن لیتا ہے۔"

زیدان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

وہ فرش پر گرا، سجدے میں جا پڑا۔

"میرے مالک... میں گناہ گار ہوں تیری رہنمائی کا طالب گار ہوں تو نے ہی

میرے اندھیروں میں اسے روشنی بنا کر بھجا اب اُس آزمائش میں مت ڈال میں

اپنے وجود کا حصہ دیکھنا تو دور جان بھی نہ سکا اور جب علم ہوا تو آزمائش ہی

آزمائش تھی تو میری بیوی کو لوٹا دے،

میں تیری رضا میں راضی ہوں تو بس اُسے لوٹا دے وہ تو تیری نیک بندی ہے اُس کی تکلیف مٹا دے،

مجھے میری عنایہ لوٹا دے...؟ "" میں تیری طرف پلٹ آیا ہوں، بس ایک بار... ایک بار سن لے... "سجدے میں اُس کی آواز روتی ہوئی زمین میں جذب ہو رہی تھی۔

چند دن گزر چکے تھے۔

عنایہ اب تک ہوش میں نہیں آئی تھی، مگر زیدان ہر پل اُس کے پاس بیٹھا رہتا۔ وہ اب ایک بدلا ہوا مرد تھا... دنیا سے بیگانہ... ہر چیز سے بے پرواہ... پر ہدایت کے راستے پر۔

دن میں قرآن پڑھتا، آنکھوں میں آنسو لیے ہر صفحے کو چھوتا...

اور راتوں میں اُس کی ہتھیلیوں میں اللہ کا نام سجدوں میں بکھرتا۔



کوئی چیخ نہ تھی، کوئی دھمکی نہیں...

بس صبر... سکون... اور دُعاؤں کا سفر تھا۔

وہ عنایہ کا ہاتھ تھا مے روز آیات پڑھتا...

"اللَّهُ هُمُّ رَبِّ النَّاسِ أَذْهَبِ الْبَاسِ اشْفِ أَنْتَ الشَّافِي..."

(اے اللہ! تو لوگوں کا رب ہے، تو ہی شفا دینے والا ہے...)...

پانچویں دن —

زیدان مسجد میں فجر کی نماز پڑھ رہا تھا۔

دعائے ننگے کے بعد جیسے ہی وہ اٹھا، اُس کے موبائل پر اسپتال کی کال آئی۔

نرس کی آواز گھبرائی ہوئی تھی:

"سر! جلدی آئیے!"...

زیدان بجلی کی سی تیزی سے اسپتال پہنچا۔

وارڈ کے باہر پہنچا تو دیکھا نرس اندر بھاگ رہی تھی، وہ وہیں دیوار کا سہارا لیتا ہوا نیچے بیٹھ گیا، دل دھڑک رہا تھا، آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں — وہ تیار نہیں تھا، خود میں ہمت نہ پاسکا۔"

تبھی چند لمحوں کے بعد ڈاکٹر مسکراتے ہوئے اُس کی طرف بڑھا۔  
"مبارک ہو، زیدان خانزادہ!..."

وہ ہوش میں آچکی ہیں...

عنایہ نے آنکھیں کھول لی ہیں۔ اب وہ خطرے سے باہر ہے"

زیدان کا دل زور سے دھڑکا — اور وہ بیٹا سوچے فوراً وہیں، اسپتال کے کوریڈور میں سجدے میں گر گیا۔

"شکر ہے مولا... تو نے سن لی..."

آنسو زمین پر برس رہے تھے...

مگر آج یہ آنسو، شکر کے تھے۔ "آج زیدان خانزادہ کو یقین تھا کہ رب صرف آزماتا ہے، چھوڑتا نہیں..."



کمرے کی روشنی ہلکی تھی، مشینوں کی آوازیں کسی پرانی صدا کی مانند ارد گرد گونج رہی تھیں۔ ایک ہلکی سی آہٹ پر نرس اندر داخل ہوئی۔

"عنایہ بی بی... کیا آپ مجھے سن سکتی ہیں؟"

نرس نے آہستہ سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا، تو عنایہ کی پلکوں میں ہلکی جنبش ہوئی۔

دھیرے دھیرے اُس کی آنکھیں کھلنے لگیں—پر نظریں خالی تھیں...  
دھندلائی ہوئی، جیسے کوئی خواب ادھورارہ گیا ہو...

وہ کچھ پل چھت کو دیکھتی رہی، پھر نظریں دیواروں پر دوڑیں، مشینوں کی  
آوازوں کو سننے کی کوشش کی...

پھر اُس کی نظریں اپنے ہاتھ پر پڑیں، جہاں پٹی بندھی تھی اور سویوں کی چھن  
محسوس ہو رہی تھی۔

وہ ہولے سے سر گھمانے لگی جیسے کچھ ڈھونڈ رہی ہو... پراچانک اُس کا سانس رکنے لگا... وہ جھٹکے سے سیدھی ہو کر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگی...

"میرا زیدی... میرا زیدی کہاں ہے...؟"

نرس گھبرا گئی۔

"آپ ابھی ہوش میں آئی ہیں... پلیز لیٹ جائیں... آپ" —

"نہیں... نہیں...!!" عنایہ کی آواز کپکپا گئی۔

"زیدی... وہ مر گیا تھا... مجھے بتایا گیا تھا... میرا زیدی... وہ تو" —

اس کا سانس تیز ہو چکا تھا، آنکھوں میں وحشت تھی، ذہن کسی بھنور میں پھنسا تھا۔

"کسی نے کہا تھا وہ نہیں رہا... وہ گیا...!! تو یہ کہاں ہوں؟ میں کیوں زندہ ہوں؟"

نرس فوراً باہر نکلی اور ڈاکٹر کو بلا یا۔

زید ان کمرے کے باہر بیچ پر بیٹھا تھا، آنکھیں مسلسل دروازے پر ٹکی تھیں، جیسے اندر کوئی قیامت چھپی ہو...

جب دروازہ کھلا اور نرس گھبراہٹ میں باہر نکلی تو وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔

"کیا ہوا؟"

"سر، وہ ہوش میں ہیں... لیکن اُن کی دماغی حالت غیر متوازن ہے، وہ بہت الجھ چکی ہیں۔"



زیدان کا دل جیسے کسی انجان خلا میں جا گرا۔

"میں... میں جاسکتا ہوں؟"

ڈاکٹر نے اجازت دی—اور زیدان لرزتے قدموں سے کمرے میں داخل

ہوا۔

کمرے میں وہی خوشبو تھی، وہی خاموشی... پر آج اُس خاموشی کے پیچھے کچھ اور تھا—کچھ ٹوٹا، کچھ بکھرا...  
Zubi Novels Zone

عناویہ کی نظریں دیوار پر لگی تھیں... جب زیدان کی آہٹ آئی، اُس نے آہستہ سر گھمایا—

اور پلکیں یکدم جمی رہ گئیں۔

زیدان نے آہستہ قدم بڑھائے، پر عنایہ کی آنکھیں ساکت تھیں، جیسے سامنے کوئی سایہ کھڑا ہو۔

"عنایہ... اُس کی آواز پھٹی پھٹی تھی۔

عنایہ کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی، وہ سر نفی میں ہلانے لگی...

"نہیں... تم... تم مر گئے تھے...!! تم تو نہیں رہے تھے... میں نے خود دیکھا تھا تمہیں... تمہیں"!!!

"نہیں، میں زندہ ہوں... زیدان نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"میں یہاں ہوں... تمہارے پاس..."

عنایہ نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا، آنکھوں میں خوف، بے یقینی اور دکھ کی لہریں تھیں۔

"نہیں... تم... تم خواب ہو... یا پھر میں خواب میں ہوں..."

وہ دیوانہ وار آنکھیں ملنے لگی، چہرہ تھام کے رونے لگی۔

"زیدی... تم چلے گئے تھے... سب چلے گئے... میرا بچہ... میری دنیا..."

سب..."

وہ بچوں کی طرح سسک رہی تھی، لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر لبوں سے گر رہے تھے۔

زیدان اُس کے پاس بیٹھ گیا، دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھاما:

"میری جان... میری زندگی... دیکھو، میں تمہیں چھوڑ کر نہیں گیا... میں

تمہارے سجدوں کا نتیجہ ہوں، تمہاری دعاؤں کا کرشمہ ہوں..."

عناہ ساکت ہو گئی، آنکھیں زیدان کے چہرے پر ٹکی تھیں—

پھر اچانک وہ جھک گئی، اُس کا سینہ تھام کر رونے لگی۔

"تم واقعی ہو؟ تم... میرے زیدی"!!!...

زیدان نے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔

"ہاں، میں تمہارا زیدی ہوں... جو تمہاری ہر سانس کا طلبگار ہے... جو تمہارے

بغیر سجدے میں گر گیا تھا، جس نے اپنے رب سے صرف ایک دعا مانگی تھی...

تمہاری زندگی!"!



عناہ اس کے سینے سے لپٹی بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

"میں ٹوٹ گئی تھی زیدی... سب کچھ ختم ہو گیا تھا... مجھے لگا میں مر گئی

ہوں"...

"تم نہیں مری میری جان"...

زیدان نے اس کے ماتھے پر لب رکھے۔  
"تم زندہ ہو، تمہارے ساتھ میری دنیا زندہ ہے... تم میری ہمت ہو، اور اب  
میں نے اللہ کی طرف لوٹنا سیکھ لیا ہے... تمہاری وجہ سے..."  
کمرہ خاموش تھا، مگر دلوں میں اذان کی بازگشت تھی۔  
نئی زندگی، نئی روشنی، اور نئی امید...



زخم تھے... پر اب وہ مرہم کے ساتھ تھے۔  
آزمائش تھی... پر اب صبر اور دعا کا سایہ بھی تھا۔

ہسپتال کے سفید اور خاموش کمرے میں ایک تھکی ہاری سی وجود بیڈ پر نیم دراز بیٹھی تھی۔ آنکھوں کے گرد ہلکے، چہرے پر نقاہت، اور دل میں ایک ایسا زخم... جو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

ڈاکٹر عنایہ کی رپورٹس دیکھ رہی تھی۔

عنایہ کی انگلیوں میں لرزش تھی جب اُس نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔

"ڈاکٹر... کیا میں دوبارہ... ماں... بن... سکتی ہوں؟"

آواز کانپ رہی تھی، جیسے خود اپنے الفاظ سے بھی ڈر لگ رہا ہو۔

ڈاکٹر نے نرمی سے اُس کے ہاتھ کو تھاما۔

"عنایہ، اللہ جسے چاہے، اُس کو بار بار خوشی دے سکتا ہے... آپ بالکل ٹھیک ہیں..."

تھوڑا وقت لگے گا، مگر ہاں... امید باقی ہے۔"



اُس کے لبوں پر ہلکی سی جنبش آئی، جیسے مسکرا نے کی کوشش کی ہو، مگر آنکھوں میں ایک نمی تھی... جو اُس لمحے خوشی سے زیادہ خوف کا عکس تھی۔

دروازے کے اُس پار، زیدان خاموشی سے کھڑا سب سن چکا تھا۔  
اُس کے چہرے پر درد چھپا نہیں تھا... وہ بس آنکھیں بند کر کے سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ عنایہ کے لئے اس نقصان کے درد سے باہر انا اتنا آسان نہیں ہے۔

عنایہ کی رپورٹس اب بہتر تھیں شام کو عنایہ کو ڈسچارج کر دیا گیا۔  
گاڑی میں پورا راستہ دونوں خاموش رہے۔ نہ زیدان نے کچھ کہا، نہ عنایہ نے۔

لیکن جب گاڑی ایک نئے بنگلے کے سامنے رکی تو عنایہ کے چہرے پر حیرت کے ساتھ ایک عجیب سی ادا سی ابھری۔ ہونے والا حادثہ جسے پوری فلم کی طرح اُس کی نظروں کے سامنے چل پڑا ہو۔

"یہ کون سا گھر ہے؟" اُس نے آہستگی سے پوچھا۔

زیدان نے نرم لہجے میں کہا،

"ہمارا نیا گھر... پرانا محل ابھی تعمیر ہو رہا ہے... کچھ وقت لگے گا۔" عنایہ نے سر ہلا

دیا زیدان اپنی طرف سے نکلتا عنایہ کی طرف آتے دروازہ کھول اُسے ایک ہاتھ

کمر اور دوسرے سے اُس کا ہاتھ تھامے چھوٹے چھوٹے قدم لیتے وہ دونوں اب

اندر چلے گئے

عنایہ نے اندر قدم رکھا... ہر کونائے اجنبی لگا۔

اُس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے، زیدان کے ہاتھ پر اس کی گرفت مضبوط ہوتی گئی جیسے پرانی یادیں اُسے نئے درودیوار سے قبول نہیں ہو رہیں۔

زیدان اگتے بھرتے، آہستگی سے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"تم ٹھیک ہو؟"

عنایہ کی آنکھیں نم تھیں... لب کپکپائے،

"زیدی... ہم اپنے گھر کب جائیں گے... وہاں ہماری یادیں تھیں... تمہاری

خوشبو... میری ہنسی... ہماری محبت..."

زیدان نے آنکھیں میچ لیں، جیسے دل کے زخم ایک بار پھر رسنے لگے ہوں... پھر

اُسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

"ہم واپس چلیں گے... ضرور چلیں گے... لیکن بس تھوڑا صبر... بس تھوڑا وقت..."

اُس کا لہجہ تسلی سے بھرپور تھا، مگر آنکھوں میں وہی شدت، وہی درد... عنایہ نے اس کی گرد حصار بناتے کمر سے اس کی شرٹ کو موٹھیوں میں دبوچ لیا۔

جب عنایہ نے زیدان کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم اندر رکھا تو ایک عجیب سی خاموشی نے اُس کا استقبال کیا۔

یہ گھر خان پیلس جتنا شاندار تو نہ تھا، مگر اُس میں ایک عجیب سی نرمی، ایک سادہ سی خوبصورتی تھی۔

درود یوار ہلکے کریم رنگ کے تھے، جن پر دھیمی روشنی والے فانوس ایک نرم سی چمک بکھیر رہے تھے۔

فرش پر سفید سنگِ مرمر بچھا تھا جو روشنی میں چمک رہا تھا، اور چھوٹے چھوٹے قالینوں سے مزین تھا جن کا رنگ ہلکی چائے جیسا تھا۔

دائیں طرف ایک کشادہ لاؤنج تھا، جہاں دیوار سے لگی بڑی سی شیشے کی کھڑکی کے باہر باغیچہ نظر آ رہا تھا۔

سوفے گہرے خاکی رنگ کے تھے، اور ان پر رکھے ہوئے چھوٹے چھوٹے گلابی اور نیلے کیشن ایک نرمی کا احساس دے رہے تھے۔

کونے میں ایک سادہ سی آتش دان بنی ہوئی تھی، جو سردیوں کی یاد دلا رہی تھی — گرمیوں میں بند، مگر پھر بھی اپنائیت سے بھرپور۔

دیواروں پر آویزاں چند خوبصورت فریم تھے۔ جن میں قدرتی مناظر اور خوش خطا قوال لکھے تھے۔

درمیان میں رکھا ہوا ٹیبل شیشے کا تھا، جس کے اندر نیچے سفید کنکر بھرے ہوئے تھے، جیسے دریا کے کنارے کی خاموشی یہاں قید ہو۔

سیڑھیاں لکڑی کی تھیں، جو اوپر کے کمروں تک جاتی تھیں... اور سیڑھیوں کے ساتھ ہلکی زری دار رینگ لگی ہوئی تھی۔

ایک طرف چھوٹا سا نماز کا گوشہ بھی بنایا گیا تھا، جس میں جائے نماز، تسبیح اور ایک چھوٹا سا قرآن پاک کا ریک رکھا تھا...

ہر کمرے کے دروازے پر لکڑی کی نرم کاریگری دکھائی دیتی تھی۔



یہ گھر بے شک شان و شوکت میں خان پیلس سے چھوٹا تھا،  
مگر یہاں ایک عجب سی روحانیت، ایک پرسکون سالمس موجود تھا...  
جیسے یہ مکان کسی زخم زدہ دل کے لیے پناہ گاہ ہو۔

کچھ سفر کی تھکاوٹ اور دوائیوں کے اثر سے عنایہ کمرے میں جاتے ہی سوگی  
عصر کی اذان پر زید ان اس پر چادر ٹھیک کرتا نماز کہ لیے آٹھ گیا۔ ان چند ہی  
دنوں میں خود کو نماز کا پابند بنا لیا تھا۔

نماز ادا کرانے کے بعد زید ان کا رخ اپنے آفیس کی طرف تھا نماز کی لیے جانے  
سے پہلے وہ ان سب کی لیے پیغام دے گیا تھا آفیس ملنے کا۔

میٹنگ روم کی گول میز کے گرد سب ہی موجود تھے۔ اسامہ، عاصم، عمار،  
ظفر... اور کنگ کرسی پر براجمان زیدان خانزادہ۔۔۔۔۔

زیدان نے خاموشی توڑی۔

"اب تک ہماری عورتیں ہمارے ساتھ زخم سہتی آئیں..."

لیکن اب نہیں... سردار جہنم وصال ہو چکا ہے۔ اب سے ہماری عورتوں پر ہماری  
اس دنیا کی پر چھائی بھی نہیں پرنی چاہئے۔ "اس کے بعد اب زیدان اور باقی سب  
ان کچھ دنوں میں سر اٹھانے والوں کا جائزہ لے رہے تھے۔

بے شک وہ رب کی راہ پر لوٹ آیا تھا پر اُس کا ارادہ آج بھی ظلم کے خلاف یلغار ہی  
تھا اپنی پوری زندگی نہ جانے کتنی ہی ماؤں بہنوں بیٹیوں کی عزت محفوظ کرتا رہا  
ہے اور کرتا رہے گا۔ قانون آج بھی یہ ہی ہے کہ اس کے ہوتے کوئی عورت نیچی  
نہیں جائے گی۔ اور وہ سب اپنے ارادوں میں آج بھی پہلے دن جتنے مضبوط تھے۔

Click On The Link Above To Read More Novels / ☎ / ✉ [0344 4499420](https://www.zubinovelzone.com/)

<https://www.zubinovelzone.com/>

ایسے ہی باتیں کرتے چیزوں کا جائزہ لیتے زید ان نے عمار سے پوچھا ہاں سچ جو کام دیا تھا ہو گیا جی خان ہو گیا ہے۔ چلو یہ بھی ٹھیک ہوا اور عاصم حوریہ کے داخلے کا کیا بنا۔ ابھی تک اس نے سبکیٹ چوس نہیں کئے۔ ہممم۔۔۔ کو شیش کروں اُسے کوئی ہیلپ چاہئے تو وہ بتاے۔

ظفر کچھ سوچ کر بولا خان ویسے یہ سب کس لیے زید ان اگئے جھکتا ایک نظر سب پر ڈالتا بولا ان کی خوشی کے لئے۔ ہر وہ خواب جو اُن کے ادھورے رہ گئے وہ اب پورے ہوں گئے ہمارے ہوتے اُن کا کوئی خواب ادھورے نہیں رہنا چاہیے سمجھ رہے ہو۔ سب نے ہاں میں ایک ساتھ سر ہلایا۔

چلو اب گھر چلتے کل کی تیاری مکمل ہے نظر رکھنا کوئی چیز چوکنی نہیں چاہیے۔ سب وہاں سے گھر جانے کے لئے نکل پڑے۔ گھر پہنچ سب ہی انج آرام کرنا

چاہتے تھے۔ اتنے دن سے بنا ٹینشن بھرا ماحول اعصابوں پر سوار تھا۔ پورا گھر خواب خرگوشی کے مزے لے رہا تھا۔

زیدان اپنے کمرے میں آیا تو عنایہ دوائیوں کے زیر اثر گہری نیند سو رہی تھی۔ اُسے ایک نظر دیکھتا وہ واشروم میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد چنچ کر خود کو فریش کر کے باہر آیا اور عنایہ کے ساتھ جگہ بنتالیٹ گیا۔ زیدان لیتے ہی عنایہ کو اپنی باہوں میں بھرالدا تعالیٰ سے اپنی اور عنایہ کی آنے والی خوشیوں کی دعاء کرتا نیند کی وادی میں اتر گیا۔

صبح کی روشنی پھیل چکی تھی انج اتفاق سے سب ہی لڑکے جلدی آٹھ چکی تھی لڑکیاں اب بھی گہری نیند سوئی ہوئی تھیں۔ صبح دس بجے کے قریب یہ سب

فریش ہوتی نیچے آئیں سامنے کا منظر بہت دل کش تھا سبھی لڑکے کچن میں کھڑے  
ناشتے کی تیاری میں مصروف تھے۔

☀️ صبح کی نرم دھوپ کمرے کے پردوں سے چھن کر اندر آرہی تھی،  
عناہ جیسے ہی نیچے آئی، اُس کا دل ایک دم ہلکا ہو گیا تھا۔ نیچے پورا منظر کسی خواب  
جیسا لگ رہا تھا۔ محبت، قہقہے، خوشبو، اور وہ سب رشتے... جو کسی وقت ٹوٹنے  
کے قریب تھے، آج پھر جڑتے محسوس ہو رہے تھے۔

اور آج صرف عناہ ہی نہیں، ہر دل میں بہار سی اتر چکی تھی۔ ✨ ✨ آج کا ناشتہ  
خاص تھا... خاص لوگ... اور خاص محبتیں! □ کچن میں چھوٹا سا میدانِ محبت  
سجا ہوا تھا۔

ظفر گلابی ایپرن میں سمن کے لیے آلو کے پراٹھے بیل رہا تھا، ساتھ ساتھ گنگنا رہا تھا:

"پراٹھا تیرا پیار... مرچ تیری ناراضگی..."

سمن نے آنکھیں گھما کر کہا،

"ظفر! سیدھے سیدھے بتاؤ کچن جلانا ہے یا پراٹھا بنانا ہے؟" ظفر نے آنکھ ماری،

"اگر دل جل گیا ہو تو کچن تو ویسے ہی گرم ہے!"

دوسری طرف عمار نے ایپرن پہنا، اور آؤشل کے لیے فرینچ ٹوسٹ بنانے کی کوشش کی...

مگر پہلا ٹوسٹ کچھ زیادہ ہی "فرینچ" نکل آیا—یعنی کالا!

"یار عمار، یہ کھانے کے لیے ہے یا دشمن کو جلانے کے لیے؟"



آیو شل ہنتے ہوئے بولی۔

عمار جھجکتے ہوئے بولا،

"میری محبت کی پہلی کوشش ہے... جلی ہوئی ہے، مگر دل سے ہے!"

اسامہ ان سب سے الگ، مناہل کے لیے چائے بنا رہا تھا۔ کپ میں چینی کم ڈال کر مسکرا کے بولا:

"تم میٹھی ہو، چائے کیوں ہو؟"

مناہل نے ناک چڑھا کر کہا:

"تو پھر میں کڑوی بن جاؤں؟"

"تمہاری ہر بات پیاری ہے... چاہے کڑوی ہو یا میٹھی۔"

اور اُس سب کے بچے... زیدان خانزادہ —

سنجیدگی چھوڑ کر کچن میں کھڑا تھا۔

عنایہ کے لیے وہ خود ہاتھ سے، ہیلتھی ناشتہ بنا رہا تھا۔ ایپرن پہنے، آستینیں

موڑے، اور بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے وہ مکمل شوہر مثالی لگ رہا تھا۔

عنایہ اُس کے قریب آئی، "خان صاحب... مافیہ سے شیف کا سفر کیسا لگا؟"

زیدان نے چمچ ہوا میں گھما کر کہا،

"تمہارے لیے تو میں جنگل سے پھول بھی توڑ لاؤں... تو کچن کیا چیز ہے!"

عنایہ شرما گئی، اور وہ شرم — جیسے ماضی کی تمام تکلیفوں پر مرہم رکھ گئی ہو۔

●۱ ناشتہ شروع ہوا تو قہقہے، چمچوں کی آوازیں، اور دلوں کی دھڑکنیں ایک سا

سنگیت بن گئیں۔

ہر جوڑی اپنی اپنی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی... لیکن اس سب کے بیچ عاصم کا چہرہ کسی گہرے خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ اُس نے ایک نظر حور یا کو دیکھا، جو خاموشی سے جو س پی رہی تھی۔

ناشتے کے بعد وہ آہستہ سے اٹھا، اور حور یا کے قریب آیا۔

"کیا... کچھ دیر کے لیے باہر چل سکتی ہو؟"

— نہایت سنجیدگی سے، سرگوشی کے انداز میں۔

حور یا نے چونک کر دیکھا، مگر پھر خاموشی سے اُس کے ساتھ چل پڑی۔

عناہ نے دروازے کی طرف دیکھا اور مسکرا کر زید ان کے کان میں کہا:

"لگتا ہے کوئی اور بھی عشق کی دنیا میں قدم رکھ رہا ہے۔"

زیدان نے ہنستے ہوئے جواب دیا:

"سب نے میرے نقشِ قدم پر چلنا ہے آخر..."

☾ رات کا منظر... چھت پر چمکتے ستارے... اور عنایہ کے لیے سجائی گئی ایک خوبصورت عشاءِ میز۔

چھت کے ایک کونے میں روشنیوں کی لڑی جگمگا رہی تھی، سفید پردے ہلکی ہوا سے لہرا رہے تھے، اور درمیان میں رکھا ٹیبل... گلابوں سے سجا ہوا...

عنایہ حیرت زدہ سی چھت پر آئی، اور جیسے لمحہ تھم سا گیا۔

زیدان نے ہاتھ بڑھایا، "صرف تمہارے لیے..."

عنایہ اُس کے قریب آئی، دل دھڑک رہا تھا جیسے پھر سے کسی خواب میں ہو۔

"زیدی... یہ سب؟"

زیدان نے اُسے کرسی پر بٹھایا، اور آہستہ سے کہا:

"جب تم روئی تھی تو میرا دل ٹوٹا تھا،

آج تمہاری مسکراہٹ کے لیے میں پوری دنیا جیتنے کو تیار ہوں۔"

عناہ کی آنکھوں میں نمی تھی... لیکن آج وہ آنسو خوشی کے تھے...

"زیدان... میں شاید خوشی میں پہلی بار ڈر نہیں رہی۔"

زیدان نے اس کی پیشانی پر لب رکھے،

"اور میں پہلی بار چاہتا ہوں کہ یہ لمحہ کبھی ختم نہ ہو..."

وہ دونوں روشنیوں کے بیچ، رات کے سناٹے میں...

محبت کی ایک نئی شروعات کر رہے تھے...

دوسری طرف اسامہ اس کشکش کا شکار ہوئے لان میں ٹھال رہا تھا زندگی اب کوئی نیا موڑ لیے اُس سے پہلے وہ مناہل کو اپنا بنا چاہتا تھا پر دل اور دماغ میں اٹھتے سوالات میں وہ الجھ کر رہ گیا تھا۔ پر دماغ سے وہ پکتے ارادہ کر چکا تھا کہ مزید وہ اپنی محبت کو نہیں چھپائے گا۔



رات کے آخری پہرے تھے...

دبئی کی خاموش فضاء میں بس تیز چلتی ہوا کی سرگوشیاں تھیں... اور نیچے لان میں تنہا اسامہ قدموں کی آوازوں کے ساتھ چکر لگا رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر الجھن صاف نمایاں تھی۔



دل ایک فیصلہ کرنا چاہتا تھا، دماغ اس فیصلے کے انجام سے خوفزدہ تھا۔

"اگر میں مناہل سے اپنے دل کی بات کہہ دوں..."

اور اُس نے انکار کر دیا...

تو کیا میں خود کو سنبھال پاؤں گا؟"

اسی کشمکش میں گم وہ بے اختیار ادھر ادھر گھوم رہا تھا جیسے کوئی جنگل میں راہ بھٹکا  
مسافر۔

دوسری طرف چھت پر زیدان اور عنایہ کینڈل نائٹ ڈنر کے بعد اپنے چھوٹے  
سے محبت بھرے ٹینٹ میں سوئے ہوئے تھے۔

ایک پُر سکون خاموشی، جو دونوں کے دلوں میں بسا چکی تھی۔

لیکن نیچے اسامہ کے قدموں کی زوردار آواز نے زیدان کی نیند چھین لی۔

اُس نے آنکھیں کھولیں، خیمے سے باہر نکل کر گرل کے پاس آیا،

تو نیچے اسامہ کو دیکھا جو کسی بن مانس کی طرح سر کھجاتا، پریشان حال، ادھر سے

ادھر بھاگ رہا تھا۔

زیدان نے گہرا سانس لیا، اور ہلکے سے مسکرا دیا۔

اُس نے نرمی سے عنایہ کو جگایا، اُسے کمرے کے بستر پر لٹا کر خود خاموشی سے نیچے

لان میں آگیا۔

کچھ لمحے دور کھڑا ہو کر اسامہ کو دیکھتا رہا۔

پھر آہستہ آہستہ اُس کے قریب آیا اور بولا:

"بھائی... یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ آدھی رات کو اچانک میرا تھن کی یاد کیوں آگئی؟"

اسامہ ایک دم چونکا...

سامنے زیدان کو دیکھ کر اُس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"کیا اسے پتہ چل گیا ہے؟ کہ میں اُس کی بھانجی کو دل دے بیٹھا ہوں؟ یا اللہ! یہیں میرا حشر نہ کر دے..."

اسامہ کچھ الٹی سیدھی وضاحتیں دینے لگا، باتوں کو گھمانے لگا۔

مگر زیدان نے غور سے اُسے دیکھا...

پھر اچانک اُس کی گردن پکڑ کر، ہنسی میں لیٹی سختی کے ساتھ اُسے لان کے کونے میں پڑی میز کی طرف لے گیا۔

کچھ لمحے مکمل خاموشی میں گزر گئے۔

پھر زیدان نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا:

"اتنا ڈر کیوں رہے ہو؟ زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا؟ انکار ہی تو ملے گا!"...

اسامہ نے حیرت سے دیکھا، زیدان کی آنکھوں میں ہمدردی جھلک رہی تھی،  
ایک عجیب سا یقین...



"میری نظر میں تم مناہل کے لیے بہترین انسان ہو۔

اور میں یہ بھی جانتا ہوں، وہ تمہیں کبھی نظر انداز نہیں کرے گی۔

لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم خود اُسے راضی کرو...

اُس کے دل میں جو ڈر ہے، اُسے سمجھو۔

جس دن تم اُس ڈر کا راز سمجھ گئے،

اُس دن وہ صرف اور صرف تمہاری ہو جائے گی۔"

اسامہ کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں گہری ہو گئیں۔

زیدان نے اُس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا، مسکرا کر پلٹا...

اور اُسے اُمید کی چمک دے کر، خاموشی سے واپس اندر چلا گیا۔

پیچھے اسامہ ایک نئی روشنی، ایک نئی اُمید کے ساتھ لان میں کھڑا رہ گیا...

صبح کی نرم دھوپ حویلی کے دالان میں بکھری ہوئی تھی،

لڑکیاں لان میں بوریت سے گہری ادھوری باتوں میں مشغول تھیں،

کبھی ہنسی، کبھی خاموشی، کبھی بے دلی۔

تب ہی لڑکے، یعنی اسامہ، عمار اور زیدان، ایک ایک کر کے دفتر کے لیے تیار ہو کر نیچے آئے۔

اسامہ نے ہلکی سی شوخی میں کہا:

"لگتا ہے ہمارے بغیر تم لوگوں کا وقت ہی نہیں گزرتا۔"

عنایہ نے آنکھیں گھمائیں اور مناہل نے صرف ناک چڑھا کر رخ موڑ لیا۔

اسی لمحے زیدان نے عمار کی طرف دیکھا — نظریں تیز، انداز نپاٹلا:

"جو کہا تھا، وہ ہوا نہیں ابھی تک؟"

عمار نے تھوڑا سا جھک کر جواب دیا:

"بس بھائی... کل تک سب کچھ مکمل ہو جائے گا۔"

زیدان نے صرف "ہمم" کہا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔

آج کا دن عام دنوں جیسا نہیں تھا...



آج کا دن فیصلے کا دن تھا۔

دبئی کے ایک فلک بوس ٹاور کی زیر زمین منزل میں آج زیدان خانزادہ کی میٹنگ رکھی گئی تھی۔

یہ وہ جگہ تھی جہاں عام لوگ تو کیا، سانس لینا بھی ہمت والوں کا کام تھا۔ یہ میٹنگ اُس کے زیر سایہ کام کرنے والے سبھی گینگ لیڈرز کے ساتھ تھی

جن علاقوں میں پھر سے کسی نے سر اٹھانے کی گستاخی کی تھی، آج اُن کے فیصلے طے ہونے والے تھے۔

زیدان اور اُس کے وفادار ساتھی، اپنے مخصوص گہرے رنگوں والے لباس، سیاہ چشموں اور گھورتی نگاہوں کے ساتھ، خاموشی سے وہاں پہنچ چکے تھے۔

کمرہ پہلے ہی خاموش تھا...

لیکن جیسے ہی دروازہ کھلا، اور

زیدان خانزادہ اپنی وہی پر شکوہ، رعب دار شخصیت کے ساتھ داخل ہوا—

سب کے دل جیسے حلق میں آ گئے۔

اُس کی آنکھوں میں ویسی ہی وہشت،

مگر انداز میں مکمل سکون، مکمل اختیار...

کمرے میں موجود سب گینگ لیڈر فوراً کھڑے ہو گئے— احترام، یا شاید خوف

میں، مگر بغیر کسی ہچکچاہٹ کے۔

زیدان آہستہ آہستہ آگے بڑھا،

مرکزی کرسی کی طرف آیا، اُسے کھینچا...

اور ٹھنڈے لہجے میں بولا:

"بیٹھ جاؤ..."

سب خاموشی سے بیٹھ گئے۔

پھر باری باری ہر لیڈر نے اپنے علاقے کی صورتحال بیان کی۔

کہیں چوری، کہیں غیر قانونی حرکتیں،

مگر سب سے خطرناک بات تھی:

"ایک گروہ دوبارہ ہتھیاروں کی اسمگلنگ کر رہا ہے... ہمارے ہی علاقے

سے!"

یہ سن کر زیدان کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ اُبھری —

وہ مسکراہٹ جو صرف تب آتی تھی جب وہ خود میدان میں اُترنے والا ہو۔

"بہت دن ہو گئے اصل میں اُترے ہوئے..."

لیکن آج... اُس گروہ نے خود مجھے موقع دے دیا۔

اُن کا انجام تو پہلے ہی لکھا جا چکا ہے!"

پھر اُس نے سر دلچے میں سبھی کو دیکھا:

"میرے قانون کو بھولنے والوں کو اُن کی زبان میں جواب ملے گا..."

اور یاد رہے... یہاں صرف ایک بادشاہ حکم دیتا ہے—زیدان خانزادہ!"

اپنے اصول، اپنی سلطنت، اور اپنے انجام کے پیغام کے ساتھ

زیدان نے ایک بار پھر سب کو اپنے اصول یاد دلائے۔

پھر بغیر کچھ کہے... اُٹھا،

اپنے سائے سے گہری شخصیت کے ساتھ  
میٹنگ ہال سے باہر نکل گیا۔  
کمرے میں خاموشی کی وہ لہر باقی رہ گئی،  
جو صرف زیدان خانزادہ کے گزرنے کے بعد چھوڑی جاتی تھی۔

دن کے سائے ڈھل چکے تھے،  
شام کی ٹھنڈی ہوا دبئی کی عظیم الشان حویلی کے آنگن سے ٹکرا کر خاموشی بکھیر  
رہی تھی۔

زیدان خانزادہ اور اس کے وفادار ساتھی، ایک تھکا دینے والے دن کے بعد حویلی  
واپس لوٹ چکے تھے۔

جیسے ہی اندر داخل ہوئے،

انہوں نے دیکھا کہ لڑکیاں مین ہال میں نڈھال، بوریٹ کے مارے خاموش بیٹھی تھیں۔

نہ قہقہے، نہ شرارت، نہ ہی وہ چہک جو اس گھر کی پہچان تھی۔

اسامہ نے آہستہ سے سرگوشی کی:



"یہ کیا بات ہے؟"

لڑکیاں گھر پر ہوں اور یہ سناٹا؟

ہمارا برا وقت تو نہیں آنے والا؟"

اسی لمحے عاصم نے موقع غنیمت جان کر طنز مارا:

"ارے نرگھس کا منہ اچھا نہ ہو،



توبات بھی اچھی نہ ہو"....!

اسامہ کی آنکھیں پھٹ گئیں:

"کیا...؟

میری شکل اچھی نہیں؟

میں... میں تو وہ ہوں جس پر راستہ چلتی لڑکیاں رک جائیں!"

عاصم نے آنکھیں گھما کر طنزیہ انداز میں کہا:

"بلی کو خواب میں چھچھڑے ہی چھچھڑے..."

ان کی نوک جھونک کے پیچ زید ان نے گہری نظر سے سب کو دیکھا،

پھر آہستہ سے بولا:

"کیا بات ہے؟"

اتنی خاموشی کیوں ہے آج؟

سب سیدھی سیدھی بیٹھی ہیں جیسے ٹیچر آگئی ہو؟"

عنایہ نے معصومیت سے نظریں اٹھا کر کہا:

"ہم بور ہو رہے ہیں..."

کہیں باہر گھومنے چلیں؟"



زیدان کی آنکھوں میں چمک آگئی —

وہ معصوم چہرہ، وہ بھولی سی فرمائش... دل تو پاگل ہو ہی گیا۔

اس نے عمار کی طرف دیکھا:

"سب تیار ہے نا؟"

عمار نے مسکرا کر سر ہلایا:

"جی خان!"

عمار نے نیچے بیسمنٹ کی طرف اشارہ کیا،

اور زیدان نے عنایہ کو اپنے حصار میں لیتے ہوئے سب لڑکیوں سے کہا:

"چلو، آج تم سب کی بوریت دور کرتا ہوں۔"

سب لڑکیاں حیرانی اور خوشی سے اٹھ کھڑی ہوئیں،

زیدان کے پیچھے پیچھے چلنے لگیں۔

اسامہ کو تجسس ہوا:

"یار... یہ نیچے کیا ہو رہا ہے؟"

عاصم نے اُس کا کالر پکڑا:

"تجھے ہضم نہیں ہونا،

چل... دیکھتے ہیں اندر کیا چھپا ہے۔"

اسامہ بندر جیسی خوشی سے ہنسا:

"میں تو خود حسین ہوں،

چلو دیکھتے ہیں زید ان بھائی کیا نکالنے والے ہیں۔"

Zubi Novels Zone

نیچے بیسمنٹ میں ہلکا اندھیرا تھا۔

زید ان نے تالیاں بجائیں،

اور لمحہ بہ لمحہ پورا بیسمنٹ روشن ہو گیا۔

خوبصورت، رنگ برنگی روشنیوں سے جھلملاتا ہوا۔

بیسمنٹ گول دائرہ نما تھا۔

چاروں طرف دیواروں سے زمین تک دلکش ناولز کی شیلیفیں سجی تھیں۔

رنگین لائنس، آرٹسٹک پودے، سائڈ ٹیبل لمپس،

صوفے، آرام دہ کرسیاں، اور ایک کونے میں مکمل کھانے کا کاؤنٹر —

یہ ایک خواب جیسی جگہ تھی!



جیسے ہی لڑکیوں کی نظریں وہاں پڑیں —

وہ تو خوشی سے جھوم اٹھیں۔

حوریہ نے چیختے ہوئے ایک ناول نکالی:

"میرا یارم کاظمی!"

کسی نے کہا:

"واہ واہ! ہمارا سالار سکندر بھی ہے!"

کوئی بولی:

"فارس... واجد... عمر جہانگیر... رومان شاہ!"

ان کے منہ سے ایک ایک کر کے لڑکوں کے فکشنل نام نکلتے گئے،  
اور ساتھ ہی سامنے کھڑے اسامہ، عاصم، عمار کی شکلیں بگڑتی چلی گئیں۔  
زید ان نے عمار کو غور سے دیکھا،

اور سنجیدگی سے پوچھا:

"یہ سب تُو نے کون سے ناولز لا کے رکھ دیے ہیں یہاں؟"

عمار نے گردن کھلاتے ہوئے شرمندگی سے کہا:

"بھائی... گوگل پر لڑکیوں کی پسندیدہ کتابیں یہی تھیں..."



تو بس، میں لے آیا!"

زید ان نے اُسے گھور کر دیکھا۔

مگر تب تک لڑکیاں اپنے شوہروں کو مکمل بھول چکی تھیں۔

ہر ایک نے اپنے پسندیدہ ناول اٹھایا۔

کوئی ایل۔ شیپ والے صوفے پر،

کوئی سفید فروالے کونے میں،

کوئی زمین پر بیٹھ کر۔

اور سب ناولز میں مکمل طور پر کھو گئیں۔

کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی،

یہاں تک کہ لڑکوں کو بھی اپنے وجود پر شک ہونے لگا۔

آخر کار، سر جھٹکتے،

وہ چپ چاپ بیسمنٹ سے باہر نکل گئے۔

صبح کی نرم دھوپ حویلی کے دالان میں سنہری روشنی بکھیر رہی تھی۔ مگر آج کا  
منظر کچھ الگ تھا...

کل رات لڑکیوں نے ایک نئی جنگ چھیڑی تھی—ناولز کی دنیا میں کھو کر، اپنے  
اپنے "ہیرو" کو لے کر ایسی ایسی باتیں کی تھیں کہ لڑکوں کا دماغ چکرا کر رہ گیا  
تھا۔

"میرا زیدان تو سالار سے بھی زیادہ خطرناک ہے!" "نہیں یار، عمار تو فارس جیسا ہے!" "ہا ہا ہا... اور اسامہ؟ وہ تو مکمل عمر جہانگیر ہے بس تھوڑا شوخا زیادہ ہے!" ایسی ہی چہکار بھری باتیں، قہقہے، اور مثالیں دے دے کر لڑکیوں نے اپنے ہونے والے شوہروں کا پورا دماغ چاٹ لیا تھا۔

اور آج صبح، وہ سب لڑکے — زیدان، ظفر، عمار، اسامہ اور عاصم — ڈرائنگ روم کے سونے پر چائے کا انتظار کرتے ہوئے، خاموش بیٹھے تھے جیسے کوئی ذہنی صدمے سے گزر رہا ہو۔

ہر ایک نے یا تو سر پکڑا ہوا تھا یا آسمان کو تک رہا تھا جیسے سوال کر رہا ہو: "آخر یہ لڑکیاں ہمیں کس دنیا میں لے جا رہی ہیں؟"

زیدان نے اخبار بند کیا، اور پھر آہستہ سے نظر دوڑائی۔ اسامہ اور عاصم حد درجہ چپ بیٹھے تھے، جو عام دنوں میں سب سے زیادہ بولنے والے ہوتے تھے۔ ظفر نے زیدان کو آنکھوں ہی آنکھوں میں دیکھا۔ زیدان نے نظریں جھکائے بغیر ہلکی سی بھنویں اچکائیں۔ عمار نے چائے کا کپ رکھتے ہوئے ہلکے سے سر ہلایا اور آنکھ سے اشارہ کیا:

"بھائی... دونوں پاگل ہو رہے ہیں۔ پرپوز کرنے کا سوچ رہے ہیں، مگر ڈر کے مارے سانس بھی نہیں لے رہے۔"

زیدان نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا، جیسے کہہ رہا ہو: "یہ محبت بھی عجیب چیز ہے..."

پھر اُس نے ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھایا، ٹائم دیکھا اور گہرا سانس لے کر بولا:

"سب آفس میں آ جاؤ، تیار ہو کے آنا۔ کافی کام ہے۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ پیچھے سب ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔

ایک خاموش دن کا آغاز ہو چکا تھا۔ جس میں نہ کوئی شرارت تھی، نہ کوئی بحث، نہ ہی وہ روایتی ہنسی مذاق۔

بس دلوں میں چھپے فیصلے، لبوں پر خاموشیاں، اور چائے کی خالی پیالیاں...

دن کا دوسرا پہر تھا۔ حویلی میں ہلکی ہلکی ہنسی اور قہقہوں کی نرم سی گونج چھائی ہوئی تھی۔ لڑکیاں تیار ہو کر لاونج میں بیٹھی تھیں۔ کمرے میں ہلکی گلابی روشنی بکھری ہوئی تھی، اور ہر جانب مہکتی خوشبو فضاء میں رچی بسی تھی۔

صنم، مناہل، ایشال، حوریہ اور عنایہ — ہر ایک آج کچھ خاص لگ رہی تھی۔  
چہروں پر نئی تازگی اور آنکھوں میں چمک تھی۔

آج شاپنگ کا منصوبہ تھا — ظفر، زیدان اور عمار کسی کاروباری میٹنگ کے سلسلے  
میں روانہ ہو چکے تھے، مگر پیچھے رہ گئے تھے دوایسے دل... جن میں اس وقت  
محبت کی خاموش سی جنگ جاری تھی: اسامہ اور عاصم۔

یہ دونوں آج کسی اور ہی کیفیت میں مبتلا تھے۔ آئینے کے سامنے سینکڑوں بار  
مشق کی گئی تھی۔ دل کی باتوں کو جملوں میں ڈھالنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی  
تھی۔ مگر اب جب اصل وقت آیا — اور وہ بھی دونوں کی دل کی رانی سامنے  
بیٹھی تھیں — تو جیسے تمام الفاظ ان کے لبوں سے روٹھ گئے۔



"کہہ دو یار... ابھی موقع ہے!" عاصم نے آہستہ سے کہنی مارتے ہوئے اسامہ کے کان میں سرگوشی کی۔

"تم کہو... تم تو شروع سے سنجیدہ ہو!" اسامہ نے نظریں چراتے ہوئے مدھم آواز میں جواب دیا۔

دونوں نے ہمت باندھ کر ایک بار پھر اپنے دل کی ملکہ کو دیکھا— مگر جو نہی مناہل نے اسامہ کی طرف دیکھا، وہ گھبرا کر فوراً نظریں جھکا گیا۔  
"کیا ہوا؟" مناہل نے نرمی سے پوچھا۔

اسامہ نے بمشکل ہونٹ کھولے اور نظریں جھکاتے ہوئے بولا: "وہ... میں... موسم بہت خوبصورت ہے آج..."

مناہل نے مسکراتے ہوئے سر جھٹکا: "تم بھی نا، کبھی ایک دن تو نارمل بات کر لیا کرو۔"

عاصم نے موقع دیکھ کر حوریہ کے قریب جاتے ہوئے نرمی سے کہا: "حوریہ... مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے..."

حوریہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا: "کیسی بات عاصم؟"

عاصم کے حلق میں جیسے کانٹے آگئے۔ اس نے بے چینی سے گلا صاف کیا، آنکھیں بند کیں اور دل تھام کر لب کھولے:

"تمہیں... تمہیں سب سے زیادہ کون سا رنگ پسند ہے؟"

حور یہ نے قہقہہ مار کر ہنستے ہوئے سر تکیے میں چھپا لیا: "بس یہی بات کرنی تھی تمہیں؟"

عاصم نے ناک سکیر کر خود سے بڑبڑاتے ہوئے نظریں چرائیں: "کاش دل کا رنگ پسند پوچھ سکتا... پر ڈر لگتا ہے کہ کہیں وہ میری محبت کو بچوں کی ضد نہ سمجھ بیٹھے..."

اس کی نظروں میں ایک عجیب سا خوف تھا۔ وہ نہ صرف اظہار سے ہچکچا رہا تھا، بلکہ ایک اندرونی کشمکش کا شکار تھا۔

"کہیں وہ ہنس کے یہ نہ کہہ دے... 'عاصم تم ابھی بڑے ہی نہیں ہوئے'..."

پھر وہ شرارتی نظروں سے حوریہ کو دیکھتے ہوئے دل میں سوچتا گیا: "یارا اگر اُسے بتایا کہ میں خواب میں بھی اُسے اپنی دلہن کہہ کے بلاتا ہوں... تو وہ خواب کی تشریح پوچھنے نہ لگ جائے؟"

"بچپن سے تو کھیل میں بھی ہمیشہ دلہن وہی بنتی تھی، اور دولہا میں... لیکن اب یہ کھیل دل سے ہو گیا ہے..."

دوسری طرف اسامہ کی حالت بھی کچھ کم نہ تھی۔ مناہل کی ایک نظر ہی اسے پتھر کا بُت بنا دیتی تھی۔

مگر آج... وہ ہمت باندھ چکا تھا۔

اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو چکی تھیں، اور وہ دل ہی دل میں خود سے لڑ رہا تھا:  
"یار، اگر میں نے کہہ دیا اور اس نے گلے پڑنے والی اپنی infamous  
punishment دے دی تو؟"

اس نے سوچا: "مناہل نے تو کہا تھا اگر کبھی جھوٹ بولو تو تمہاری چائے میں  
مرچیں ڈال دوں گی... اگر اظہار کا وقت غلط نکلا تو direct... چائے کی  
kettle ہی نہ پھینک دے!"

"نہیں بھائی risk high... ہے" low chance ...

پھر اچانک مناہل نے آنکھ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، اسامہ فوراً نظریں جھکا گیا:  
"وہ... میں... موسم بہت خوبصورت ہے آج..."

مناہل نے مسکراتے ہوئے سر جھٹکا: "تم بھی نا، کبھی ایک دن تو نارمل بات کر لیا کرو۔"

شام کو دونوں دوست حویلی کے باغ میں ٹہل رہے تھے۔ ہلکی شام، ٹھنڈی ہوا، اور دودھڑکتے دل۔

اسامہ نے سر جھٹک کر کہا: "یارا گراس نے انکار کر دیا، تو میں نکہت آنٹی کی طرح ڈرامہ شروع کر دوں گا کہ... یہ عشق تھا یا کوئی تھانے کی ایف آئی آر؟"

عاصم ہنس پڑا: "اور میں اگر انکار برداشت نہ کر پایا، تو جا کے آئس لینڈ کے کسی گلیشیر میں منجمد ہو جاؤں گا۔"

اسامہ نے شرارت سے آنکھ ماری: "بھائی، اگر ڈان زیدان نے پریپوز کیا ہوتا تو اب تک ان کے تین بچے ہوتے!"



عاصم نے ہنستے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا: "بس دعا کرو، نورِ وک میں برفباری کے ساتھ ساتھ اظہار کا وقت بھی پگھل جائے..."



نارِ وک، آئرلینڈ کی فضا جیسے آج کسی فلم کی شوٹنگ کے لیے خود تیار کی گئی ہو — برف سے ڈھکی پہاڑیاں، سرد ہوا کا بے رحم لمس، اور آسمان پر سرمئی بادلوں کی موٹی چادر۔ ایک ایسا منظر، جہاں خواب، حقیقت بننے سے بس ایک دھڑکن کی دُوری پر کھڑے ہوں۔

زیدان خانزادہ کے قافلے نے ایر لینڈ کی زمین پر قدم رکھ دیا تھا۔ نوجوانوں کی ہنسی، لڑکیوں کی شرماتی خوش گپیاں، اور لڑکوں کی نظروں کے نیچے چھپی دھڑکنوں کی بے چینی... جیسے ہر کوئی کچھ کہنا چاہتا ہو، مگر الفاظ کہیں گم ہو چکے ہوں۔

"یار! آج نہ کہا، تو شاید کبھی نہ کہہ سکوں..."

عاصم نے ہولے سے اسامہ کے کان میں کہا، جس کی آنکھیں مناہل پر جاٹھری تھیں۔

"تو کہہ دے نا بھائی... میں تو اُسے دیکھتا ہوں تو زبان گم ہو جاتی ہے۔ دل سے نکلتا ہے کچھ، لبوں تک آتا ہی نہیں..."

اسامہ نے دھیمی سانس بھرتے ہوئے اعتراف کیا۔

مگر یہ سرد فضا بھی جیسے جانتی تھی... کہ کچھ دل صرف خاموشی سے دھڑکتے ہیں۔

راستے بھر عجب ہنگامہ رہا۔ کبھی کسی کافی شاپ پر بیٹھنے کی کوشش، کبھی برف پر واک کے بہانے۔ مگر یا تو کوئی درمیان میں آگیا، یا انگوٹھی زمین پر گر گئی، یا حوصلہ... دل کے اندر ہی دب کر رہ گیا۔

"یار، جیب میں انگوٹھی لے کر گھوم رہا ہوں، جیسے کوئی بچہ کھلونا چھپا رہا ہو..."

عاصم دل میں سوچتا رہا، اور اسامہ آسمان کی طرف دیکھ کر صرف اتنا کہہ سکا:

"اللہ جی... مناہل کے سامنے الفاظ خود بخود نکل جائیں، اتنی سی مدد دے دو  
بس..."

پھر وہ رات آئی جس کا سب کو انتظار تھا۔

نور واک آئر لینڈ کا فارم ہاؤس روشنیوں میں نہا گیا تھا۔ رنگ برنگے قمقمے، خوشبو  
سے مہکتے ہال، اور ہر طرف ہنسی کے رنگ بکھرے ہوئے۔ مگر ان رنگوں میں  
دو چہرے ایسے بھی تھے جن کے اندر ہلچل مچی ہوئی تھی۔

"یار! اب نہیں کہا تو کبھی نہیں... آج رات دل کی بات کہہ دیں؟"

اسامہ نے کانپتی آواز میں عاصم سے کہا۔

"ہاں... پر ڈر لگتا ہے، اگر اُس نے انکار کر دیا تو؟ مذاق سمجھ لیا تو؟"

"تو ہم بھی ہنس دیں گے... پر اندر جو دل تڑپ رہا ہے، اُسے تو سکون ملے گا نا!"

اسامہ نے نیم مسکراہٹ کے ساتھ حوصلہ دیا۔



اور پھر نکاح کی تقریب شروع ہوئی۔

سب لڑکے سفید شلوار قمیض اور واسکٹ میں شہزادے لگ رہے تھے۔ دلوں کی دھڑکن تیز، آنکھیں دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ قاری صاحب نے نکاح کا آغاز کیا:

"پہلے زفر احمد اور صنم کا نکاح ہو گا... پھر عمار اور ایشال کا۔"

صنم اور ایشال دلہنوں کی طرح سچ دھج کر داخل ہوئیں۔ مگر اُن کے پیچھے... دو

اور چہرے!

حوریہ... اور مناہل!...



نکاح کا جوڑا پہنے، حیا سے جھکی نظریں، اور لبوں پر دبی مسکراہٹیں۔ عاصم اور

اسامہ کی دنیا جیسے تھم سی گئی۔

"یہ کیا...؟"

اسامہ کے لب کا نپنے لگے، اور عاصم کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔



"ارے کوئی پانی لاو بھائی، یہ تو فالج زدہ لگ رہے ہیں!"

ظفر نے ہنستے ہوئے آواز لگائی۔

"تم دونوں سے نہ ہوسکا، تو زید ان بھائی نے سوچا... چلو ان بے چاروں کی مدد کر

دیتے ہیں!"

عمار نے شرارتی انداز میں کہا۔

زید ان خانزادہ آگے بڑھا، اپنی مخصوص پُر اعتماد آواز میں بولا:

"جب دوست کمزور پڑ جائیں... تب بھائی کے ہاتھ مضبوط ہوتے ہیں!"

"تو مطلب یہ سب... پلان تھا؟"

اسامہ نے ہنستے روتے لہجے میں پوچھا۔

"اور ہمیں منانا اتنا مشکل تھا؟ ہم نے تو صرف تمہارے اظہار کا انتظار کیا تھا۔"

حوریہ نے نرمی سے جواب دیا۔

"تو تم دونوں کو سب پتا تھا؟"

عاصم نے گڑبڑا کر پوچھا، آنکھوں میں حیرت اور دل میں بے یقینی کی لہریں۔

"پتا؟"

مناہل نے شرارتی انداز میں عاصم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،

"ہمیں وہ دن بھی یاد ہے جب تم کافی شاپ پر بولنے ہی والے تھے اور کافی گر گئی تھی۔"

"اور وہ برف والی واک... ہم تو جان بوجھ کے پیچھے آ گئیں تھیں!"

حوریہ نے ہنستے ہوئے اسامہ کی طرف اشارہ کیا۔

"یعنی تم دونوں... سارا پلان تھا؟"

"نہیں... محبت تھی، اور ہم نے صرف تمہارے ہونٹوں سے وہ سچ سننے کا انتظار

کیا جو تمہاری آنکھیں کب سے کہہ رہی تھیں۔"

مناہل کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔

اسامہ نے اُس کی طرف بڑھ کر آہستہ سے ہاتھ تھاما۔

"شاید الفاظ نہ مل سکے، مگر دل ہر لمحہ تمہارا ہی نام لیتا رہا..."

عاصم نے جھک کر حوریہ کا ہاتھ پکڑا اور دھیرے سے بولا:

"میں نے ہر رات دعا مانگی کہ تم میری زندگی میں ہمیشہ کے لیے شامل ہو جاؤ..."

اور آج... دعا قبول ہو گئی؟"

حوریہ نے مسکراتے ہوئے کہا:

"تمہارے ہونے سے پہلے... زندگی صرف گزر رہی تھی۔ اب ہر لمحہ جینے کا دل کرتا ہے۔"

سب کے چہرے خوشی سے چمکنے لگے۔ قہقہے، آنسو، خوشبو، اور زندگی ایک دوسرے سے لپٹی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

زیدان ایک گوشے میں خاموش کھڑا، یہ سب منظر اپنی آنکھوں میں جذب کر رہا تھا۔

انایا اُس کے پاس آئی، دھیرے سے بولی:

"یہ سب جو تم نے کیا، اُس سے تم صرف ایک بھائی نہیں، ایک سایہ بن گئے ہو سب کا..."

زید ان نے نظریں جھکا کر ہولے سے جواب دیا:

"یہ میرے بچے ہیں، ان کی مسکراہٹوں میں ہی میری زندگی کی روشنی ہے۔"



اسی لمحے، ایما نے قہقہہ لگایا:

"چلو بھائی... اب جو جوڑے بن گئے، وہ cake cutting کی طرف

بڑھیں!"

روشنیوں میں نہایا ہال، خوشی کے نعروں سے گونج اٹھا۔



سب جوڑے اپنے کمروں کی طرف جارہے تھے۔  
شرماتی ہوئی دلہنیں، teasing کرتے دلہا، اور ہنسی سے لبریز محبت کے کچھ  
نئے انداز۔

کمرے اپنے اپنے دلہا دلہنوں کے لیے سجے ہوئے تھے... وہی روشنی، وہی  
خاموشی... مگر اب ہر خاموشی کے پیچھے محبت کی دھڑکن سنائی دے رہی تھی۔

اسامہ مناہل کے قریب بیٹھا، آہستہ آہستہ اس کے دوپٹے کے کنارے کو انگلیوں  
میں لپیٹتا رہا۔

"مجھے ڈر تھا تم چلی جاؤ گی... اور آج، تم میری زندگی بن گئی ہو۔"

مناہل نے نظریں جھکاتے ہوئے آہستگی سے کہا:

"تمہارا خاموش انتظار ہی میرا سب سے خوبصورت پیغام تھا..."

عاصم نے شرارت سے کہا:

"اب تو روز تمہیں ایسے ہی سجاتا ہوں گا، میری دلہن!"

حوریہ نے ہنستے ہوئے انگلی سے اُسے چپ کر وایا:

"بس ایسے ہی ہمیشہ ہنستے رہنا... کیونکہ تمہاری ہنسی سے مجھے سکون آتا ہے۔"

عمار نے دروازہ بند کرتے ہی ایشال کو اپنی بانہوں میں کھینچ لیا۔

"اتنے دن کے بعد تم میری ہوئی ہو... اب تو کوئی اور خواب نہیں چاہیے۔"

ایشال نے شرماتے ہوئے کہا:

"تو پھر... ہر صبح صرف میرے لیے جاگا کرو، کیونکہ میری دنیا اب صرف تم ہو۔"

عمار نے مسکرا کر جواب دیا:

"تمہاری نیندوں کے محافظ کا وعدہ ہے میڈم!"

ظفر نے روایتی انداز میں کہا:

"سنیں جی! اب تو پوری زندگی ساتھ رہنا ہے، برداشت کر لو گے مجھے؟"

صنم ہنستے ہنستے اُس کے سینے سے لگ گئی:

"برداشت نہیں... محبت کروں گی، وہ بھی روز بڑھتی ہوئی!"

زفر نے اپنی پیشانی اُس کی پیشانی سے لگائی،  
"تم وہ سکون ہو جو میرے شور کو خاموش کر گیا..."

♥ زیدان اور عنایہ (خوشی کے سائے میں خاموشی)  
کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑے زیدان نے دور آسمان کی طرف دیکھ کر کہا:  
"میں نے جو خونی دنیا دیکھی ہے... اُس میں یہ خوشی خواب جیسی لگتی ہے۔"

عنایہ اُس کے کندھے سے لگ گئی، نرمی سے بولی:  
"یہ خواب تم نے خود سب کے لیے سچ کیا ہے... اب اپنی باری ہے زیدان!"

زیدان نے اُس کی طرف دیکھا...

"تم ہو تو لگتا ہے جیسے میں بھی انسان ہوں... ورنہ میں تو بس زیدان خانزادہ تھا!"

عنایہ نے ہنس کر کہا:

"اور آج، تم صرف میرے ہو!"



اور دور...

زیدان اپنی کھڑکی کے پاس کھڑا آسمان کو تکتا رہا۔

"آج ان کی خوشی دیکھ کر دل میں جو سکون اتر رہا ہے... شاید یہی وہ جذبہ ہے، جسے کبھی سمجھنے سے انکار کیا تھا..."

عناہ کی آہٹ اُس کے قریب آئی۔

"کیا سوچ رہے ہو زیدان؟"

وہ مسکرایا، آنکھوں میں نمی اور لبوں پر شکر کے رنگ۔

"بس یہی... کہ کچھ رشتے قسمت بناتی ہے، اور کچھ ہم خود بناتے ہیں۔ آج

دونوں کا میل ہو گیا۔"



زیدان اور عناہ (خوشی کے سائے میں خاموشی)

کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑے زیدان نے دور آسمان کی طرف دیکھ کر کہا:

"میں نے جو خونی دنیا دیکھی ہے... اُس میں یہ خوشی خواب جیسی لگتی ہے۔"



عنایہ اُس کے کندھے سے لگ گئی، نرمی سے بولی:

"یہ خواب تم نے خود سب کے لیے سچ کیا ہے... اب اپنی باری ہے زیدان!"

زیدان نے اُس کی طرف دیکھا...

"تم ہو تو لگتا ہے جیسے میں بھی انسان ہوں... ورنہ میں تو بس زیدان خانزادہ

تھا!"

عنایہ نے ہنس کر کہا:

"اور آج، تم صرف میرے ہو!"

اور دور...

زیدان اپنی کھڑکی کے پاس کھڑا آسمان کو تکتا رہا۔

"آج ان کی خوشی دیکھ کر دل میں جو سکون اتر ا ہے... شاید یہی وہ جذبہ ہے، جسے کبھی سمجھنے سے انکار کیا تھا..."

عنایہ کی آہٹ اُس کے قریب آئی۔

"کیا سوچ رہے ہو زیدان؟"

وہ مسکرایا، آنکھوں میں نمی اور لبوں پر شکر کے رنگ۔

"بس یہی... کہ کچھ رشتے قسمت بناتی ہے، اور کچھ ہم خود بناتے ہیں۔ آج

دونوں کا میل ہو گیا۔"

رات کی سیاہی آسمان پر پوری طرح پھیل چکی تھی۔

دبئی کے فارم ہاؤس پر مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی، صرف درختوں کے پتوں کی ہلکی ہلکی سرسراہٹ اور کہیں دور سے آتی جھینگروں کی آواز، جیسے فضا میں کوئی لوری گنگنا رہی ہو۔

ہر کوئی اپنی اپنی زندگی کے نئے سفر، نئی امیدوں، اور خوابوں میں گم، نیند کی وادیوں میں تھا۔

ہر دل کسی نہ کسی خوشی کی آس لیے سویا ہوا تھا۔

عناہ، زیدان کے سینے پر سر رکھے، گہری نیند میں تھی۔  
اس کی سانسیں زیدان کی دھڑکنوں سے ہم آہنگ تھیں۔

زیدان کی بانہوں کا دائرہ اُس کے گرد ایسا تھا جیسے وہ عنایہ کو پوری دنیا کی تکلیفوں سے چھپا کر رکھے ہوئے ہو۔

ایک سکون... ایک مکمل پن... جو ان کے وجود سے جھلک رہا تھا۔

مگر... اچانک۔



عنایہ کی نیند میں خلل پڑا۔

اسے یوں لگا جیسے اس کے پیٹ میں ایک شدید اینٹھن اُٹھ رہی ہو، دل گھبرا سا گیا، ماتھے پر پسینے کی بوندیں نمودار ہوئیں۔

اس نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولیں، پھر زیدان کی بانہوں سے نکلتی، عجلت میں بستر سے نیچے اتری اور سیدھی واش روم کی طرف بھاگی۔

زیدان کو جیسے ہی اس کی حرکت کا احساس ہوا، وہ چونک کر جاگ اٹھا۔  
"عنایہ؟" اس نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا، مگر جواب میں بس قدموں کی آواز  
اور واش روم کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی۔

زیدان فوراً اٹھا اور بے تابی سے دروازے کی طرف لپکا۔  
اندر سے قے کی آوازیں آرہی تھیں، زیدان کا دل دہل گیا۔  
"عنایہ!" وہ گھبرا کر دروازہ کھولتا ہے اور اندر داخل ہوتا ہے۔

عنایہ، واش بیسن پر جھکی ہوئی، سانسیں اکھڑی اکھڑی، چہرہ لسنے سے تر، اور  
رنگ بالکل زرد ہو چکا تھا۔

زیدان تیزی سے اس کے قریب گیا، اور پیچھے سے اس کی کمر سہلانے لگا۔

"سانس لو... میں یہاں ہوں... کچھ نہیں ہونے دوں گا تمہیں۔"

اس کی آواز میں اتنی نرمی اور بے چینی تھی کہ کوئی بھی سن کر لرز جاتا۔

عنایہ کی حالت لمحہ بہ لمحہ بگڑ رہی تھی۔

وہ سہارے سے کھڑی تھی، اور پھر اچانک، وہ لڑکھڑاتی ہوئی زیدان کے سینے سے لگی... اور اگلے ہی پل بے ہوش ہو گئی۔

"عنایہ !!!..."

زیدان کی روح جیسے کسی نے جکڑ لی ہو۔ اس کی چیخ دل پھاڑ دینے والی تھی۔

وہ فوراً اسے بانہوں میں اٹھا کر واش روم سے باہر نکلا،



بستر پر لٹایا، اس کے گال تھپتھپائے، پانی کے چھینٹے مارے، مگر اس کی پلکیں تک نہ ہلیں۔

"عنا یہ... میری بات سنو... آنکھیں کھولو!"

زیدان کی آواز کپکپا رہی تھی، اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔

اگلے لمحے وہ بجلی کی رفتار سے سائیڈ ٹیبل کی طرف لپکا، فون اٹھایا، اور کانپتے ہاتھوں سے ڈاکٹر کا نمبر ملا یا۔

زیدان کی ایک کال پر گھر کے تمام افراد کمرے کی طرف دوڑے چلے آئے۔  
ہر چہرہ بے چین، ہر قدم بے قرار۔

ہر یہ آنکھوں میں آنسو لیے بولی،

"بھابی تو تھوڑی دیر پہلے بالکل ٹھیک تھیں، پھر یہ اچانک کیا ہو گیا؟ بھائی نے بھی کچھ بتایا نہیں!"

زیدان دروازے کے سامنے اضطرابی قدموں سے ٹہل رہا تھا۔

اس کے چہرے کی سفیدی، اس کی آنکھوں کی بے نوری، دل کی حالت سب کچھ بول رہی تھی۔

اس کے لب مسلسل ہل رہے تھے، جیسے دعائیں مانگ رہا ہو۔

وہ جو دوسروں کے لیے عذاب تھا، آج ایک عورت کے لیے بے بسی کی حدوں سے گزر رہا تھا۔

کمرے کے دروازے سے روشنی پھوٹی —

ڈاکٹر باہر آئی۔ سب اس کی طرف لپکے، سب سے آگے زیدان۔

"ڈاکٹر؟ کیا ہوا؟ وہ ٹھیک ہیں نا؟"

زیدان کی آواز میں گھبراہٹ، بے بسی اور التجا شامل تھی۔

ڈاکٹر نے ایک نرمی بھری مسکراہٹ سے کہا،

"ریلیکس مسٹر زیدان... وہ بالکل خیریت سے ہیں، گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔"

زیدان کا صبر جواب دے گیا،

"آپ کو ان کی حالت دیکھ کر بھی ریلیکس لگ رہی ہے؟ کیا آپ کو کچھ پتا بھی ہے کہ وہ کتنی تکلیف میں تھیں؟"

ڈاکٹر اب بھی پرسکون تھی۔

"جی، کیونکہ وہ بالکل خیریت سے ہیں۔ اور... یہ تو خوشی کی خبر ہے۔ آپ باپ بننے والے ہیں۔ آپ کی بیوی امید سے ہیں۔"

کمرے میں جیسے یک دم روشنی بھر گئی۔

جیسے کوئی دعاؤں کا باب کھل گیا ہو۔

زید ان کچھ لمحے خاموش کھڑا رہا، جیسے اسے یقین نہ آیا ہو۔

اس کے قدم ساکت، آنکھیں جامد، اور دل... دھڑکنا بھول چکا تھا۔

تب اچانک —

"اوہ مائی گاڈ!" اسامہ خوشی سے چیخ پڑا،

"میں چاچا بن گیا! سنو سنو سب! میں چاچا بن گیا!"

سب ہنس پڑے، خوشی کے مارے کوئی چپ نہ رہ سکا۔

خالو، خالہ، چچا زاد، سب کے چہروں پر چمک، آنکھوں میں روشنی تھی۔

زیدان کی آنکھوں سے دو بوندیں بے اختیار بہہ نکلیں۔

اس باریہ آنسو کمزوری کے نہیں، طاقت کے تھے — محبت کے، اور زندگی

کے۔

✿ زیدان کا عنایہ کے پاس جانا

زیدان دھیرے دھیرے کمرے کے اندر داخل ہوا۔

عنایہ اب بستر پر نیم دراز، شرم سے نگاہیں جھکائے بیٹھی تھی۔

اس کے گالوں پر سرخی تھی، ہونٹوں پر ہلکی سی مسکان۔

زیدان آہستگی سے چلتا ہوا اس کے پاس آیا،

زمین پر اس کے سامنے بیٹھا، اور نرمی سے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"شکریہ عنایہ..."

اس کی آواز میں ایک دنیا چھپی تھی،

"تم نے مجھے وہ خوشی دی ہے... جس کی مجھے کبھی امید بھی نہ تھی۔"



عنایہ نے پہلی بار نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا،  
اس نظر میں شرم، محبت، اور خاموش وعدے چھپے تھے۔

زیدان نے اُسے اپنے حصار میں لے لیا۔

اور پھر لمحے خاموش ہو گئے۔

مگر... محبت بول اٹھی۔

اور کمرے میں ننھے وجود کی آمد کی پہلی خوشبو پھیل گئی۔

زیدان اور عنایہ کے درمیان محبت کی یہ کہانی ایک نئے موڑ پر پہنچ چکی تھی۔  
دونوں کی زندگی میں ایک نیا باب کھلنے والا تھا، جس کی خوشی اور جوش نے ان  
کے دلوں کو بھر دیا تھا۔ زیدان نے عنایہ کو اپنے قریب کرتے ہوئے کہا، "یہ لمحہ  
ہمارے لیے ایک نئی شروعات ہے، جہاں ہم اپنے خوابوں کو حقیقت میں بدلتے  
دیکھیں گے۔"

عنایہ نے مسکراتے ہوئے کہا، "ہاں، اور اس سفر میں ہم ایک دوسرے کا ساتھ  
دیں گے، ہر خوشی اور ہر چیلنج کو مل کر جھیلیں گے۔"

دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکا، جہاں محبت کی گہرائی اور اعتماد  
کی روشنی تھی۔ زیدان نے عنایہ کے ہاتھ کو تھام کر کہا، "ہماری یہ کہانی ہمیشہ  
کے لیے امر ہو جائے گی، اور ہمارا یہ ننھا مہمان ہماری دنیا کو مکمل کر دے گا۔"

عنایہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا، "ہاں، اور ہم اس کے لیے ایک خوبصورت دنیا بنائیں گے، جہاں محبت، خوشی، اور امن ہو۔"

اس لمحے میں، زید ان اور عنایہ نے محسوس کیا کہ ان کی محبت نے انہیں ایک نئی زندگی کی طرف بڑھا دیا ہے، جہاں ان کے خوابوں کا محل تعمیر ہو رہا تھا۔ ان کی کہانی کا یہ نیا باب ان کے دلوں میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔



محبتوں کے زخم سب سے تھے، تقدیروں کے فیصلے بدل چکے تھے، اور اب وقت تھا اس کہانی کے آخری سفر کا...

دبئی کی جگمگاتی روشنیوں میں وہ طیارہ اتر چکا تھا، جو ایک نئی زندگی کا پیغام لایا تھا۔ زید ان نے عنایہ کو نہایت احتیاط سے بازوؤں میں اٹھا رکھا تھا، جیسے کوئی قیمتی

متاع ہو۔ اس کے ساتھ اس کے خاص وفادار، خاندان اور محافظین بھی موجود تھے۔

"کیا ہم گھر جا رہے ہیں؟" عنایہ نے تھکی مگر محبت بھری نگاہ سے زیدان کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

زیدان کی آنکھوں میں شفقت کا سمندر تھا۔ "نہیں، ہم اس جگہ جا رہے ہیں جو صرف تمہارے لیے بنائی گئی ہے۔"

چند ہی لمحوں بعد قافلہ ایک عالی شان دروازے کے سامنے رکا جس پر سنہری تختی پر لکھا تھا:

**\*\*خاں پیلس\*\***

محل کے ستون سنگِ مرمر کے تھے، سفید اور نیلے رنگوں سے سجا ہوا وہ قصر خوابوں کی تعبیر لگ رہا تھا۔ زیدان نے جب عنایہ کو اس محل کے آنگن میں قدم رکھنے دیا تو وہ پھٹی آنکھوں سے اس شاندار محل کو تکتی رہ گئی۔

"یہ خواب ہے؟" عنایہ نے بے یقینی سے کہا۔

زیدان مسکرایا، "نہیں، یہ تمہاری حقیقت ہے۔"

اب عنایہ محل میں تھی، لیکن وہ اکیلی نہ تھی۔ اس کے آس پاس ہر شخص اس کی دیکھ بھال میں مصروف تھا۔ پولیس کی سیکیورٹی دگنی کر دی گئی تھی۔ زیدان نے اپنے تمام کاروباری معاملات سے وقتی کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور ساری توجہ عنایہ اور آنے والے بچوں پر مرکوز کر دی تھی۔

عنایہ کے نخرے بڑھ گئے تھے، کبھی دودھ نہیں پینا، تو کبھی فروٹ کے ذائقے پر اعتراض۔

"یہ سیب کھٹے ہیں، مجھے آم دو!" عنایہ نے برا سامنہ بنا کر کہا۔  
زید ان ہنستے ہوئے بولا، "جو تم کہو، وہی قانون ہے میری ملکہ۔"

وہ اس کا ہاتھ تھامے روزانہ شام کو واک پر لے جاتا، اسے کھانے کھلاتا، اور ہر پل اس کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھنے کی کوشش کرتا۔

پانچویں مہینے کی ایک خوشگوار شام تھی۔ سب افراد خوشی میں مگن تھے، جب عنایہ نے اچانک ایک چیخ ماری:



"زیدان! اس نے مجھے کک ماری ہے!"

زیدان دوڑتا ہوا آیا، فوراً ہاتھ رکھا لیکن کوئی حرکت محسوس نہ ہوئی۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ فوراً ڈاکٹر کو طلب کیا گیا جو مکمل نو ماہ کے لیے پبلس میں ہی مقیم تھی۔

الٹراساؤنڈ مشین کی سکرین پر دو ننھی جانوں کی دھڑکنیں دیکھ کر سب حیرت زدہ رہ گئے۔

ڈاکٹر نے خوشخبری سنائی، "مبارک ہو، عنایہ جڑواں بچوں کی ماں بننے والی ہیں۔"

زیدان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، اور عنایہ نے بے یقینی سے کہا، "دو بچے؟ میں کیسے سنبھالوں گی؟"

زیدان نے ہنستے ہوئے کہا، "اگر تم نہ سنبھال سکو تو میں ہوں ناں، تمہیں بھی سنبھالوں گا اور ان دونوں کو بھی۔"

جب یہ خبر سب تک پہنچی تو خوشیوں کی لہر دوڑ گئی۔ لیکن حیرت انگیز طور پر عنایہ کی خوشخبری کے ساتھ ہی ایشل اور صنم نے بھی اپنے مثبت ٹیسٹ بتائے۔ زفر، عمار، اسامہ، اور عاصم نے قہقہے لگا لگا کر ماحول کو مزید خوشگوار بنا دیا۔ زفر نے زیدان سے کہا، "پہلے تو بتا، تیری خبر بڑی ہے یا ہماری؟" زیدان نے ہنستے ہوئے کہا، "میں جڑواں بچوں کا باپ بننے والا ہوں۔"

ہال میں ایک پل کو خاموشی چھا گئی، پھر سب نے شور مچا کر اسے گلے لگا لیا۔ پیس خوشیوں سے بھر چکا تھا۔

نویں مہینے کا آغاز ہو چکا تھا۔ عنایہ کا جسم پھول گیا تھا، وزن بڑھ چکا تھا، لیکن زیدان کی محبت اور دعاؤں نے اس کے ہر لمحے کو آسان بنایا تھا۔ زیدان ہر وقت اس کے ساتھ ہوتا، ہر دعا میں عنایہ اور بچوں کا ذکر کرتا، ہر لمحہ اس کے ماتھے پر دم کرتا۔

ایشل اور صنم کا دو ماہ ہو چکا تھا، ان کی بھی بھرپور نگہداشت ہو رہی تھی۔ ایک شام، سب ڈنر ٹیبل پر جمع تھے، ہنسی خوشی میں وقت گزر رہا تھا کہ عنایہ کو اچانک شدید درد اور خون بہنے لگا۔

زیدان نے فوراً اسے اٹھایا اور نیچے زیر زمین بنائے گئے نجی ہسپتال میں لے آیا جہاں ماہر ڈاکٹروں کی ٹیم ہمہ وقت موجود تھی۔

باہر سب بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ چند لمحے بے حد سنگین تھے۔ ڈاکٹرز  
دوڑتے ہوئے اندر جا رہے تھے، ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔

اور پھر... دونھے بچوں کے رونے کی آواز گونجی۔

سب کی آنکھیں خوشی سے چھلک پڑیں۔ ڈاکٹر باہر آئی اور مسکراتے ہوئے کہا:

"مبارک ہو، ماں اور بچے دونوں خیریت سے ہیں۔"

زیدان فوراً اندر گیا۔ عنایہ تھکی ہاری مگر مطمئن لیٹی ہوئی تھی، اور اس کے پہلو

میں ایک خوبصورت بیٹی اور ایک نازک سا بیٹا موجود تھے۔

زیدان نے جھک کر عنایہ کا ماتھا چوما اور آہستگی سے کہا،

"اللہ نے مجھے جنت کے دو پھول عطا کیے ہیں... اور تم، میری جنت کی ملکہ ہو۔"

عناہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے، مگر وہ آنسو خوشی کے تھے۔

( تین سال بعد کا منظر )

تین سال کا وقت گزر چکا تھا...

دبئی کی شام، آسمان پر سنہری رنگ بکھیر رہی تھی۔ خنکی سے بھری ہوائیں زخموں پر مرہم رکھتی محسوس ہو رہی تھیں، جیسے وقت نے سب کچھ سنوار دیا ہو۔

زیدان خانزادہ کی زندگی اب پہلے جیسی نہ رہی تھی۔ وہ وحشی، خاموش اور اندھیرے میں ڈوبا ہوا شخص، آج علی شان محل نماپینٹ ہاؤس کے دلکش گارڈن میں اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ کھڑا مسکرا رہا تھا۔

آج اس کی اور عنایہ کی شادی کی سالگرہ تھی۔

پورا محل روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ گارڈن میں سفید اور سنہری رنگ کا تھیم رکھا گیا تھا۔ ہر کونے میں آرچز، گلاب، فانوس اور ستاروں جیسے جگمگاتے لائٹس آویزاں تھے۔ درمیان میں شاندار سجا ہوا ٹیبل تھا، جس پر کیک، پھولوں کے گلے سستے اور محبت بھرے کارڈز رکھے تھے۔

بچوں کی قہقہوں سے فضا معطر تھی۔



عناہ، سفید اور نیلے رنگ کی میکسی پہنے، ہاتھ میں زیدان کی بیٹی "ایلیا زیدان خانزادہ" کو تھامے کھڑی تھی، جبکہ زیدان کا بیٹا "ایسل زیدان خانزادہ" باغ کے پھولوں کے پیچھے چھپ چھپ کر سب کو تنگ کر رہا تھا۔

زیدان نے ان تین برسوں میں صرف محبت جیتی تھی۔ وہ اپنی بیوی کے آس پاس رہا، ہر پل، ہر لمحہ۔ اس نے نہ صرف اپنی بیٹی اور بیٹے کو اپنی جان سمجھا، بلکہ خاندان کے ہر فرد کو اس زندگی کا حصہ بنایا جو کبھی تنہا اور اجڑی ہوئی تھی۔

مینا ہل اور اسامہ کا بیٹا "ایشان اسامہ خان"، ہوریا اور عاصم کی بیٹی "الیزا عاصم خان"، سنم اور زافر کے بیٹے "نوفل زافر خان"، اور عیشیل اور ایمر کے بیٹے "ایلن ایمر خان" بھی اس محفل کی رونق تھے۔

بچوں کی کلکاریاں، بڑی سیڑیاں، ہوا میں اڑتے گبارے، اور نرم موسیقی —  
سب کچھ خواب سا لگتا تھا۔

عنایہ مسکرا کر زیدان کی جانب بڑھی۔ "تمہیں یاد ہے یہ جگہ؟ جہاں تم نے مجھے  
پہلی بار کہا تھا کہ تمہیں مجھ سے ڈر نہیں، محبت ہو گئی ہے؟"

زیدان نے خاموشی سے سر ہلایا، پھر آسمان کی طرف دیکھ کر گہری سانس لی۔  
"ہاں... اور تب سے لے کر آج تک، میرا ہر سانس تم سے جڑا ہے۔"

اُس نے جیب سے ایک چھوٹا سا باکس نکالا اور عنایہ کے سامنے گھٹنوں پر جھک  
گیا۔ باکس میں ایک نیلے نیلیم کی انگوٹھی تھی۔

"جو خوشیاں تم نے مجھے دی ہیں یہ تحفہ اُس کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے تم زیدان خانزادہ کی بنجر روح میں سرسبز سہراب کی طرح پھونکی گئی ہو یہ جان اور جان سے جوری آخری سانس بھی تمہاری ہے عنایہ نور۔۔ اور زیدان اپنا نور کبھی کھونے نہیں دے گا۔"

عنایہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے، خوشی کے۔

سب تالیاں بجانے لگے۔ کیک کاٹا گیا۔ بچوں نے کیک کے ساتھ منہ رنگا، اور زیدان نے عنایہ کے ماتھے پر لب رکھے۔

عنایہ گود میں بیٹے کو لیے جھولا جھلار ہی تھی۔ اس کی ہنسی کی کھنک ہوا میں تحلیل ہو رہی تھی۔

ایلیا، اپنی چھوٹی سی انگلیاں پاپا کی جیب سے باہر نکلتے چاکلیٹ کی طرف بڑھا رہی تھی۔

زیدان نے مسکرا کر وہ چاکلیٹ اسے دی اور اسے گود میں بٹھالیا۔

"بابا! ایلیا نے معصومیت سے کہا، "آپ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں گے نا؟"

زیدان نے اس کے چھوٹے سر کو چوما، اور آسمان کی طرف دیکھ کر آہستہ سے

بولا:

"جب تک یہ ستارے چمکتے ہیں... جب تک یہ رات سانس لیتی ہے... بابا

تمہارے ساتھ ہے، میری جان۔"

شام گہری ہو گئی۔ سب اندر جا چکے تھے، مگر زیدان باغ میں ایک کرسی پر بیٹھا

تھا۔ عنایہ تھکی ہوئی مگر مسکراتی ہوئی، اپنی بیٹی اور بیٹے کو جھولادے رہی تھی

زیدان کی آنکھیں بھر آئیں۔ اُس کے دل سے وہ اشعار پھوٹنے لگے جنہیں  
برسوں دل میں دبائے رکھا تھا۔

"جب زخم بھرنا اپنا ہو، پرائیں ساری اذیتیں لگیں  
جب سانسیں تمہاری اپنی ہوں، اور خاموشیاں بس تم سے ہوں  
جب حد درد سے گزرے ہم پر، تو دعابن کے نکلے تم  
جب آنکھیں بوجھ سے بوجھل ہوں، تو پلکوں سے ہی پڑھ لو تم  
پھر اپنا آپ مٹا دینا... اور اسے جا کے بس اتنا کہنا

اس دل کو کچھ یوں چھوئے تم  
کہ زیدان، صرف نام رہ جائے  
اور عشق۔۔۔ بس تمہارا ہو جائے ✨ ✨ "

اور یوں زخمِ محبت... شفا کی ایک نئی داستان بن کر مکمل ہوا۔

— زخمِ محبت )

(The Mafia Crown —)



زخم جو محبتوں کے تھے، وقت نے مرہم رکھ دیئے،  
خاموشیوں کے سینے میں، بے نام قصے دفن ہو گئے...

وہ زیدان... جو کبھی اندھیروں کا بادشاہ تھا،  
آج اپنی بیٹی کی ہنسی میں روشنی ڈھونڈتا ہے...



اور عنایہ... جو کبھی سہمی تھی تقدیر سے،  
آج اپنی دعاؤں کا حاصل گود میں لیے مسکراتی ہے۔

محبت، جو زخم سے شروع ہوئی،  
ایک خاندان کی کہانی میں ڈھل گئی،  
جہاں ماضی کا درد،  
مستقبل کے چمکتے قہقہوں میں کھو گیا۔

یہ صرف ایک ناول نہیں تھا،  
یہ ایک دل کی فریاد، ایک روح کی پکار تھی،  
جہاں نفرت ہاری، اور محبت جیت گئی...

مگر یہ اختتام نہیں...

کیونکہ ہر محبت کے پیچھے چھپی ہوتی ہے ایک اور کہانی،

ایک اور راز، ایک اور درد...

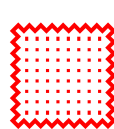
اور بہت جلد، ایک نیا ناول

اک نئے کردار... اک نئی دنیا کے ساتھ

آپ کے دلوں کو چھوئے گا...

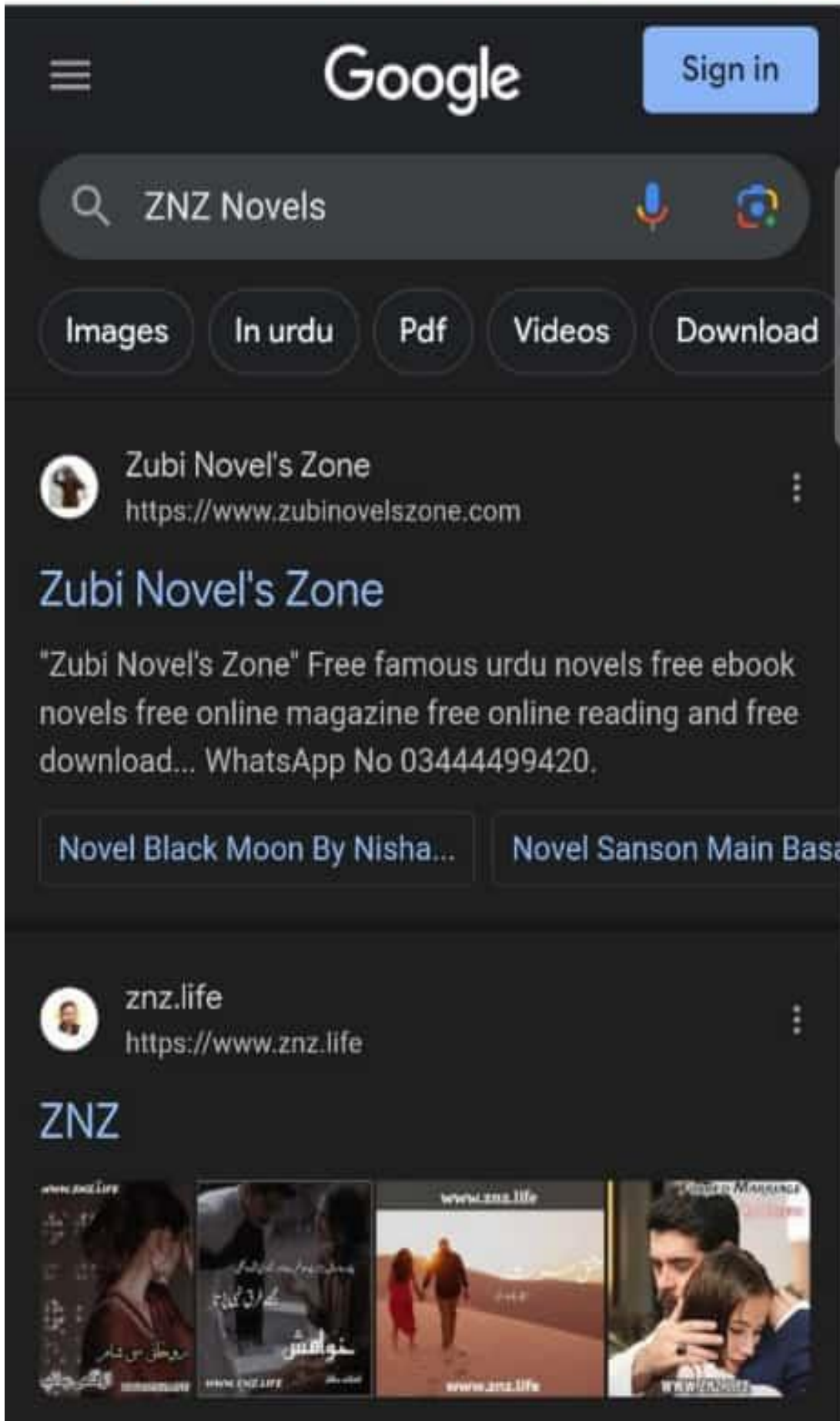
جلد آرہا ہے۔۔۔  

ایک نیا طوفان۔۔۔ ایک نئی محبت کی آزمائش۔۔۔

صرف "زنی قلم" کے قلم سے 

اگر آپ ناول پڑھنے کے شوقین ہیں تو ہم آپ کے لئے لائے ہیں دنیا کا سب سے بڑا ناولز کا مشہور ویب سائٹ جہاں سے آپ دنیا جہاں کے مزے کے ناولز پڑھ اور ڈاؤنلوڈ کر سکتے ہیں جو ناولز آپ کو کبھی کسی اور ویب سائٹ سے نہیں ملے گے

**ZUBINOVELSZONE.COM**  **ZNZ.LIFE**



تو دیر کس بات کی ابھی گوگل پر

جائے اور ٹائپ کریں

**ZNZ NOVELS**

ٹوپ پر دو ویب سائٹ آجائے

گے جسکی سکرین شاٹ آپ

سامنے دیکھ سکتے ہیں کوئی بھی

ایک سائٹ وزٹ کریں اور

اپنے پسند کا ناول سرچ کر کے

باسانی ڈاؤنلوڈ کر کے پڑھ لیں

مزید کے لئے رابطہ کریں

**0344 4499420**

Click On The Link Above To Read More Novels /  /  [0344 4499420](https://www.zubinovelszone.com/)

<https://www.zubinovelszone.com/>

For Free Ebook Novels Link

[https://heylink.me/ZUBI\\_NOVELS\\_ZONE](https://heylink.me/ZUBI_NOVELS_ZONE)

! اسلام علیکم

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا  
تک پہنچانا چاہتے ہیں تو زوبی ناولز زون

<https://www.zubinovelzone.com>

<https://www.znzlibrary.com/>

<https://www.znz.today/>

آن لائن ویب سائٹ آپ کو پلیٹ فارم فراہم کر رہا ہے اگر آپ ہماری ویب سائٹ پر اپنا ناول، افسانہ، کالم آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ابھی ای میل کریں۔

[ZUBINOVELSZONE@GMAIL.COM](mailto:ZUBINOVELSZONE@GMAIL.COM)

آپ ہمارے فیس بک پیج اور ای میل اور وٹس ایپ کے ذریعہ رابطہ کر سکتے ہیں  
وٹس ایپ پر رابطہ کرنے کے لئے نیچے لنک پر کلک کرے

[0344 4499420](https://www.facebook.com/zubairkhanafri2020)

<https://www.facebook.com/zubairkhanafri2020>

انتباہ! اس ناول کے تمام جملہ حقوق زوبی ناولز زون کے پاس محفوظ ہیں کسی بھی طرح کاپی کرنے سے گریز کیا جائے۔

<https://www.facebook.com/groups/Z.Novel.Zone>

**WHATSAPP CHANNEL LINK**

[Channel Join Now](#)

Click On The Link Above To Read More Novels / [🔗](#) / [✉](#) [0344 4499420](https://www.zubinovelzone.com/)

<https://www.zubinovelzone.com/>